भारत
Government of India
राष्ट्रीय पुस्तकालय, कलकत्ता ।
NATIONAL LIBRARY, CALCUTTA
वर्ग संख्या
Class No. 297.1221
पुस्तक संख्या
Book No. Mu 589a
RTO पु०/N.L.38

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

اعجاز التنزیل

قرآن مجید کے لفظاً و معناً کلام اللہ اور معجزہ ہونے
کے ثبوت میں

مصنفہ عالی جناب معلی القاب وزیر الدولہ مدبر الملک
خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر سی۔ آئی
ای وزیر اعظم ریاست پٹیالہ ادام اللہ اجلالہم

بار دوم

حسب فرمایش منیجر صاحب ڈیوٹی بک ڈپو مدرسۃ العلوم علیگڈھ

در مطبع عمدہ مفید اکرھا بہتمام محمد قاسم علیگ صوبہ شد فی شہر

سنہ ۱۹۰۴ء

(حق تالیف محفوظ ہے کوئی صاحب بلا اجازت تصنیف نہ طبع فرمائیں)

R.30/-
Mogamuddin.
NATIONAL LIBRARY
7837
18-7-10
CALCUTTA
DBA000007837URD

فہرست مضامین کتاب اعجاز التنزیل

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	تمہید - - - - - -	۱
۲	قرآن مجید کی وجوہ اعجاز میں علما کا اختلاف رائے اور اوسپر محاکمہ - - -	۱۲
۳	ملک عرب میں جو مذاہب ظہور اسلام سے پہلے جاری تھے اُنکا اور اہل عرب کی روحانی و اخلاقی اور تمدنی حالت کا بیان اور نبی کی بعثت کی ضرورت - - -	۱۳ تا ۲۰
۴	آنحضرت کی بعثت اور سورۂ رسالت دثر کی ابتدائی آیتوں کا نزول - - -	۲۱ تا ۲۵
۵	مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب کی شہادت رسالت آنحضرت کی حقیت کی نسبت -	۲۶
۶	آنحضرت کی سیرت کریم کی نسبت ڈاکٹر سپرنگر اور ریورینڈ راڈویل کی شہادت	۲۹
۷	قرآن مجید کے واعظ سے جو عظیم ترین اصلاح ظہور میں آئی اوسکی نسبت سر ولیم میور اور ریورینڈ راڈویل کا اعلیٰ درجہ کا اعتراف	۳۲ تا ۳۷
۸	اس امر کی تصحیح کہ آنحضرت کی رسالت کسی نفسانی خواہش کا نتیجہ تھا یا وحی والہام اُنکا باعث تھا	۳۸ تا ۴۵
۹	آنحضرت کا اپنے قبیلہ کے لوگوں کو دعوت اسلام کرنا اور حضرت علی مرتضیٰ کو اپنا وصی و خلیفہ اور وزیر قرار دینا اور جناب مرتضوی کی نسبت مسٹر کارلائل اور مسٹر اکلی کی رائے	۴۶ تا ۴۷
۱۰	آنحضرت کا اپنی قوم کے لوگوں کو دین اسلام کی دعوت فرمانا اور اس باب میں عزم جزم اور بے نظیر ثابت قدمی - -	۴۷ تا ۵۰
۱۱	حضرت ابوطالب کی خیر خواہی اور نصرت اسلام اور قریش کا بے انتہا غیظ و غضب اور مسلمانوں کو بیحد تکلیفیں پہنچانا -	〃 تا ۵۹
۱۲	مشرکین کا آنحضرت کو دنیوی لالچ دلانا اور آپکا کمال استغنا سے اُسکو رد کر دینا -	〃
۱۳	سورۂ نجم سجدہ کی چند آیتیں اور اُنکی تفسیر	۶۶
۱۴	مسلمانوں کا ملک حبش کو ہجرت کرنا اور اُسکے متعلق حالات - -	۶۷ تا ۷۲
۱۵	حضرت حمزہ بن عبد المطلب و عمر بن الخطاب کا ایمان لانا اور آنحضرت کی دعوت اسلام کی نسبت مؤلفین انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی رائے	۷۳ تا ۷۵
۱۶	آنحضرت کے برخلاف قریش کا باہم عہد کرنا اور تین برس تک بنی ہاشم کا سخت مصیبت میں مبتلا رہنا اور حضرت خدیجہ اور ابوطالب کی وفات اور آنحضرت کا طائف کو تشریف لیجانا	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	اور وہاں کے لوگوں کی سخت بدسلوکی اور	۷۵ بقایت
	اس معاملہ کی نسبت سر ولیم میور کی رائے	۷۹
۱۷	مدینہ کے اوّل چھ شخصوں اور پھر بہت سے لوگوں کا مکّہ میں آکر مسلمان ہونا اور نصرت کے وعدہ پر بیعت کرنا اور سر ولیم میور کا آنحضرت کی شان جلیل کی نسبت ایک حیرت آمیز اعتراف	۷۹ بقایت ۸۴
۱۸	مسلمانوں کا اور خود آنحضرت کا مدینہ منورہ کو ہجرت فرمانا - - -	۸۴ بقایت ۹۱
۱۹	شب ہجرت کو جاں نثاری اور ایمان و ایقان حضرت علیؑ مرتضیٰ سے ظہور میں آیا اُسکا مقابلہ حضرت مسیح کے حواریوں سے	۹۲ بقایت ۹۷
۲۰	بیت الشرف اور مسجد نبوی کی تعمیر اور اذان کی فرضیت اور اُسکی نسبت سر ولیم میور کی رائے	۹۷ ۱۰۳
۲۱	قرآن مجید کے حیرت انگیز اثر کی نسبت سر ولیم میور کی متعصبانہ تحریر اور اُسکا ردّ -	۱۰۳ ۱۰۹
۲۲	قرآن مجید کی تعلیم توحید کی نسبت موخ گبن کی رائے اور دین اسلام کو اکمل الادیان اور آنحضرتؐ کے خاتم الانبیا ہونیکی وجہ -	۱۰۹ ۱۱۱
۲۳	اس امر کی تحقیق کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ لکھے پڑھے نہ تھے - -	۱۱۲ ۱۱۶
۲۴	دنیا کے لیے انبیا کی ضرورت اور اُسکا عقلاً و نقلاً ثبوت اور آنحضرتؐ کی رسالت کی حق ہونیکی نسبت مُہر اور ظاہر کامل کا اعتراف	۱۱۶ ۱۲۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۵	اس امر کا ثبوت کہ اسلام فطرت مذہب انسان ہے اہل عرب کی روحانی و اخلاقی اور تمدنی حالت کی بیحد خرابی اور قرآن مجید نے جو حیرت انگیز اصلاح اُنمیں کی اُسکا بیان اور چند محقق علماے یورپ کی رائیں - -	۱۲۷ ۱۴۲ ۱۴۲ ۱۴۷
۲۶	اُن فوایدکا بیان جو اسلام سے عیسائی مذہب کو پہنچے - - - -	۱۴۷ ۱۵۳
۲۷	مسئلہ معاد اور عذاب و ثواب آخرت کی باب میں قرآن مجید اور توریت و انجیل کی تعلیمات کا مقابلہ - - - -	۱۵۴ ۱۶۷
۲۸	قرآن مجید کا اپنی نوع میں یکتا و یگانہ کامل اور اعلیٰ تر ہونیسے اُسکے الہامی الاصل ہونیپر استدلال اور بعض معترضین کے اعتراضوں کا جواب - - - -	۱۶۷ ۱۹۱
۲۹	قرآن مجید کی دائم الاثر و غیر منقطع اور روز افزوں برکات کا ثبوت ایک بہت بڑے عیسائی فاضل کی شہادت سے	۱۹۱ ۲۰۲
۳۰	بنی اسرائیل اور اہل عرب کی روحانی و اخلاقی اور تمدنی حالت کا مقابلہ اور قرآنی تعلیمات کا تفوق انجیلی تعلیمات پر -	۲۰۲ ۲۱۸
۳۱	مسئلہ تعدد ازدواج اور اخلاق کی اصلیت کا بیان اور اُسکے حسن و قبح کی نسبت ایک محققانہ بحث - - -	۲۱۸ ۲۴۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۲	عورتون اور یتیمون کیساتھ رعایت و احسان کے تاکیدی احکام کا ذکر -	۲۵۷ / ۲۶۶
۳۳	قتل اطفال خصوصاً لڑکیون کے قتل کا سخت امتناع - - -	۲۶۶ / ۲۶۸
۳۴	مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب کی رائے اور اُنکے بعض سخت اعتراضون کا جواب	۲۶۸ / ۲۷۸
۳۵	غلامی کے باب مین عیسائیت اور اسلام کی تعلیمات کا مقابلہ - - - -	۲۷۸ / ۲۸۵
۳۶	خیرات و مبرّات کے باب مین قرآنی تعلیمات کا مقابلہ انجیلی تعلیمات سے - -	۲۸۶ / ۲۹۸
۳۷	اڈورڈ گبن اور ابرہام ریس کی رائے	۲۹۸ / ۳۰۱
۳۸	اہلبیت رسالت کے عمل کی ایک مثال اور اُس سے جو نصیحتین حاصل ہوتی ہین	
	الکتابیان - - - - - -	۳۰۱ / ۳۰۳
۳۹	مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب کی رائے اور ڈین سٹینلی کے قول کا ردّ -	۳۰۳ / ۳۰۵
۴۰	قرآن مجید کی چند آیتین جو متضمن تعلیم اخلاق	۳۰۵ / ۳۱۲
۴۱	اِس امر کا ثبوت کہ قرآن مجید نے جس طرح انسان کی روحانی و اخلاقی حالت کی اصلاح مین بڑی انتہا کوشش کی ہے اُسیطرح حسن معاشرت اور تمدنی نیکیون کی بھی بہ صراحتہ تعلیم کی ہے -	۳۱۲ / ۳۲۲
۴۲	اِس امر کی تحقیق کہ کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا تھا - - - -	۳۲۲ / ۳۲۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۳	اس امر کا ثبوت کہ کوئی سریہ یا غزوہ اس مقصد سے نہین ہوا تھا کہ بجبر و زور شمشیر لوگون کو مسلمان بنایا جائے -	۳۴۷
۴۴	سریہ سیف البحر و سریہ رابغ و سریہ خرار	۳۴۷ / ۳۴۹
۴۵	غزوۂ ودّان و غزوۂ بواط و غزوۂ سفوان	۳۵۰ / ۳۵۱
۴۶	غزوۂ ذوالعشیرہ و سریہ نخلہ ..	۳۵۲
۴۷	غزوۂ بدر الکبریٰ - اور اسکی وجہ کی تحقیق و تنقیح	۳۵۳ / ۳۶۶
۴۸	سریہ عمر بن العدی الخطمی و سریہ سالم بن عُمیر و غزوۂ بنی قینقاع -	۳۶۶ / ۳۶۸
۴۹	غزوۃ السویق - غزوہ قرقرۃ الکدر -	۳۶۸
۵۰	سریہ محمد بن مسلمہ - - - -	۳۷۱
۵۱	غزوۂ ذی امر - - - -	۳۷۲
۵۲	سریہ قردہ - - - -	״
۵۳	غزوہ اُحُد - - - - -	۳۷۳ / ۳۷۸
۵۴	غزوۂ حمراء الاسد - -	۳۷۹
۵۵	سریہ عبداللہ بن انیس و سریہ قطن	۳۸۰ / ۳۸۱
۵۶	سریہ رجیع - - -	۳۸۱
۵۷	سریہ بیر معونہ - غزوہ بنی نضیر -	۳۸۲ / ۳۸۳
۵۸	غزوۂ بدر الاخریٰ - - -	۳۸۳
۵۹	غزوہ ذات الرّقاع - غزوۂ دومۃ الجندل	۳۸۴
۶۰	غزوۂ بنی مصطلق - - -	۳۸۵
۶۱	غزوۂ خندق یا احزاب - -	۳۸۵ / ۳۸۸
۶۲	سریہ عبداللہ بن عتیک -	۳۸۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۳	غزوہ بنی قرنطیہ - - -	۳۹۲
۶۴	غزوہ قریظہ - - -	۳۹۳
۶۵	غزوہ بنی لحیان - غزوۂ ذی قردہ سریّہ عکاشہ بن محصن اسدی وسریّہ ذی القصہ	۳۹۳ / ۳۹۵
۶۶	سریّہ عمرو - سریّہ عیص وسریّہ طرف	۳۹۵
۶۷	سریّہ حسمی وسریّہ وادی القریٰ -	۳۹۶
۶۸	سریّہ دومۃ الجندل - - -	۳۹۷
۶۹	سریّہ فدک - سریّہ زید بن حارثہ -	۳۹۸ / ۳۹۹
۷۰	سریّہ عبداللہ بن رواحہ - -	۴۰۰
۷۱	سریّہ عرینیین وسریّہ عمر بن اُمیّہ -	۴۰۰ / ۴۰۲
۷۲	غزوہ حدیبیّہ - - -	۴۰۴
۷۳	غزوہ خیبر - غزوہ وادی القریٰ و سریّہ تربہ وسریّہ غالب الیثی وسریّہ بشیر بن سعد - - - -	۴۰۵ / ۴۰۷
۷۴	سریّہ ابن ابی العوجاء سلمی وسریّہ غالب بن عبداللہ وسریّہ ایضاً وسریّہ شجاع بن وہب اسدی وسریّہ کعب بن عمیر غفاری	۴۰۸
۷۵	سریّہ موتہ وسریّہ عمرو بن عاص وسریّہ ابی عبیدہ بن جراح وسریّہ ابی قتادہ انصاری وسریّہ ایضاً - - -	۴۱۰
۷۶	غزوہ فتح مکّہ - - -	۴۱۱ / ۴۱۹
۷۷	سریّہ خالد بن ولید وسریّہ ابی قتادہ -	۴۲۰
۷۸	غزوۂ حنین - - -	۴۲۱ / ۴۲۲
۷۹	غزوۂ طائف - - -	۴۲۳
۸۰	سریّہ عینہ - سریّہ قطبہ وسریّہ ضحاک	۴۲۴
۸۱	وسریّہ عبداللہ حذافہ - -	۴۲۵
۸۲	سریّہ بنی طے - - -	۴۲۶
۸۳	غزوۂ تبوک - - -	۴۲۷
۸۴	جزیہ کی حقیقت اور اہل ذمہ پر اُسکے عاید کیے جانے کی وجہ -	۴۲۹ / ۴۴۲
۸۵	جہاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواز اور عدم شناعت کی نسبت بعض مشاہیر علمائے یورپ کی رائین -	۴۴۳ / ۴۷۰
۸۶	ایک عیسائی محکمۂ مذہبی عدالت کا ذکر	۴۷۰ / ۴۷۷
۸۷	پہلی پیشین گوئی - - -	۴۷۷ / ۴۸۵
۸۸	دوسری پیشین گوئی - -	۴۸۵ / ۴۹۲
۸۹	تیسری پیشین گوئی - -	۴۹۲ / ۵۰۱
۹۰	قرآن مجید کے لفظاً معجز ہونے کی ایک بے نظیر مثال - - -	۵۰۱ / ۵۰۳
۹۱	خاتمہ الکتاب - - -	۵۰۴ / ۵۰۶
۹۲	قطعات تاریخات اختتام و انطباع کتاب اعجاز التنزیل - -	۵۰۶ / ۵۰۸

"هٰذا کِتابُنا یَنطِقُ عَلَیکُم بِالحَقِّ"

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

وَنُصَلِّی عَلٰی سَیِّدِنا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الکَرِیمِ

وہ اَن دیکھا - اور اَن بوجھا - پاک اور نا تغیر پذیر وجود - جو سب سے پوشیدہ اور سب پر ظاہر ہے اور ہمارا ہونا جسکے ہونے کی دلیل ہے اور جس کا نام اللہ ہے - جس طرح اپنی ذات مین بے نظیر و بے مانند ہے اُسیطرح اپنے افعال و آثار مین بھی بے مثل و بے عدیل ہے - یعنی جسطرح کوئی اپنے تئین اُسکا سا نہین بنا سکتا - اُسی طرح اُسکے سے افعال و آثار بھی صادر نہین کر سکتا اور کیونکر کر سکے کہ بے مثالی اور بے نظیری اُسکی ذات کی طرح اُسکے افعال و آثار کا خاصّہ ہے - اور خاصہ کی یہی تعریف ہے کہ اپنے موصوف کے سوا دوسری شے میں نہ پایا جاے - اور جبکہ یہ امر بداہتًا ثابت ہے - تو ہم کہتے ہیں کہ کوئی کلام جو اُس ذاتِ پاک کا کلام ہو - ناممکن ہے کہ انسان ایسا کلام کر سکے

جو کسی ایک صفت مین بھی اُسکا ہمسر تہ یا ہمپایہ ہو۔ کیونکہ وہ اُسکا کلام یا فعل ہے جو اپنی ذات کی طرح اپنے افعال مین بھی بے نظیر و بے مانند ہے۔ اور جس کلام کو کلام خدا کہا جاے اُسکے جانچنے اور پرکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ دیکھا جاے کہ انسان سے اُسکا معارضہ ممکن ہے یا نہین۔ اور اگر نا ممکن ہو تو جان لینا چاہیے کہ وہ کلام۔ کلام خدا ہے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ جس کلام کو ہم مسلمان کلام خدا کہتے اور یقین کرتے ہین ایسا ہے یا نہین؟ پس ہم کہتے ہین کہ بیشک و شبہ ایسا ہی ہے۔ اور ممکن نہین کہ انسان اُسکا معارضہ کر سکے۔ اور ہم کون اور ہمارا کہنا کیا جبکہ خود اُسکے متکلم نے کمال شد و مد سے اُسکے اپنا کلام اور بے مثل و بے مانند ہونے کا دعوی کیا۔ اور اُسکو ثابت کر دکھایا۔ چنانچہ سورہ بقرہ مین فرمایا "اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" یعنی اگر تم کو اُس چیز مین شک ہے جو ہمنے نازل کی ہے اپنے بندہ پر تو اُسکے ایک ٹکڑے ہی کی مانند لاؤ اور خدا کے سوا اپنے حمایتیون کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پھر سورہ یونس مین فرمایا "اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" یعنی کیا کافر قرآن کو کہتے ہین کہ یونہیں بنا لیا ہے؟ تو (اے پیغمبر) تو اُن سے کہدے کہ اگر سچے ہو تو اُسکے ایک ٹکڑے ہی کی مانند تم بھی لاؤ اور خدا کے سوا جسکو مدد کے لئے بلا سکتے ہو بلا لو۔ پھر سورہ ہود مین فرمایا۔

"اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ" یعنی کیا کافر قرآن کو کہتے ہیں کہ یونہین بنالیا ہے؟ تو (اے پیغمبر) تو اُنسے کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو اُسکی دس سورتوں ہی کی مانند یونہیں بنا لاؤ اور سوائے خدا کے جسکو بُلا سکتے ہو مدد کے لئے بُلا لو۔ پھر سورۂ بنی اسرائیل مین فرمایا۔

"قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا" یعنی کہدے (اے پیغمبر) کہ اگر جن وانس اس بات پر متفق ہوں کہ اس قرآن کی مثل بنالائیں تو اُسکی مانند نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار بھی ہو۔

مگر یہہ امر غور طلب ہے کہ ان آیتوں میں قرآن کی مثل و مانند سے کیا مُراد ہے؟۔ تقریباً تمام علما اور مفسرین کی یہہ راے ہے کہ چونکہ زمانۂ نزول قرآن میں اہل عرب کو "فصاحت و بلاغت" کا بڑا ہی دعویٰ تھا۔ پس خدا نے قرآن کے من اللہ ثابت کرنے کو اُسمیں یہہ معجزہ رکھا کہ ویسا فصیح و بلیغ کلام کوئی بشر نہیں کہہ سکتا۔ چنانچہ آجتک کوئی نہیں کہہ سکا۔ اور اس بنا پر اُنہوں نے لفظ مانند سے "فصاحت و بلاغت" مین مانند ہونا قرار دیا ہے مگر چونکہ ان آیتوں میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے "فصاحت و بلاغت" میں معارضہ کا چاہا جانا پایا جاے۔ اسلئے میرے محترم دوست آنریبل سر سیّد احمد خان بہادر۔ سی۔ ایس۔ آئی اس راے کو نہین

مانتے اور فرماتے ہیں کہ اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ قرآن مجید نہایت اعلیٰ سے اعلیٰ

درجۂ فصاحت و بلاغت پر واقع ہے - اور جو کہ وہ ایسی وحی ہے جو پیغمبر کے
قلب نبوت پر نہ بطور معانی و مضمون کے بلکہ بلفظہٖ ڈالی گئی تھی جسکے سبب سے
ہم اُسکو وحی مَتْلُوّ یا قرآن یا کلام خدا کہتے اور یقین کرتے ہیں - اسلئے ضرور
تھا کہ وہ ایسے اعلیٰ درجۂ فصاحت پر ہو جو بے مثل و بے نظیر ہو - مگر یہہ
بات کہ اُسکی مثل کوئی نہیں کہہ سکا یا کہہ سکتا اُسکے من اللہ ہونیکی دلیل نہیں
ہو سکتی [۵] کسی کلام کی نظیر نہ ہونا اس بات کی تو بے شبہ دلیل ہے کہ اُسکی
مانند کوئی دوسرا کلام موجود نہیں ہے - مگر اسکی دلیل نہیں ہے کہ وہ

[۵] اگرچہ جمہور علماے اسلام کی یہہ راے ہے کہ قرآن مجید بوجہ اپنی "فصاحت و بلاغت"
اور نظم و ترتیب کے معجز ہے - مگر بعض علما اخبار عن الغیب کو بھی اسمیں شامل کرتے ہیں -
اور بعض نے صرف صَرفہ ہی کو وجہ اعجاز قرار دیا ہے - یعنی خدا کا فصحاء و بلغاے عرب
کی ہمتوں کو قرآن کے معارضہ سے پھیر دینا جسکا مدعا یہہ ہے کہ فصاحت و بلاغت
اور نظم و ترتیب کی وجہ سے نہیں - بلکہ صرف صَرف ہمت کی وجہ سے مشرکین
معارضہ نہ کر سکے - چنانچہ ابراہیم بن سیّار معروف بہ نظّام مُعتزلی
اور بعض اصحاب شیخ ابو الحسن اشعری اور شریف مرتضےٰ علم
الہدےٰ اسی طرف گئے ہیں - اور عیسےٰ ابن صبیح ملقب بہ مزدار نے
تو یہانتک کہدیا ہے کہ "فصاحت و بلاغت" اور نظم میں معارضہ ممکن ہے
مگر محققین کی راے یہہ ہے کہ قرآن مجید باعتبار اپنے معانی و الفاظ دونوں کے
معجز ہے - خصوصاً جبکہ دونوں باتوں کو بالاشتمال ملحوظ رکھا جاے جیسا کہ علامہ
عبد الرزاق لاہیجانی نے اپنی کتاب گوہر مراد میں لکھا ہے - مولف عفی عنہ

خدا کی طرف سے ہے۔ بہت سے کلام انسانوں کے دنیا میں ایسے موجود ہیں
کہ اُن کی مثل "فصاحت و بلاغت" میں اگرچہ دوسرا کلام نہیں ہوا مگر وہ
من اللہ تسلیم نہیں ہوتے" اور مذکورہ بالا آیتوں کی طرف اشارہ کر کے
فرماتے ہیں کہ "نہ ان آیتوں میں کوئی ایسا اشارہ ہے جس سے "فصاحت
و بلاغت" میں معارضہ چاہا گیا ہو بلکہ صاف پایا جاتا ہے کہ جو ہدایت قرآن
سے ہوتی ہے اُسمیں معارضہ چاہا گیا ہے۔ کہ اگر قرآن کے خدا سے ہونے میں
شبہ ہے تو کوئی ایک سورہ یا دس سورتیں یا کوئی کتاب مثل قرآن کے پنا لاؤ
جو ایسی ہادی ہو" اور اپنی اس رائے کی تائید میں سورۂ قصص کی اس
آیت کو پیش کرتے ہیں۔ قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ أَهْدٰى
مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ یعنی (اے پیغمبر) تو کافروں سے کہدے
کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی کتاب جو توریت اور قرآن سے زیادہ ہدایت کرنے والی ہو
اُسے لاؤ" اور فرماتے ہیں کہ "توریت کی عبارت فصیح نہیں ہے۔ بلکہ عام
طور کی عبارت ہے۔ اس لئے کہ علاوہ قومی دستورات اور تاریخانہ
مضامین کے جو اُس کے جامع نے اُسمیں شامل کئے ہیں جسقدر مضامین
وحی کے اسمیں ہیں اُنکا القا بھی بلفظہ شاید بجز احکام عشرہ توریت کے جنکو
حضرت موسیٰ نے پہاڑ میں بیٹھکر پتھر کی تختیوں پر لکھوا لیا تھا پایا نہیں جاتا۔
پس ظاہر ہے کہ قرآن کو ویسا ہی فصیح ہونا چاہیئے مگر جو معارضہ ہے وہ اُسکی فصاحت و

---

۵۱ محقق سید نے اس امر کو کہ کتابت فی الالواح خدا کا فعل تھا بلکہ حضرت موسیٰ کا کام
تھا معقول طور پر ثابت کیا ہے۔ دیکھو تفسیر القرآن۔ جلد سوم صفحہ ۴۴۴ لغایت ۴۴۷۔
(مولف)

بلاغت یا اُسکی عبارت کے بے نظیر ہونے پر نہیں ہے بلکہ اُسکے بمثل
ہادی ہونے میں ہے جو بالتصریح سورہ قصص کی آیت میں بیان ہوا ہے
ہاں اُسکی فصاحت و بلاغت اُسکے بے نظیر ہادی ہونے کو زیادہ تر روشن
اور مستحکم کرتی ہے" (انتہیٰ قولہ) جسکا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ سورہ بقرہ وغیرہ
سورتوں کی آیتوں میں تصریح نہیں ہے کہ کس چیز میں معارضہ چاہا گیا ہے۔
اور سورہ قصص کی آیت نے اُسکی صراحت کر دی ہے تو درست بات
یہی ہے کہ معارضہ قرآن مجید کے بمثیل ہادی ہونے میں چاہا گیا ہے نہ
فصیح و بلیغ ہونے میں"۔

بزرگ سید کا یہہ اختلاف راے ایک تو اس خیال سے ہے
کہ کوئی یہہ شبہ نکرے کہ جس حالت میں کہ بہت سے کلام انسانوں کے
دنیا میں ایسے موجود ہیں کہ اُنکی مثل "فصاحت و بلاغت" میں دوسرا کلام
نہیں ہوا اور وہ من اللہ تسلیم نہیں ہو سکتے تو پھر قرآن میں کیا خصوصیت ہے
کہ من اللہ تسلیم کیا جاے۔ دوسرے اسوجہ سے کہ جن لوگوں کی زبان
عربی نہیں ہے اور وہ اُسکی "فصاحت و بلاغت" سے ناآشنا ہیں تو قرآن کی
"فصاحت و بلاغت" اُنپر حجت نہیں ہو سکتی اور جب حجت نہ ٹھہری تو قرآن مجید معجزہ
مستمرہ نرہا جسکے ہم مسلمان مدعی ہیں۔ کیونکہ اُنکی کتاب کا یہہ موضوع ہے کہ ہر قسم
کا شبہ یا اعتراض جو قرآن کے من اللہ ہونے کی نسبت کیا جاے اُسکا حل
اُسمیں موجود ہو۔ جیسا کہ اُنھوں نے اسکا لکھنا شروع کرنے سے پہلے مشتہر بھی
کیا تھا اور چونکہ قرآن مجید میں دقایق علم مبداء و معاد (جسکے جاننے پر انسان کی

نجات موقوف ہے ایسی شرح وبسط اور ایسے بے نظیر اسلوب سے بیان
ہوئے ہیں کہ ویسا یا اُس سے بہتر بیان کرنا ممکن نہیں - اور بڑے سے بڑا
عالم اور فلسفی اور جاہل سے جاہل گنوار بلا خصوصیت قوم اور ملک اور زبان کے
ترجمہ کے ذریعہ سے ہر وقت اور ہر زمانہ میں اُسکو سمجھ سکتا اور اُسکے مدعا سے
واقفیت حاصل کر سکتا ہے - اسلئے اُنہوں نے اسی امر کو جو قرآن کا اصل
مطلب و مُدعا ہے محلّ معارضہ ٹھہرایا ہے - مگر میں اُنسے کسیقدر مختلف الرائے
ہوں - اور سورۂ قصص کی آیت کو دوسری آیتوں کا جنکا اوپر ذکر ہوا مفسر
نہیں سمجھتا - اور اس امر کو تسلیم نہیں کرتا کہ محلّ معارضہ قرآن کا صرف "بمثل
ہادی" ہونا ہے "نہ فصیح و بلیغ" ہونا - کیونکہ سورۂ قصص کی اس آیت سے پہلے
جو آیت ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکین عرب نے یہودیوں کے سکھانے
سے یہ کہا تھا "لَوْلَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی" یعنی ہم اُسوقت تک ایمان
نہیں لانیکے جبتک کہ موسیٰ کی سی کتاب نہ لاؤ جسکے جواب میں خدا نے الزاماً فرمایا
"اَوَلَمْ یَکْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا وَقَالُوْٓا اِنَّا
بِکُلٍّ کٰفِرُوْنَ" جسکا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ کیا کافروں نے موسیٰ کی کتاب
کا انکار نہیں کیا؟ اور اُسکو اور قرآن کو جادو کی کتابیں نہیں بتایا؟ اور نہیں کہا
کہ ہم دونوں میں سے ایک کو بھی نہیں مانتے" اور فرمایا "قُلْ فَاْتُوْا بِکِتٰبٍ مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ" یعنی اے
ہمارے پیغمبر اُن سے کہدے کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ توریت اور
قرآن جھوٹی اور جادو کی کتابیں ہیں تو اُن سے زیادہ ہدایت کرنے والی کوئی

کتاب لاؤ" اور فرمایا "فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ" یعنی پھر اگر یہ اس بات کو قبول نکریں یا ایمان نہ لائیں تو جان لے کہ صرف اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتے ہیں اور اُس سے زیادہ کون گمراہ ہے جو خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش نفسانی کی پیروی اختیار کرے"

پس ظاہر ہے کہ اس موقع پر کہ توریت (جسکی عبارت فصیح نہیں بلکہ عام طور کی ہے) اور قرآن کے سچے اور جھوٹے ہونے کی بحث تھی اُسکو چھوڑ کر اپنے اثبات دعوے کے لئے صرف قرآن کی "فصاحت و بلاغت" میں معارضہ کا طالب ہونا بے محل اور اُس معجزانہ بلاغت کے مقتضا کے خلاف تھا جو اُس کلام پاک کا خاصہ ہے۔ اور کسی ایسی اجہل اور نا مہذب اور نا تربیت یافتہ قوم کا جیسی کہ قوم عرب تھی قرآن مجید کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے حکیمانہ اور پُر از دقایق معارف مضامین کے مقابلہ میں اُسکے ایک سورہ کی مانند بھی نہ لاسکنا اُس کلام معجز کے لئے باعث فخر و مباہات نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بقول جناب سید "جبکہ ایسی قوم کے ایسے خیالات ہونے ممکن ہی نہ تھے جیسے کہ قرآن میں ہیں" تو اُسکا قرآن مجید کے مقابلہ میں اُسکے ایک سورہ کی مانند بھی نہ لاسکنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ مخاطبین اوّل قرآن مشرکین مکہ اور اور اہل عرب تھے جو ایک لٹیری، چور، قزاق، خانہ بدوش اور ایسی قوم تھی کہ جس میں ذرا ذرا سی باتوں پر ہمیشہ خونریزیاں رہتی تھیں۔ مثلاً وہ لڑائی جو اشعار عرب میں

حرب بسوس کے نام سے مشہور ہے۔ اور جو چالیس برس تک رہی
تھی۔ اور ابتدا سے آخر تک ستر ہزار آدمی مارا گیا تھا اُسکی بُنیاد صرف یہ
تھی کہ بسوس نامی ایک عورت کے ایک مہمان کی اونٹنی ایک شخص کی
چراگاہ میں جو بنی بکر میں سے تھا چلی گئی تھی اُسنے اُسکے تھن کاٹ ڈالے
عورت نے اپنے بھانجے کے پاس جو بنی تغلب میں سے تھا اس بیعزتی
اور ظلم کی جو اُسکے مہمان پر ہوا فریاد کی۔ اور اُسنے چراگاہ والے کو جا کر مار ڈالا۔
مقتول کے بھائیوں نے خونخواہی کی طیاری کی۔ اور اول بنی بکر اور
بنی تغلب میں لڑائی شروع ہوکر پھر رفتہ رفتہ تمام قبیلوں میں پھیل گئی[۵۸]
اسی طرح ایک دوسری لڑائی جو حرب داحس کے نام سے مشہور ہے
اور جو تر۶۳سٹھ برس تک رہی تھی اُسکا سبب بھی صرف اتنی بات تھی کہ داحس
نامی ایک گھوڑا اگھڑ دوڑ میں آگے بڑھا چاہتا تھا۔ ایک شخص نے بڑھکر
اُسے پچھاڑ دیا اور اس بات پر وہ رن پڑے کہ قبیلے کے قبیلے پامال ہوگئے
کینہ وفساوت کا یہ حال تھا کہ عورتیں اپنے زخمی اور مقتول دشمنوں کا کلیجہ
نکالکر دانتوں سے چباتیں اور ناک۔ کان اور مذاکیر کاٹ کر اور تاگے میں
پروکر ہار اور پہنچیوں کی طرح گلے اور ہاتھوں میں پہنتی تھیں۔ چوری اور قزاقی
میں یہانتک ناموری حاصل کی تھی کہ غیر قوموں نے سارقین (سارقین کا محرف ہے) خطاب دے رکھا تھا۔ بیرحمی سنگدلی ننھے

۵۸ اس لڑائی کی وجہ جسطرح پر کتاب تبیین الاسلام میں بیان کی گئی ہے صحیح نہیں ہے صحیح
یہ ہے جو ہمنے تاریخ ابن اثیر اور تاریخ ابوالفداء سے نقل کیا ہے۔ ۱۲ مؤلف

ننھے معصوم اور شیر خوار بچوں کا زندہ زمین میں گاڑکر مار ڈالنا یا بتوں پر
قربانی چڑھا دینا یہ تو گویا اُنکی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ حرامکاری اور بیحیائی کو
بے شرمی کی یہہ نوبت تھی کہ کُواری اور بیاہی عورتیں زنا کو فخر سمجھتی تھیں۔
اور جس طرح مرد کسی نامی عورت یا مشہور خاندان کی عورت سے زنا کرنا فخر کے
طور پر بیان کرتا تھا اسیطرح عورتیں کسی نامی مرد یا مشہور خاندان کے مرد سے
زنا کرنا فخریہ بیان کرتی تھیں۔ اکثر مفلس عورتیں اور مرد ما در زاد برہنہ
کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا ورثہ کے طور پر اپنی
سوتیلی ماؤں پر جبراً متصرف ہو جاتا اور گھر میں ڈال لیتا تھا۔ بن ماں باپ کے
بچوں کا مال کھا لینے میں ذرا بھی تامل نکرتے تھے۔ اور حق ہمسائگی تو کوئی
چیز ہی نہ تھا جس کا پاس و لحاظ کرتے۔ بجز شراب خواری و قمار بازی اور
بُت پرستی کے کچھ کام نہ تھا۔ گھر گھر بُت پُجتے تھے اور قبیلہ قبیلہ کا خدا جدا تھا
قوم کی قوم جاہل تھی اور دنیا کی قوموں سے ایسی بے تعلق اور کونے
مین پڑی ہوی تھی کہ تعلیم و تربیت کی پرچھائیں تک اُسپر نہ پڑی تھی۔ اور
ایک غیر معلوم زمانہ سے ایسی سرشار جہالت و ضلالت میں ڈوبی ہوئی تھی
کہ مبدأ و معاد کی خبر ہی نہ تھی۔ انسان کی ہستی کا مآل صرف یہہ سمجھے ہوئے تھی
کہ جینا مرنا جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے۔ اسکے بعد کچھ نہیں جب وقت
پورا ہو جاتا ہے مر جاتے ہیں۔ مارنے جلانے والا کوئی نہیں۔ چنانچہ
انہیں کے حال سے خدا نے قرآن مجید میں خبر دی ہے کہ "قَالُوْا مَا هِیَ
اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ"† مگر با اینہمہ

† دیکھو سورۂ جاثیہ رکوع سویم۔ مولف عفی عنہ۔

ان لوگون نے اپنی زبان کو ایسی ترقی دی تھی - اور فصاحت و بلاغت
مین وہ کمال بہم پہنچایا تھا - کہ ایک ایک فصیح صاحب تقریر خطیب کہلاتا
تھا - قبیلوں کے قبیلوں کو فقط اپنے کلام کے زور سے جس ارادہ سے
چاہتا روک لیتا اور جدھر چاہتا جھونک دیتا تھا - اشراف خاندانوں کے
بچے لطفِ زبان طوطی اور بلبل ہزار داستان کی طرح گویا اپنے ساتھ لے کر
پیدا ہوتے تھے - مکہ معظمہ کے پاس بمقام عکاظ جو برسوین دن میلہ لگتا
تھا اور تمام عرب کے لوگ آنکر جمع ہوتے تھے - اُسمین شعرا اپنے قصیدے
اور اشعار پڑہتے تھے - اور جو قصیدہ پسند ہوتا تھا تمام میلہ میں اُسکی دُھوم
پڑجاتی تھی اور ہرن - بکری یا اونٹ کی جھلی یا ریشمی کپڑے پر سُنہری حرفوں میں
نقش و نگار ہوکر کعبہ کی دیوار پر آویزان کیا جاتا اور مُذہّبہ یا مُعلّقہ کہلاتا تھا چنانچہ
سبعہ معلقہ جو عربی کے نہایت مشہور و معروف سات قصیدے ہین اُنہیں
میں سے ہیں - اور کعبہ کی دیوار پر قصیدہ کا آویزاں ہونا بڑا ہی موجب فخر سمجھا
جاتا تھا - یہانتک کہ مصنف کے پاس قبیلوں سے مبارکباد کے خط آتے
تھے - الغرض اُنکا سرمایۂ ناز بھی اُنکی ایک زبان تھی جسپر وہ نہایت ہی اِترا تے
اور اپنے مقابلہ میں تمام دنیا کے لوگوں کو گونگا اور بے زبان یعنی (عجم)
بتلاتے تھے - پس جب خدا نے اپنے نہایت فضل و کرم سے اِن لوگونکی
ذلیل و زبون حالت پر رحم کھاکر خود اُنہیں میں سے ایک شخص کو (دل و جانم
فدائے نامش باد) اُنکی تعلیم و ہدایت کے لئے کھڑا کیا - اور اپنے کلام
پاک کی روشنی اُسکے قلبِ منور پر ڈالی - تو مقتضائے وقت کے لحاظ

سے ضرور تھا کہ وہ کلام جو نہ صرف قومِ عرب بلکہ تمام قوموں کی ہدایت اور تعلیم
کے لئے نازل ہوا تھا اپنی معنوی خوبیوں اور روحانی برکتوں کے علاوہ لفظی
لطافتوں اور ظاہری کمالوں سے بھی ایسا مملو و معمور ہو کہ اُس کی مثل
کہہ لینا ناممکن ہو۔ تاکہ وہ قومِ جاہل جو نکات و دقایق علم مبداء و معاد
سے بالکل ناواقف و بیخبر اور صرف کلام کی ظاہری خوبی یعنی "فصاحت و بلاغت"
ہی کو ایک بڑی چیز سمجھے ہوئے تھی اُسکے معارضہ سے عاجز ہو کر اُسکو کلامِ
الٰہی جانے اور ایمان لائے۔ چنانچہ یہی سبب تھا کہ جب کافروں نے
اُس کلامِ پاک کے من اللہ ہونے میں شک کیا۔ اور کبھی جادو۔ اور کبھی
کچھ۔ اور کبھی کچھ بتایا۔ تو خدا نے بطور حجت اور دلیل صداقت اپنے رسولؐ کے
اُسی چیز میں اُسنے معارضہ چاہا جسکا اُنکو بڑا گھمنڈ تھا۔ اور نہ صرف
ایکدفعہ بلکہ کئی دفعہ اور کئی موقعوں پر فرمایا کہ "اگر قرآن کے من اللہ ہونے
میں شک ہے۔ اور اپنی بات میں سچے ہو۔ تو اُسکے ایک ٹکڑے ہی
کی مانند لاؤ۔ اور اپنے حمایتیوں کو بھی بُلالو" اور فرمایا کہ "پھر اگر تم
نکر سکے" اور پھر بطور یقین کے فرمایا کہ "کبھی نکر سکو گے تو بچو اُس آگ
سے جس کا ایندھن بت پرست آدمی اور وہ پتھر ہیں جنکو وہ اپنا خدا
بنا کر پوجتے ہیں اور جو طیار ہے کافروں کے لئے" پس حق یہ ہے کہ قرآن مجید
جیسا بلحاظ اپنے بے نظیر ہادی ہونے کے بےمثیل و بے مانند ہے۔ ویسا ہی
باعتبار اپنی "فصاحت و بلاغت" کے بھی بے نظیر و بےبدیل اور
خارج از طاقت بشری ہے۔ علی الخصوص اُس حالت میں جبکہ اِن

دونوں پہلوؤں پر بالاستعمال غور۔ اور اُس شخص کے علوم ظاہری سے بالکل ناواقف اور اُمّی ہونے پر لحاظ کیا جائے جسکی زبان پاک سے وہ نکلا ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالےٰ ہم اپنی اِس کتاب میں ثابت کریں گے وباللہ التوفیق۔

اَب پہلے ہم قرآن مجید کی معنوی خوبیوں اور باطنی کمالوں کا بیان کرتے ہیں۔ اور دکھاتے ہیں کہ اُس کلام پاک نے بنی آدمؑ کی روحانی اور اخلاقی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ترقی تمدن کے باب میں کیا بانی کرشمے دکھائے اور کیسے دائم الاثر حقّانی نتیجے پیدا کئے۔ جو اس امر کے ثابت کرنے کو کافی ہیں کہ جس کلام کے وہ نتیجے ہیں وہ بیشک و شبہ کلام الٰہی ہے۔ اور ممکن نہیں ہے کہ بغیر تائید وحی والہام کے انسان ایسا کلام کر سکے کہ جسکے نتیجے ایسے عظیم الشان اور دائم الاثر ہوں۔ پس واضح ہو کہ جس زمانہ میں جناب خاتم الانبیا علیہ التحیۃ والثناء پر قرآن مجید نازل ہوا۔ دنیا ایک عجیب روحانی سکتہ میں مبتلا تھی۔ توحید ذات وصفات باری اور خالص خدا پرستی کو تقریباً تمام لوگ بھولے ہوئے تھے۔ اور طرح طرح کے فاسد عقیدے اور غلط رائیں۔ اور باطل پرستیں۔ اختیار کر رکھی تھیں۔ کوئی خدائے واحد کی جگہ دو مقابل وجود نور و ظلمت یا یزدان و اہرمن کو قائم کر کے نیکی و بدی کے اختیار کو اُن میں تقسیم کرتا تھا۔ کوئی چاند۔ سورج وغیرہ ستاروں کے نور و ضیا کا فریفتہ تھا! اور نور خدا۔ بلکہ خدا سمجھکر اُن کے آگے سر جھکاتا تھا! کوئی آتش پرستی میں سرگرم

تھا اور اگ کو معبود حقیقی سمجھکر اُس سے لو لگائے ہوئے تھا۔ کوئی بڑے اور
مفید دریاؤں اور جھیلوں کی محبت اور عقیدت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ
میری کشتی کا پار لگانا انہیں کے ہاتھ ہے۔ کسی کی عقل پر یہ پتھر پڑے
تھے کہ گھڑے ہوئے اور اَن گھڑ پتھروں کو خدا سمجھتا۔ اور دنیا و آخرت
کے فائدہ کی توقع سے اُن کے آگے اپنا ماتھا پھوڑتا تھا۔ کوئی نیچر یعنی
طبیعت ہی کو خالقِ اشیا سمجھتا۔ اور خالقِ نیچر سے بیخبر اور اُسکا منکر تھا کوئی
مادّہ کو ازلی و ابدی اور کائنات کی علّت موجبہ جانتا۔ اور خالقِ کائنات
کے بذاتہٖ منشاے ذوات ہونے کو کسی صورت سے نہیں مانتا تھا بعض قومیں
جو خدا پرستی کا دم بھرتی اور اپنے کو خالص خدا کا بندہ بتاتی تھیں۔ اُن کی
حالت سب سے زیادہ خراب تھی چنانچہ یہودی جنکا بار بار مرتد اور بت پرست
ہو جانا گویا خاصۂ طبعی تھا۔ اور اِس وجہ سے اُن سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی
کہ صحبت و اختلاط کی حالت میں ناخدا پرست قوموں کے خیالات و اعتقادات
کا اثر اُن پر نہو۔ متواتر انقلابات کی وجہ سے جو اپنا وطن چھوڑنے اور غیر ملکوں میں
جا کر پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ تو اگرچہ جہاں گئے اپنا طبعی جمود و فساوت قلبی
اور کبر و غرورِ مذہبی جسکے وہ اب کسی طرح مستحق نہ تھے ساتھ لیتے گئے۔ مگر غیر
قوموں کے مذہبی خیالات و اعتقادات سے متاثر ہونے سے بچ سکے۔
چنانچہ جو لوگ اُن میں سے باوقات مختلفہ عرب میں آکر آباد ہوے عربوں کی
ذلیل بت پرستی اور سخیف اعتقادات نے (جو سیلاب کی طرح ہر سمت سے
موجیں مارتے کعبہ کی دیواروں سے آکر ٹکراتے تھے) اُنپر ایسا اثر کیا کہ

بہت کچھ بہ شرکین مکہ کی ہمخیالی کا دم بھرنے لگے۔ اور اس خیال کرنے کی معقول وجہ ہے کہ کعبہ کی دیواروں پر جو تصویریں بنی ہوئی تھیں اور جنکو مشرکین مکہ مشہور اور حضرت ابراہیم و اسمٰعیل وغیرہ پیغمبروں کی تصویریں سمجھتے تھے اور جو فتح مکہ کے روز حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مٹا دی گئیں۔ وہ انہیں کی بنائی ہوئی تھیں۔ چنانچہ فاضل محقق مسٹر گاڈفرے ہیگنس اپنی کتاب اپالوجی فار محمدؐ کے فقرہ (۴۳) میں لکھتے ہیں کہ "بعض مصنفوں نے کہا ہے کہ اس عبادت گاہ (کعبہ) کو اسمٰعیلؑ نے بنایا تھا۔ جو مکہ میں رہتا تھا۔ اور ابراہیمؑ کی مورت سب سے زیادہ مشہور تھی۔ اور نوحؑ اور موسیٰؑ کی بھی مورتیں موجود تھیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیاد ان تصاویر کی مذہب یہود تھا" اور بعید نہیں کہ خدا نے جو سورہ نار میں بعض علماء یہود کے حق میں فرمایا ہے "اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ" جبت و طاغوت سے یہی تصویریں مراد ہوں۔ اور اگرچہ سلطنت اس قوم کے ہاتھ سے جاتی رہی تھی۔ اور نہایت خوار و ذلیل ہو گئے تھے۔ مگر ابتک نہایت سختی کے ساتھ اپنے مغرورانہ مذہبی حقوق کی خیالی صورت پر قائم تھے۔ اور اُنکے علما گویا الوہیت کا دعویٰ کرتے تھے۔ عیسائیوں کے بھی اصل اعتقاد (توحید) میں فرق آگیا تھا۔ اور خدا کو چھوڑ کر خود حضرت عیسیٰؑ

* دیکھو تاریخ ابن ہشام مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء صفحہ (۸۲۱) و جلد اول تاریخ ابوالفدا صفحہ (۱۲۵) مطبوعہ قسطنطنیہ اور جلد اول کتاب دویم ناسخ التواریخ صفحہ (۳۶۰) مطبوعہ طہران۔ مؤلف عفی عنہ

کو خدا اور خدا کا بیٹا وغیرہ سمجھتے تھے۔ اور بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ کوئی تو آپ کو پورا خدا سمجھتا تھا! کوئی خدا سے مشابہ تر اور ابن اللہ سمجھتا اور یہ کہتا تھا کہ خدا نے خفیف سا شائبہ جسمانیت آپکو اس غرض سے عطا کیا تھا کہ انسان خاکی بنیان کو نظر آسکیں! کوئی کہتا تھا بیٹے کیساتھ باپ بھی مصلوب ہو گیا! کسی کا اعتقاد تھا کہ مسیح کی بشریت والوہیت باہم ملکر ایک حقیقت واحدہ ہو گئی! کسیکا قول تھا کہ اگرچہ مسیحؑ کی ماہیتین دو تھیں! مگر اُن سے ارادہ ایک ہی ظاہر ہوتا تھا! وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ گبن اپنی مشہور تاریخ زوال سلطنت روم میں لکھتا ہے کہ "بت پرستی کے فنا ہو جانیکے بعد عیسائی لوگ زہد و تقوی کو اپنا شعار گردان کر بہایت پر قناعت کرتے۔ مگر اُن میں تخم نفاق بو چکا تھا۔ اور اُنکو یہی فکر رہتی تھی کہ اپنے پیغمبر کی ماہیت کو دریافت کریں۔ نہ یہ کہ اُسکے احکام پر عمل کریں" *

عیسائیوں کے باہم جو جھگڑے اور جنگ و جدال اور خوں ریزیاں ہوئیں۔ اور جس قبیح و مکروہ زبان میں وہ اپنے پیغمبر اور اُن کی والدہ کی الوہیت پر بحث کرتے اور ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرتے تھے۔ اُنکا مشروحاً بیان کرنا خالی از کراہت نہیں۔ اسلئے ہم صرف ایک مشہور عیسائی فاضل صموئیل جان ڈیون پورٹ صاحب کا قول بجنسہ نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اس زمانہ یعنی زمانہ ظہور اسلام میں مذہب عیسائی سے زیادہ کوئی

* دیکھو جلد (۴) باب (۴۸) صفحہ (۳۳۸) تاریخ زوال سلطنت روم مصنفہ اڈورڈ گبن مطبوعہ ۱۷۷۶ء مؤلف عفی عنہ

چیز بالتصریح خراب نہ تھی۔ وہ دونوں شاخیں مذہب عیسائی کی جو ملک
ایشیا و افریقا میں پھیل گئی تھیں۔ اُنہوں نے طرح طرح کی بدعتیں
اور بد اعتقادیاں اختیار کرلی تھیں۔ اور ہمیشہ باہمی مباحثوں اور مناقشوں
میں مصروف رہتی تھیں۔ اوراین۔ نسٹورین۔ سبیلین اور یوٹیچین[۵۱]
مذہب والوں کی تکراروں سے نہایت دق تھیں۔ اُن کے پادریوں
کی بے اعتدالی اور عہدوں کی فروخت اور جہالت نے مذہب
عیسائی کو بڑا دھبہ لگایا تھا۔ اور عیسائی لوگوں کو نہایت بدرویہ کردیا تھا۔
عرب کے جنگلوں میں جاہل اور شوریدہ مغز راہب بکثرت تھے
جو بیہودہ تخیلات میں دماغ سوزی کرکے اپنی اوقات خراب کیا کرتے
تھے۔ اور اکثر اون کے غول کے غول شہر میں آکر اہل شہر کو اپنے توہمات
تلوار کے ذریعہ سے سکھایا اور منوایا کرتے تھے۔ نہایت ذلیل بت پرستی
نے اُس سادی پرستش کی جگہ چھین لی تھی جس میں حضرت عیسیٰ نے
خدائے حکیم علی الاطلاق اور قادر مطلق۔ اور بیمثال و نفع رساں کی بندگی
کا حکم کیا ہے۔ اُنہوں نے اپنے خیال میں ایک نیا اولیمپس[۵۲]

۵۱ یہ عیسائیوں کے چار علحدہ علحدہ فرقوں کے نام ہیں جو اپنے بانیوں کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۲ منہ

۵۲ ملک یونان میں یہ ایک مشہور و معروف پہاڑ ہے۔ قدیم بت پرست یونانی اسکے
عظمِ شان کی وجہ سے اسکو اپنے دیوتاؤں کا مسکن خیال کرتے تھے۔ اور اُن کا
یہ اعتقاد تھا کہ انکا دیوتا جوو (جو جوپیٹر کا دوسرا نام ہے اور جس کو اہل ہند
کے معتقدات کے لحاظ سے تقریباً راجہ اندر کہنا چاہیے) اسپر بیٹھکر آسمان

قائم کرلیا تھا۔ اور اُسمیں اپنے مذہب کے ولیوں۔ شہیدوں۔ اور فرشتوں
کو آباد خیال کرتے تھے۔ جیسا کہ بُت پرست اپنے دیوتاؤں سے اولیمپس
کو آباد سمجھتے تھے۔ اس زمانہ میں ایسے عیسائی بھی تھے جو یوسف کی زوجہ
(مریم علیہا السلام) میں الوہیت کی صفات قائم کرتے تھے۔ تبرکوں۔
تصویروں اور مورتوں کو نہایت خلوص کے ساتھ وہی لوگ پوجتے تھے
جنکو حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا کہ "تم اپنی دعا صرف زندہ خدا سے کیا کرو"
اسکندریہ۔ حلب اور دمشق میں بھی مذہب عیسوی کا یہی حال ہو رہا
تھا۔ محمدؐ کے ظہور کے زمانہ میں اِن تمام لوگوں نے اپنے مذہبی اصول
کو چھوڑ دیا تھا۔ اور مسائل فروعی میں غیر متناہی جھگڑوں میں مصروف
رہتے تھے۔ عرب کے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو معلوم ہو گیا تھا
کہ ہم اپنے اپنے مذہبوں کی بڑی اصل یعنی خدا تعالیٰ کی خالص پرستش
بھول گئے ہیں۔ اور سُوءِ اعتقادی اور بدعتوں کے لحاظ سے اپنے بت پرست
ہمعصروں کے مساوی ہیں +

+ دیکھو ڈیون پوٹ صاحب کی کتاب اپالوجی فار محمدانیزم صفحہ ۲۰۳ و ۲۰۴ مطبوعہ ۱۸۳۸ء شہر لندن مؤلف

کو گرجنے والے بادلوں سے پُر کرتا اور اپنے بجلی کے آتشین تیروں کو اِدھر اُدھر پھینکتا ہے
اور اپنے محل میں (جسکو وِلکن نے جو یونانیوں کے اعتقاد میں پاتال یعنی زیر زمین کی آگ اور
دھاتوں کا دیوتا تھا اُسکے لئے بنایا تھا) دیوتاؤں کو جمع کر کے بساط جگ جماتا اور ایک رستہ جو
آسمانی محل کے دھاتی گنبد میں بنایا گیا تھا اور جس کے دروازہ پر نہایت گاڑھے بادل کواڑوں کا
کام دیتے تھے جب چاہتا ہے اس جہان کے اُسطرف چلا جاتا ہے۔ ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا
مؤلف عفی عنہ

یہ فاسد عقیدے اور نادرست رائیں اور باطل پرستشیں جن کا اوپر
ذکر ہوا۔ اور جنہوں نے روحانی و اخلاقی دُنیا پر اپنا نہایت گہرا سکّہ بٹھایا
ہوا تھا۔ اور جن میں سے بعض کی تائید کے لئے روم و فارس جیسی زبردست
اور عظیم الشان سلطنتیں موجود تھیں۔ تھوڑی یا بہت اس ریگستان میں بھی
پھیلی ہوئی تھیں جہاں انکا مٹانے والا اور انکی جگہہ خدائے واحد لاشریک
کی ذات و صفات کی توحید اور خالص پرستش کا دوبارہ قائم کرنے والا
پیدا ہوا۔ اور اس اعتبار سے عرب گویا اُن سب مُلکوں کی بیدینی کا نمونہ اور
مجموعہ تھا جن کا ابھی ذکر ہوا۔ اور اسپر طرّہ وہ نہایت ناشائستہ اور ذلیل
فسق و فجور اور اخلاقی اور تمدنی خرابی تھی جسکے لئے وہ مشہور تھا۔ چنانچہ
ہم مجملاً اوپر بیان کر آئے ہیں کہ کسقدر خون خرابے وہاں رہتے تھے۔
قتل اولاد کس بیرحمی اور زور شور سے جاری تھا۔ چوری اور لوٹ مار کس
دھڑلے سے ہوتی تھی۔ کینہ و عداوت کا جو بدترین خصائل انسانی
سے ہیں کیا حال تھا۔ عورتوں کے ساتھہ کس درجہ بدسلوکی برتی جاتی تھی
حرامکاری و بے شرمی کس حد کو پہنچگئی تھی۔ یتیم بچوں اور ہمسایوں کے حقوق
کسطرح تلف کئے جاتے تھے۔ شراب خواری اور قمار بازی کی کیسی گرم بازاری
تھی۔ جہالت و ضلالت کس مرتبہ چھائی ہوئی تھی۔ اور یہ ایسے اسباب

✣ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے محقق مؤلفین لکھتے ہیں کہ "جب آنحضرت نے نبوت
کا دعوی کیا تو اُسوقت دنیا میں تین طرح کے لوگ موجود تھے۔ عیسائی۔ یہودی
اور مُشرک۔ مگر مذہب عیسوی کا اقرار اُن لوگوں میں بھی جو اپنے تئیں عیسائی

تھے کہ جن کا بالطبع یہہ اقتضا تھا کہ پردۂ غیب سے ایک ہاتھ ربّانی قوت و قدرت کے ساتھ پیدا ہو اور ان بدخیالیوں اور گمراہیوں پر جنہوں نے ایمان و اخلاق کی گردن پر چھری پھیر رکھی تھی جھاڑو پھیر دے۔ کیونکہ بنی آدم کی تاریخ پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کبھی اس سخت خطا کار اور نادان پُتلے کی ضلالت و جہالت حد کے درجہ کو پہنچ گئی ہے تو خدا کی رحمت کو ضرور جوش آیا ہے۔ اور اُسنے اسکی دستگیری کی ہے۔ اور خود اسی کے ہمجنسوں میں سے کسی اپنے برگزیدہ شخص کو اسکی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ چنانچہ اسی قسم کے اسباب تھے جو قیصر اگسٹس کے زمانہ میں اُس پاک انسان کی بعثت کے باعث ہوئے تھے جسکو اُسکے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد لوگوں نے اپنی نادانی سے نعوذ باللہ خدا اور خدا کا بیٹا قرار دے لیا۔ پس ایسے اسباب کی موجودگی میں جو اُن اسباب سے بدرجہا قوی و شدید تھے یہہ کیونکر ممکن تھا کہ بمقتضا اُسکی فیاضانہ اور رحیمانہ عادت کے (جو اُسکی عین ذات ہے) خدا کی رحمت کو جنبش اور حرکت نہوتی۔ اور وہ اپنے درماندہ و ناچار بندوں کو جہالت و ضلالت کے تیرہ و تار بیابان میں آوارہ و سرگردان رہنے دیتا اور ہلاکت سے نہ بچاتا

کہتے تھے ناقص تھا اور تقریباً ہر قسم کا کفر و الحاد جو انسان کے خیال میں آسکتا ہے جزیرہ نمائے عرب میں جاری تھا۔ مشرکین کے عقائد مذہبی ایکدوسرے سے بالکلیہ مختلف تھے اور کسی طرح متفق نہو سکتے تھے۔ اور اسلئے ایک ایسی چیز کی ضرورت تھی جو اس سے زیادہ سادہ اور یقین اور بااصول ہو" ۱۲۔ مولف عفی عنہ

National Library 17837 dd 1871/10

پس جسطرح ظلمت بالطبع نور کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اسی طرح انسان کی
اس درماندہ و قابل رحم حالت نے خدا کی رحمت کو اپنی جانب کھینچ لیا۔
اور زمانہ کی طبعی رفتار کے موافق وہ عظیم القدر رات آن پہنچی جسکی صبح کو مخلوق
پرستی کی تاریکی کا خاتمہ ہو اُس آفتاب جہانتاب کا طلوع مقدر تھا جسکا نام توحید
ہے۔ اور خدا کے فرشتہ نے اُسکے پاک رسول کو جو رات کے سناٹے اور
صبح کی خوش آیند خاموشی میں یکہ و تنہا کوہ حرا کی چوٹی پر اُس بیچون و بیچگون
ذات کے تصور میں آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ نہایت محبت آمیز خطاب کے
ساتھ پکارا یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ فَاِذَا نُقِرَ فِي
النَّاقُوْرِ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ
یعنی اے کپڑے میں لپٹ کر پڑنے والے اُٹھ۔ اور اپنی گمراہ قوم کو
مخلوق پرستی و بداعمالی کے نتیجوں سے جو اس دُنیا سے گزر نیکے بعد
پیش آنے والے ہیں ڈرا۔ اور بُت پرستوں کے مقابلہ میں جو اپنے
ناچیز بُتوں کی بڑائی اور تعریفیں کرتے ہیں اپنے خدائے قادر مطلق
کی عظمت و بزرگی ظاہر کر۔ اور پاکی اور پاکدامنی اختیار کر۔ اور شرک و بُت پرستی
کی نجاست و ناپاکی سے (جسمیں اُسکی قوم لتھڑ رہی تھی) اپنے کو بچا۔ او.
اس سب سے بڑی نیکوئی یعنی گمراہی و ضلالت سے چھڑانے اور نجات
ابدی و حیات سرمدی کی سیدھی راہ دکھانے کا احسان لوگوں پر رکھ
تاکہ ہمارا لطف و احسان تجھپر اور زیادہ ہو۔ اور اس مشکل کام میں جو تکلیفیں

اور اذیتیں تجکو پہنچیں اُنکو خالص اپنے خدا کے لئے جھیل۔ اور یقین جان لے
کہ جب صحرائے محشر میں خلایق کے حاضر ہونیکے لئے بگل پھونکا جائیگا۔
(یعنی ارادۂ الٰہی کے موافق جسطرح پر کہ اُسنے قانون قدرت میں مقرر کیا ہوگا
وقت موعود پر سب لوگ اوٹھینگے اور جمع ہوجائینگے) تو وہ دن خدا کے
ساتھ کسی مخلوق کو شریک کرنے والوں اور جزا و سزا کے نہ ماننے والوں
کے لئے نہایت ہی مشکل ہوگا۔

پس اس ندائے غیبی و صدائے قلبی[۵۲] کے سُنتے ہی وہ مُصلح بنی آدم
پہاڑ سے اُتر کر اپنی خفتہ بخت قوم کے پاس آیا۔ اور جہالت و ضلالت کی گہری

---

۵۱ بخاری اور مسلم نے بالاتفاق اُم المومنین عائشہؓ کی سند پر نزول وحی کی کیفیت یہ بیان کی ہے کہ حارث
بن ھشام نے آنحضرت سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ پر وحی کیونکر آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کبھی گھنٹہ کی
آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھپر بہت سخت ہوتی ہے پھر مجھسے منقطع ہوجاتی ہے اور جیسے یاد رکھا جو کہا۔ اور
کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں مجھسے کلام کرتا ہے۔ پس میں یاد رکھتا ہوں جو کہتا ہے۔ مؤلف عفی عنہ

۵۲ مشہور و معروف جرمن فاضل پروفیسر میکس مولر صاحب فرماتے ہیں کہ "خداوند برحق اپنے پیغمبروں کو خود پسند
کرلیتا ہے اور اُن سے ایسی آواز سے کلام کرتا ہے جو صداے رعد سے بھی زیادہ بلند و قوی ہے۔ یہ وہی
صداے باطنی ہے جس سے خدا ہم سب سے کلام کرتا ہے ممکن ہے کہ وہ اتنی خفیف ہوجاے کہ اچھی طرح سنائی
بھی نہ دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُسمیں سے ربانیت و حقانیت جاتی رہے اور انسانیت آجاے یعنی
دنیاداروں کی زبان ہوجاے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ برگزیدگان الٰہی کو اُس صدا میں اُسکی کیفیت اصلی یعنی
حقانیت محسوس ہو۔ اور اُنکے گوش حق نیوش میں وہ آواز ہاتف غیب کی معلوم ہو" دیکھو کتاب تنقید الکلام
فی احوال شارع الاسلام مصنفہ سید امیر علی صاحب سی آئی ای ایم اے بیرسٹر ایٹ لا۔ باب دوم صفحہ (۳۰) مؤلف عفی عنہ

نیند سے جگانا شروع کیا۔ تاکہ اُس آفتاب حقیقت کو جو ابھی طلوع ہوا تھا
آنکھیں کھولکر دیکھیں۔ اور اُسکی عالم افروز روشنی میں اپنے اُمور معاد و معاش
کی اصلاح کریں۔ پس فطرت انسانی کے مقتضا کے موافق کچھ تو اشارہ
پاتے ہی فوراً جاگ اُٹھے۔ اور کچھ ذرا دیر کے بعد چونکے۔ اور کچھ جھنجھوڑنے
اور ہلانے جُلانے کے بعد بیدار ہوے۔ اور کچھ جو اب غفلت میں ایسے ڈوبے
کہ اپنے آرام میں خلل انداز سمجھکر اُسکے دشمن بنگئے۔ اور طرح طرح
کی تکلیف دہی اور بیہودہ بک بک جھک جھک سے اُس نورِ خدا کو
خاموش کرنا چاہا جو تمام عالم میں خدا کی توحید اور صلاح و سداد کی روشنی
پھیلانے آیا تھا۔ مگر اُس مجسم رحمت کے صبر و استقلال اور حلم و شفقت کا
کیا کہنا کہ اُن بے انتہا تکلیفوں اور اذیتوں کی جو خود اُنہیں لوگوں کے
ہاتھ سے پہنچتی تھیں جنکی دائمی بھلائی اُسکو منظور تھی۔ کبھی شکایت نہ کی۔ بلکہ ستم
کے بدلے کرم۔ اور جفا کے عوض دعا کی۔ اور خدا پر (جو اپنی بات کو آپ
پورا کرنے والا ہے) توکل کرکے شب و روز اُنکی نصیحت و ہدایت میں مصروف
رہا۔ تا آنکہ اُسکی زبان پاک کی الٰہی تاثیروں اور ربّانی برکتوں نے یہ
حیرت انگیز نتیجہ پیدا کیا کہ باوجود قوم کی بیحد مزاحمتوں اور ظلموں اور
دل آزاریوں اور انکار و اصرار کے صرف تیئیس برس کے محدود عرصہ میں
وہی عرب جو باطل پرستی۔ بدکاری۔ بداخلاقی۔ اور طرح طرح کی بُرائیوں کی
گھٹاٹوپ تاریکی میں صدیوں سے اِدھر اُدھر پڑا ٹکرا رہا تھا خالص ایمان باللہ
و مکارم اخلاق کی چمکا چوند روشنی سے ایسا منور ہوگیا کہ اُسکی بدولت ایک جہان

نور و ظلمت کو خدا سمجھنے کی تاریکی سے باہر نکل آیا۔ ستارہ پرستی کی چمک دمک
جاتی رہی۔ آتشکدوں کی گرم بازاری پر اوس پڑ گئی اور آتش پرستی سے
طبیعتیں سرد ہو گئیں۔ دریاؤں اور جھیلوں کی عقیدت سے لوگ ہاتھ
دھو بیٹھے۔ بتخانوں میں خاک سی اڑنے لگی۔ طبیعت اور زمانہ کو خالق سمجھنے
کے پھیر سے دنیا چھوٹ گئی۔ انسان کو خدا یا خدا کے برابر سمجھنے کی برائی
کو لوگوں نے بخوبی سمجھ لیا۔ تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اور توحید مطلقہ و شریعت
حقہ پھر قائم ہو گئی۔ شرک و مخلوق پرستی کی نجاست سے دل پاک و صاف
ہو گئے۔ زہد و تقویٰ اور پاکی و پاکدامنی ہر شخص کا شعار ہو گئی۔ خدا کے گھر سے
بت نکالے گئے اور وہ سب سے پرانا اور مقدس مکان جو ایک بڈھے
خدا پرست اور اسکے نوجوان فرزند نے خاص خدا کی عبادت کے لئے
بنایا تھا۔ پھر خالص خدا پرستی کے لئے مخصوص ہو گیا۔ اور ہر گوشہ و ہر مقام
سے اسی مالک الملک کے نام پاک کی عظمت و جلالت اور تسبیح و تہلیل کی
صدا آنے لگی جسکی زبانی تعریف آپ یوں کی "اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُہٗ
سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ۚ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ مَنْ ذَا الَّذِیْ
یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ۚ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا
یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ
وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ" یعنی خدا سے مستحق
عبادت صرف وہ ذات جامع جمیع صفات کمال ہے جسکا نام اللہ
ہے اور اسکے سوا کوئی چیز پرستش کے لایق نہیں۔ زندہ ہے یعنی

فنا و تغیر پذیر نہیں۔ ہمیشہ رہنے والا اور عالم کو اپنی قدرت سے تھام رکھنے
والا ہے۔ نہیں پکڑتی اُسکو اونگھ اور نہ نیند (کیونکہ شان قیومیت
کے خلاف ہے) اُسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ
زمین میں ہے۔ یعنی اُن میں اُسکو ہر طرح کے تصرّف کا اختیار ہے
کون ایسا ہے؟ جو اُسکی مرضی کے بغیر اُسکے پاس شفاعت کر سکے یعنی
کوئی نہیں اور مشرکوں کا یہ گمان کہ اُن کے بُت اُنکی شفاعت کرینگے۔ غلط
ہے۔ جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے۔ اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے
یعنی جو کچھ کہ گزر گیا اور گزر رہا ہے۔ اور جو کچھ آیندہ دنیا یا آخرت میں ہونیوالا
ہے سب اُسکو معلوم ہے۔ اور وہ نہیں پا سکتے کچھ بھی اُسکے علم سے
بجز اُسکے جو وہ چاہے۔ یعنی معلومات الٰہی میں سے انسان کسی چیز کو بھی
نہیں پا سکتا بغیر اسکے کہ وہ خود ہی بتائے۔ اُسکا علم یا اُسکی بادشاہت
آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔ اور تھکاتی نہیں اُسکو اُنکی نگہبانی۔ اور وہ
بلند تر ہے یعنی اشباہ و امثال اور اضداد و انداد سے۔ اور نقص و حدوث کی نشانیوں
سے بالاتر ہے۔ اور بڑی شان اور بڑی قدرت والا"

سُبحان اللہ چند مختصر لفظوں میں کس خوبی اور عمدگی سے اپنی ذات
و صفاتِ ثبوتیہ و سلبیہ کا بیان کیا ہے کہ ایک ایک لفظ سے گونا گوں
فاسد عقیدے رد ہوتے ہیں۔ اور ایک سیدھی اور صاف راہ معرفت
ذات و صفات الٰہی کی انسان پر کھل جاتی ہے۔ اور اُس ذات پاک کی
عظمت و جلالت اور قدرت و سطوت اور تقدیس و تمجید کا ایک ایسا نقش

دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں۔

اس غرض سے کہ یہ جو کچھ ہمنے بیان کیا ہے اسکو کوئی مبالغہ نہ سمجھے اُسکے ثبوت میں ہم ایک ایسے عیسائی فاضل کا قول نقل کرتے ہیں جو اپنی اعلیٰ علمی لیاقتوں اور تحقیق حق کے لئے مشہور ہے۔ یعنی مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب ایم۔ اے سلمہ اللہ تعالیٰ۔ صاحب موصوف اپنی کتاب محمدؐ اینڈ محمدنزم میں لکھتے ہیں کہ "محمد کا بیان درباب وحدانیت خدا اور اس امر کے کہ وہ انسان کے ہر ایک چھوٹے بڑے فعل پر مختار ہے صرف کسی پہلے مذہب سے چرایا ہوا نہ تھا۔ یہودی علی العموم اپنے بہترین زمانہ میں بھی خدا کے سوا اور دیوتاؤں کی پرستش میں وحشت کے ساتھ مصروف ہو گئے تھے۔ اور آخر کار قید کالو ہا انکی روحوں میں داخل ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے اپنے مشرقی ملکوں کے قیام کے زمانہ میں بہت کچھ سیکھ لیا۔ مگر اُس سے زیادہ بھول گئے۔ وہاں آکر وہ بُت پرستی ہمیشہ کے لئے بھول گئے۔ لیکن گو اُنہوں نے اُسوقت کے بعد پھر دیوتاؤں کی پوجا نہیں کی۔ مگر اپنے انبیا کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے وہ پھر بھی بہت غافل تھے۔ اور جو وقت کہ اُنکے انتہا درجہ کے عروج کا ہوا ہوتا وہ اُس سب سے بڑے کشت وخون کے ساتھ ختم ہو گیا جو اُنکے زوال سے تھوڑے ہی دنوں پہلے وقوع میں آیا تھا۔ عصار سلطنت یہود اکے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ لیکن جلاوطن شدہ یہودی ابتک ملک عرب میں نہایت سختی کے ساتھ اپنے مغرورانہ مذہبی حقوق کی خیالی صورت

پر قائم تھے۔ حالانکہ جس بات نے اُنکو یہ استحقاق دیا تھا اب اُسکا نام و
نشان بھی نرہا تھا۔ عیسائی بھی (میری مُراد ایسے عیسائیوں سے ہے جنسے
ملنے کا محمد کو اتفاق ہوا) یہودیوں کا مذہب اور وہ اعلیٰ درجہ کے الہامات
خدا جو حضرت عیسیٰ نے اُنکو پہنچائے تھے۔ اور جن کو یہودیوں نے
قبول نہ کیا تھا۔ بھول چکے تھے۔ ہوموشی نیس۔ مانوتھی لائیٹس
مانوفی سٹس۔ جیکوبیٹس فرقوں کے عیسائی نہایت سختی کے ساتھ
ایسی باتوں میں مذہبی قاعدے بنا رہے تھے جن میں ہمارے متبرک پیشواؤں
نے کوئی بھی قاعدہ یا اُصول نہیں بنایا۔ وہ نہایت شدت کے ساتھ ایسے
مباحثوں میں مصروف تھے مثلاً یہ کہ جو بات علم ریاضی کی رو سے غلط ہے
وہ علم مابعد الطبیعت کی رو سے صحیح ہو سکتی ہے! اور عجیب طور سے ایسی
باتوں میں سچ یا جھوٹ کا لگاؤ نکالتے تھے جو اُنکو اس غرض سے بتائی
گئی تھیں کہ آپس کی پھوٹ کے متفرق کر دینے والی گہری جھیل اُنمیں نہ رہے
وہ جھوٹ کو حقیقت۔ فصاحت و بلاغت کو منطق۔ اور نظم کو نثر بناتے تھے
زبان سے تو خدا خدا نہایت چلا چلا کر کہتے تھے۔ مگر دلمیں وحدانیت خدا

+ یہ تخصیص بے وجہ ہے کیونکہ تثلیث اور حضرت مسیح کی الوہیت اور اس بیہودہ مسئلہ کے
کہ پادری کے دعا پڑھکر دم کر دینے سے روٹی اور شراب مجازاً نہیں بلکہ حقیقتاً حضرت مسیح کا
گوشت اور خون ہو جاتی ہے جسکے کھانے سے گنہگاروں کے سب گناہ بخشدیئے جاتے ہیں اُس زمانہ
کے سب ہی عیسائی معتقد تھے۔ اور رومن کیتھلک اور چرچ یونان کے گرجاؤں میں تو ابتک حضرت
مسیح و حضرت مریم۔ اور پطرس اور پولوس حواریوں اور اور رسولوں اور شہیدوں کی تصویریں اور مورتیں
پوجتی ہیں اور روٹی اور شراب کی قلب ماہیت کے مسئلہ کے لوگ بڑی شدت سے معتقد ہیں۔
واللہ اعلم بالصواب

کو بھلا چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی نسبت وہ تمام معاملات میں سوائے کسی ایسی
بات کے جو انکی طرح کی زندگی بسر کرنے کی ہدایت کرے بحث کرتے تھے۔
پس محمد اسلئے آئے کہ ان تمام باطل باتوں پر جھاڑو پھیر دیں۔ بُت وہ کیا؟
زیتون کی لکڑی کے ٹکڑے جو خدا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں! فلسفیانہ
خیالات اور مذہب مکڑی کا تنا ہوا جالا! ان سب کو دُور کرو۔ اللہ سب سے
بڑا ہے۔ اور اُسکے سوا اور کوئی شے بڑی نہیں ہے۔ یہی مسلمانوں کا مذہب
ہے۔ اسلام۔ یعنی انسان کو چاہیئے کہ خدا کی مرضی پر توکل کرے۔
اور ایسا کرنے میں نہایت خوش ہو۔ یہی مسلمانوں کا طرز زندگی ہے۔ ایک
معترض یہہ سوال کرسکتا ہے کہ ان دونوں اصولوں میں جو اوپر بیان ہوئے
ہیں۔ کون سی بات ایسی ہے جسکو یہہ کہا جاسکے کہ وہ نئی تھی یا محمد ہی کو سوجھی
تھی۔ بیشک کچھہ نیا نہ تھا۔ بلکہ یہہ باتیں ایسی پُرانی تھیں جیسا کہ موسیٰ کا زمانہ۔
بلکہ فی الحقیقت ایسی پُرانی جیسے کہ خود ابراہیم۔ بار بار محمد نے نہایت
سنجیدگی سے جتلایا ہے کہ وہ میں عربوں کے لئے کوئی نئی بات لیکر مبعوث نہیں
ہوا بلکہ صرف شریعت ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کرنیکے لئے آیا ہوں جو ہمیشہ یہاں
موجود تھی۔ مگر اُسکو سب لوگ بھولگئے یا اُس سے غافل ہوگئے ہیں" قوم
سے علیحدہ اور غمگین و ناخوش یہودیوں۔ اور آپس میں لڑنے والے تین اخدا
کے قائل عیسائیوں۔ اور ہر طرح کے مخلوق پرستوں میں ایک اُونٹ
ہانکنے والا آیا۔ نہ اسلئے کہ انکو کوئی نئی بات سکھائے۔ بلکہ اس لئے کہ جو پُرانی
شے وہ بھولگئے تھے انکو یاد دلائے۔ عرب کی زمین پر دو ہزار برس

پہلے ایک ایسے شخص (موسیٰ) کو جو جنگل میں اپنے باپ[۵۱] کی بکریاں چرا رہا تھا یہ سادہ مگر چونکا دینے والا پیغام آیا تھا[۵۲] "میں وہ ہوں جو میں ہوں سُن اے اسرائیل ہمارا مالک خدا ایک خدا ہے۔ پس جا اور میں تیری زبان کے ساتھ ہونگا اور سکھاؤنگا تجھے جو تجکو کہنا چاہیئے[۵۳]" اِن الفاظ کو سنکر یہ برگزیدہ قوم (بنی اسرائیل) افریقا سے ایشیا میں چلی گئی۔ غُلام آزاد ہو گئے اور ایک خاندان ایک قوم بنگیا۔ اُسی عرب کی زمین پر اَب پھر وہی آواز ایک دوسرے بکریاں چرانے والے کو آئی۔ اور ایسے اثر کے ساتھ آئی جو پہلی آواز سے کچھ کم عجیب یا عام طور پر دنیا کو فائدہ پہنچانے میں اُس سے ہرگز کچھ کم نہ تھی۔ یعنی "اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ" یہ رسالت قبول کی گئی۔ اور خُدا کے پیغام کا اعلان کیا گیا اور ایک ہی صدی کے اندر اِس آواز کی گونج عَدَن سے انطاکیہ[۵۴] تک اور سے[۵۵] ویل سے سمرقند تک پھیل گئی۔ اور اس تمام ملک

---

۵۱ انگریز ہر سسر کو بھی باپ ہی لکھتے ہیں۔ مؤلف عفی عنہ

۵۲ چوتھویں آیت۔ تیسرا باب کتاب خروج۔ مؤلف عفی عنہ

۵۳ بارھویں آیت۔ چوتھا باب کتاب خروج۔ مؤلف عفی عنہ

۵۴ انطاکیہ ملک شام میں ایک قدیم اور مشہور و معروف شہر تھا جو اَب بالکل کھنڈر نظر آتا ہے۔ یہ مدت دراز تک رومیوں کے قبضہ میں رہا۔ اور بہت سے دلچسپ تاریخی واقعات اس سے متعلق ہیں۔ مگر سلطنت رومانیہ کے زوال کے زمانہ میں جب مسلمان تمام ملک شام پر قابض ہو گئے تو اسپر بھی قبضہ کر لیا۔ مؤلف

۵۵ سے ویل ملک اسپین کے ایک صوبہ اور شہر کا نام ہے جسکو مسلمانوں نے ۹۳ھ میں فتح کیا تھا۔ اور ۸۹۷ھ تک اہل اسلام کے قبضہ میں رہا۔ مؤلف عفی عنہ

نے اسکی حقیقت کو مان لیا" (انتہے قولہ سلمہ)

اب ناظرین کو چاہئے کہ چند منٹ کے لئے یہاں ٹھہر جائیں اور سوچیں کہ وہ کلام پاک جسکی معجزانہ اور حیرت انگیز تاثیروں نے مردہ عرب کو اس طرح زندہ جاوید کر دیا۔ اور وحشیوں کو مہذب اور جاہلوں کو عالم۔ اور غافلوں کو عارف باللہ بنا دیا۔ اگر وحی و الہام نہ تھا تو کیا تھا؟ اور کیا یہ ممکن تھا کہ بغیر تعلیم الٰہی و ہدایت ربانی اور وحی و الہام کے کوئی انسان خصوصاً ایک ایسا شخص جو اُمی محض ہو ایسا معجزانہ کلام کر سکے؟ اور کیا یہ معاذاً باللہ کسی تحریک نفسانی و وسوسۂ شیطانی اور مکر و فریب اور دھوکے اور افترا کا نتیجہ تھا؟ جو ایسے شخص سے سرزد ہوا جو ڈاکٹر سپرنگر صاحب جیسے متعصب عیسائی فاضل کے نزدیک بھی ایسا تھا کہ "جسکے خیال میں ہمیشہ خدا کا تصور رہتا تھا۔ اور جسکو نکلتے ہوئے آفتاب اور برستے ہوئے پانی اور اگتی ہوئی روئیدگی میں خدا ہی کا ید قدرت نظر آتا تھا۔ اور غرش رعد و آواز آب اور طیور کے نغمۂ حمد الٰہی میں خدا ہی کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اور سنسان جنگلوں اور پرانے شہروں کے کھنڈروں میں خدا ہی کے قہر کے آثار دکھائی دیتے تھے" اور جسکی سیرت مبارک بقول کشیش معظم ریورینڈ۔ جی۔ ایم۔ راڈویل صاحب۔ ایم۔ اے مترجم قرآن "ایک عجیب و غریب نمونہ ہے اُس قوت و حیات کا جو ایسے شخص میں ہوتی ہے

---

* دیکھو کتاب لائف آف محمد صفحہ ۸۹ مصنفہ ڈاکٹر اے سپرنگر صاحب مطبوعہ ۱۸۵۱ء

مقام الہ آباد - ۱۲ مؤلف عفی عنہ

جسکو خدا اور عاقبت پر شدت کے ساتھ یقین ہوتا ہے۔ اور جو اپنی ذات کریم اور سیرت صداقت مشحون سے ہمیشہ اُن لوگوں میں شمار کیا جائیگا جنکو اپنے بنی نوع کے ایمان و اخلاق اور تمام حیات دنیوی پر ایسا اختیار کامل حاصل ہوتا ہے جو بجز حقیقت میں کسی نہایت اعلیٰ درجہ کے شخص کے کسی اور کو کبھی حاصل نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔" +

میں امید کرتا ہوں کہ جسکو خدا نے تھوڑی سی بھی سمجھ دی ہے۔ اور اُسکے قوائے عقلی تعصب اور طرفداری کے بوجھ میں دب نہیں گئے۔ یقیناً اُسکا کانشنس گواہی دیگا کہ یہ عجیب و غریب تاثیریں بے شبہ بسبب اللہ اور وحی و الہام کی برکت سے تھیں اور اُنکا سرچشمہ وہی پاک اور قادر مطلق ہستی تھی جسنے اپنے پاک کلام اور اپنے سچے رسول کی نسبت یہہ فرمایا۔ "مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" یعنی یہ نہ سمجھو کہ ہمارا پیغمبر اپنی طبیعت سے باتیں بناکر کہدیتا ہے۔ نہیں وہ اپنی خواہش نفسانی سے کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ وہی بات کہتا ہے جو وحی کے طور پر اُسکے دل میں ڈالی جاتی ہے۔

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب کی مذکورہ بالا بے لوث شہادت کے بعد اگرچہ اب کسی اور شہادت کے پیش کرنے کی احتیاج باقی نہیں رہی مگر ناظرین کے مزید اطمینان کے لئے ہم دو شہادتیں اور پیش کرتے ہیں جو اپنی قدر و قیمت میں اس سے کچھ کم نہیں ہیں۔ چنانچہ آنریبل سر ولیم میور صاحب

+ دیکھو اڈویل صاحب کا دیباچہ ترجمہ قرآن صفحہ ۲۳ مطبوعہ ۱۸۶۱ء مولف عفی عنہ

جو اپنے علم و فضل اور تائید مذہب عیسوی کے لئے مشہور ہیں اپنی کتاب
لائف آف محمد کی جلد دویم کے صفحہ ۲۶۹-۲۷۱ مطبوعہ ۱۸۶۱ء میں
ارقام فرماتے ہیں کہ "اگرچہ محمد کے اوامر و احکام اسوقت تک
تھوڑے سے اور سادہ طور کے تھے جیسا کہ بیان بالا سے ظاہر ہوتا ہے
مگر اُنہوں نے ایک تعجب انگیز اور عظیم الشان کام کیا جب کہ دین مسیحی نے
دنیا کو خواب غفلت سے بیدار کیا تھا۔ اور شرک و بُت پرستی سے جہاد عظیم
کیا تھا۔ اُسوقت سے حیات روحانی کبھی ایسی برانگیختہ نہوئی تھی۔ اور نہ ایسا
غلو کسی مذہب میں ہوا تھا جیسا کہ دین اسلام میں ہوا۔ اس دین کے پیروان
خوش اعتقادی نے کیسے کیسے نقصانات صرف اپنے ایمان کی خاطر اُٹھائے
اور اُن نقصانات کی تلافی میں مال غنیمت کس خوشی سے لے لیا۔ ایک زمانہ
نامعلوم سے مکہ اور تمام جزیرہ نمائے عرب کی روحانی حالت بالکل سجیں و حرکت
ہو گئی تھی۔ اور اگرچہ شریعت موسوی اور دین مسیحی اور فلسفۂ یونان کا کچھ اثر عرب
پر ہوا تھا مگر وہ ایسا ناپائدار اور خفیف تھا جیسے کسی جھیل کے پانی کی سطح پر کبھی کبھی
کوئی لہر آجاتی ہے۔ مگر پانی کے نیچے کہیں ذرا سی بھی حرکت نہیں معلوم ہوتی۔
الغرض عرب کے لوگ توہمات اور کفر و ضلالت اور بیرحمی و بداعمالی کے
دریا میں غرق تھے۔ چنانچہ یہہ عام رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیویوں کو
جو اور جائداد کی مانند میراث میں آتیں بیاہ لیتا تھا۔ اُن کے غرور اور افلاس
سے دختر کشی کی رسم بھی اُن میں اُسی طرح جاری ہو گئی تھی جسطرح فی زمانہ
ہندوؤں میں جاری ہے۔ اُنکا مذہب حد کے درجہ کی بت پرستی تھا۔ اور

اُنکا ایمان ایک مسبب الاسباب مالکِ علی الاطلاق پر نہ تھا۔ بلکہ غیر مرئی ارواح کے توہم باطل کی ہیبت کا سا اُنکا ایمان تھا۔ اُنہیں کی رضامندی مناتے تھے۔ اور اُنہیں کی ناراضی سے احتراز کرتے تھے۔ قیامت اور جزا و سزا جو فعل یا ترک کا باعث ہو اُسکی اُنہیں خبر ہی نہ تھی۔ ہجرت سے تیرہ برس پہلے تو مکہ ایسی ذلیل حالت میں بے جان پڑا تھا مگر اُن تیرہ برسوں نے کیا ہی اثر عظیم پیدا کیا۔ کہ سیکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی۔ اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ اُسی قادرِ مطلق سے بکثرت و بشدّت دعا مانگتے۔ اُسی کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے۔ اور حسنات و خیرات اور پاکدامنی اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اب انہیں شب و روز اُسی قادرِ مطلق کی قدرت کا خیال تھا۔ اور یہ کہ وہی رزاق ہمارے ادنیٰ احتیاج کا بھی خبر گیراں ہے۔ ہر ایک قدرتی اور طبعی عطیہ میں۔ ہر ایک امر متعلقہ زندگانی میں۔ اور اپنے خلوت و جلوت کے ہر ایک حادثہ اور تغیر میں۔ اُسی کے ید قدرت کو دیکھتے تھے۔ اور اس سے بڑھکر اس نئی روحانی حالت کو جسمیں خوشحال اور حمد کنان رہتے تھے۔ خدا کے فضلِ خاص و رحمتِ بااختصاص کی علامت سمجھتے تھے۔ اور اپنے کو باطن اہل شہر کے کفر کو خدا کے تقدیر کئے ہوئے خذلان کی نشانی جانتے تھے محمد کو جو اُنکی ساری اُمیدوں کے ماخذ تھے اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے۔ اور اُنکی ایسے کامل طور پر اطاعت کرتے تھے جو اُنکے رتبہ عالی کے لایق تھی۔ ایسے تھوڑے ہی زمانہ میں کہ

اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا جو بلالحاظ قبیلہ و قوم ایک
دوسرے کے درپے مخالفت و ہلاکت تھے۔ مسلمانوں نے مصیبتوں
کو تحمل و شکیبائی سے برداشت کیا۔ اور گو ایسا کرنا انکی ایک مصلحت تھی۔ مگر تو بھی
ایسی عالی ہمتی کی بردباری سے وہ تعریف کے مستحق ہیں۔ ایک† سو مرد اور عورتوں
نے اپنا گھر بار چھوڑا۔ لیکن ایمان عزیز سے موہنہ موڑا۔ اور جبتک کہ یہ طوفان
مصیبت فرو ہوئے حبش کو ہجرت کر گئے۔ پھر اس تعداد سے بھی زیادہ
آدمی کہ انمین نبی بھی شامل تھے اپنے عزیز شہر اور مقدس کعبہ کو جو انکی نظر میں تمام
روے زمین پر سب سے زیادہ مقدس تھا چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کر آئے اور
یہاں بھی اسی جادو بھری تاثیر نے دو یا تین برس کے عرصہ میں ان لوگوں
کے واسطے ایک برادری جو نبی اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد
ہو گئے طیار کر دی"

دوسرے شاہد ریورینڈ جی۔ ایچ راڈویل صاحب ہیں جنہوں
نے بڑی سرگرمی اور سعی موفور سے قرآن مجید کا ترجمہ بہ ترتیب نزول سور
کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں قرآن مجید کی تعلیمات کی
تاثیر کی نسبت جو قوم عرب پر ہوئی فرماتے ہیں کہ "عرب کے سیدھے
سادے خانہ بدوش بدو ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو"
پھر تھوڑا سا آگے چلکر فرماتے ہیں "بت پرستی کے مٹانے۔ جنات

† ایک روایت کی رو سے بیاسی اور ایک کی رو سے تراسی مرد اور سترہ عورتیں اور ایک
چھوٹی لڑکی اور دو لڑکے تھے جو حبش کو گئے تھے۔ ۱۲ مولف عفی عنہ

اور مادیات کے شرک کی عوض اللہ کی عبادت قائم کرنے۔ اطفال کشی
کی رسم کو نیست و نابود کرنے۔ بہت سے توہمات کو دور کرنے۔ اور ازدواج
کی تعداد کو گھٹا کر اُسکی ایک حد معین کرنے میں قرآن بے شک عربوں کے
لئے برکت اور قدوم حق تھا گو عیسائی مذاق پر وحی نہو" + (انتہے قولہ)

حق پسند ناظرین آپ نے قرآن مجید کے اعجاز کو دیکھا؟ کہ اُنیسویں صدی
کے کیسے بڑے بڑے فاضل اور محقق عیسائیوں سے اپنی معجزانہ
تاثیرات و برکات کی نسبت کس زور شور سے اقرار حاصل کر رہا ہے اور وہ
امر حق کے وضوح و ظہور سے مجبور ہو کر کیسی صاف اور بے لوث شہادتیں
ادا کر رہے ہیں۔ چنانچہ کوئی تو اُسکے وحی و الہام ہونے کو صاف صاف
ہی تسلیم کر رہا ہے۔ اور کوئی گو صریح و واضح طور پر اقرار کرنے سے بچتا۔ اور
اُسکی تاثیروں کی نسبت معجزانہ اور ربانی کہنے کی جگہ "جادو بھری" کا لفظ استعمال
کرتا ہے۔ مگر جادو خود ایک ایسا امر ہے جسکی حقیقت کو اس زمانہ کا کوئی بھی
ذی علم اہل یورپ تسلیم نہیں کرتا۔ اور جو فی الواقع تسلیم کرنیکے لایق بھی نہیں ہے
اور ایسے وہمی اور بے اصل امر میں یہہ طاقت کہاں تھی کہ حیات روحانی کو
ایسا برانگیختہ کر دیتا۔ جو خود اُسی محقق فاضل کے قول کے موافق "دو ابتدا سے
دین مسیحی سے اُسوقت تک کبھی ایسی برانگیختہ نہوئی تھی جیسی کہ چند اوامر و
احکام اسلام کی تعلیم سے ہوئی" پس جس حالت میں کہ کسی انسانی فعل۔ جادو وغیرہ

+ یہہ جملہ جیسے رہنے دو ہر خط کھینچدیا ہے ۱۸۶۱ء کے اڈیشن میں تو ہے مگر ۱۸۷۶ء کے
اڈیشن میں سے حذف کر دیا گیا ہے۔ سلف عفی عنہ

سے ایسی عجیب وحیرت انگیز روحانی اصلاحوں کا وقوع میں آنا ممکن نہیں جیسا کہ
قرآن مجید کے وعظ سے ظہور میں آیا۔ تو پھر اُسکے معجزہ اور من اللہ ہونے میں
کیا شک ہے۔ افسوس! انسان خواہ کیسا ہی عاقل وفاضل کیوں
نہو مذہب کی طرفداری اور سبق ظن اُسکو سچی بات کے قبول کر لینے
اور کم سے کم اُسکی سچائی کو زبان پر لانے سے ہمیشہ مانع ہوتا ہے۔ اور جبکہ
کسی نہایت صاف وصریح امر حق کی تکذیب اور اُس سے انکار نہیں کر سکتا
تو مجبوراً ایسی ضعیف اور لبودی باتوں سے اپنے دل کی تسلی کر لیتا ہے
جنکی کچھ بھی حقیقت اور اصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعینہ یہی حال مشرکین مکہ اور
اہل ادیان باطلہ کا تھا جنکے سامنے قرآن مجید کی آیتیں پڑھی جاتی
تھیں۔ اور اُنکو کہا جاتا تھا اگر اسکے من اللہ ہونے میں شک ہے تو
تم بھی ایسا حیرت انگیز وپر تاثیر کلام لاؤ۔ اور وہ معارضہ سے مجبور ہو کر سحر وجادو
بتاتے تھے۔ اور اس طرح پر اپنے حیرت زدہ دل کا اطمینان کر لیتے تھے
اب سیاق کلام اسکا مقتضی ہے کہ امین عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی کے حیرت انگیز وہدایت آمیز قصہ کو ہم پھر دوہرائیں
اور اُن مشکلوں اور دقتوں اور تکلیفوں کو جو اُس رسول جلیل۔ افتخار ذبیح خلیل
کو اپنی رسالت کے نہایت مشکل اور عظیم الشان کام میں پیش آئیں اور اُنکے
مقابلہ میں جو صبر وثبات اور استقلال وراسخ قدمی آپ سے ظہور میں آئی
اُسکو مختصراً بیان کریں۔ تاکہ انصاف دوست ناظرین فیصلہ کر سکیں کہ یہ
حیرت انگیز تاثیرات وبرکات خدا کی ذات پاک کے ساتھ تقرب وتعلق کا

نتیجہ تھیں یا ایک محض بے اصل تخیل و تصور کا ثمرہ تھا؟ جو بقول مخالفین
"بسبب گوشہ نشینی اور عبادت و ریاضت اور فکر و غور کی عادت کے قوت
متخیلہ کے درجہ بدرجہ بڑھ جانے سے جسکو "صرع دوری" کے مرض سے
اور بھی اشتعال ہوا بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے میں پڑجانے
اور اپنے رویا و تخیلات کو وحی و الہام باور کر لینے کا باعث ہوا"۔ اور وہ عقل کل
جسکی تیزیِ فہم اور نہایت مرتبہ کے علوِ نظر اور اصابتِ رائے کا اقرار
ڈاکٹر سپرنگر جیسے شخص کو بھی[۵۱] ہے۔ تیئیس برس کے ممتد عرصہ
تک اسی دھوکے میں پڑا رہا! اور نہ کسی لالچ ہی نے اسکو اس واہمہ
سے نکالا اور نہ کسی حقارت و تذلیل اور بڑے سے بڑے خوف و خطرہ نے!
یہانتک کہ جان کے لالے پڑ گئے مگر اسپر بھی نہایت بےمثیل و بےنظیر
ثابت قدمی کے ساتھ اپنی اسی سعی و کوشش میں مصروف رہا جو بوجہ رسول
برحق ہونے کے مخلوق پرستی کے مٹانے اور خدا کی ذات و صفات کا ملہ
کی توحید اور خالص پرستش قائم کرنیکے لئے اختیار کی تھی اور سب پر بالا یہ
کہ جو ارادہ کیا تھا اسکو پورا بھی کر دکھایا۔

پس واضح ہو کہ جناب افضل الرسل والانبیا علیہ التحیۃ والثنا کی عمر شریف
کا چالیسواں سال پورا ہو چکا تھا کہ عالم مراقبہ میں آپ کے قلب[۵۲] منور کو اس امر کا

---

۵۱ دیکھو الف آف محمد صفحہ (۸۹) مطبوعہ ۱۸۵۱ء مقام الہ آباد۔ ۱۲ مولف عفی عنہ

۵۲ دیکھو قرآن مجید سورہ بقرہ خدا فرماتا ہے "انہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ" یعنی
جبرئیل نے قرآن کو خدا کے حکم سے تیرے دل پر اتارا ہے۔ اور سورۂ شعرا

احساس وادراک ہوا کہ وہی روحانی صورت جو پہلے غارِ حرا میں دکھائی دی تھی اور آپ کو خدا کا پیغمبر اور اپنے تئیں خدا کا فرشتہ بتا کر خدا کی ذات و صفاتِ عالیہ کے متعلق چند الہامی کلمات سکھا گئی تھی خدا کا یہ مقدس پیغام آ کر پہونچتی ہے "یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۔ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ۔ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ۔ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ" یعنی

میں ہے "نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ" یعنی قرآن کو روح الامین (جبرئیل) نے تیرے دل پر اُتارا ہے تاکہ تو خدا کے خوف سے آگاہ کرنے والوں میں سے ہو۔ مؤلف عفی عنہ۔

+ مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب اپنی کتاب کے صفحہ (۱۱۹) میں فرماتے ہیں کہ "انبیاے بنی اسرائیل اور سینٹ ایتھونی۔ اور سینٹ بینے۔ ڈکٹ اور جوآن آف آرک اور سینٹ تھیرسا اور سوئیڈن برگ بلکہ خود لوتھر کی طرح محمدؐ کو بھی کچھ کچھ نظر آیا کرتا تھا۔ اور ہر کوئی جانتا ہے کہ لوتھر کو مجسم شکلیں نظر آیا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ اُسنے شیطان کی طرف جو اُسنے قلعۂ وارٹ برگ میں نظر آیا تھا دوات پھینک ماری تھی۔ پس اگر ایک شخص پر ایسے تخیلات کی وجہ سے جھوٹے دعوؤں کا الزام نہیں لگایا جاتا تو پھر دوسرے کو کیوں ملزم ٹھہرایا جاتا ہے؟ جو کچھ محمد دیکھتا تھا وہ اسی بیان کرتا تھا۔ اور وہ بے شک دیکھتا تھا۔ گو وہ سب کچھ اُسی کی قوتِ تخیلہ کا نتیجہ کیوں نہو۔ اور اگر کسی شے کی حقیقت پرکھنے کے لئے اُسکے نتائج کو قبول کیا جا سکتا ہے تو جو کچھ محمد کو نظر آتا تھا وہ بے شبہ سچ تھا۔ کیونکہ اُس سے اسکو اپنے عالی شان کام میں تقویت ہوتی تھی" (انتہے قولہ)

اے شخص مخلع بخلعت رسالت ہمارے احکام کی بجاآوری کے لئے
مستعد اور تیار ہو۔ اور لوگوں کو جو ہمکو چھوڑکر طرح طرح کی مخلوق پرستی اور
اعمال وافعال قبیحہ میں مبتلا ہیں ہمارے عذاب سے جو انصافاً ان امور کا لازمی
نتیجہ ہے خبردار کر۔ اور اپنے پروردگار کی ذاتِ جامع جمیع صفات جلال وکمال
کی عظمت وجلالت خلایق پر ظاہر کر۔ اور پاکی وپاکدامنی اختیار کر۔ اور شرک
ومخلوق پرستی کی نجاست سے بالکلیہ الگ ہوجا۔ اور اس سب سے بڑی
نیکوئی کا اس امید سے احسان مت جتا کہ لوگ تیرے ساتھ اس سے
زیادہ کسی نیکی سے پیش آئیں۔ اور اون شدایدوتکلیفات پر جو اس امرعظیم
کی بجاآوری میں پیش آئیں خالص اپنے پروردگار کے لئے مُصابرت اختیار کر
اور لوگوں کو آگاہ کردے کہ جب صحرائے قیامت میں خلایق کے حاضر ہونیکے
لئے بگل پھونکا جائیگا تو وہ دن ہماری آیات ظاہرہ وکلماتِ باہرہ سے انکار کرنے
والوں پر نہایت ہی سخت ہوگا۔" چنانچہ ان آیات شریفہ کے نازل ہوتے
ہی آپ فرمان الٰہی کی بجاآوری کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور سب
سے پہلے اس امرعظیم کا اظہار اپنے اہل بیت سے فرمایا اور آپ کی
حلیلہ جلیلہ خدیجۃ الکبریٰ نے جو نہایت عاقلہ بی بی تھیں اور پندرہ برس کی
رات دن کے تجربہ سے آپکی صفاتِ دیانت وامانت اور راستی وراستبازی
اور حق دوستی وحق پسندی اور غایت مرتبہ کی عقل وفہم سے بخوبی واقف
تھیں بلاتامل آپ کی تصدیق کی۔ اور ان کے بعد آپ کے چچازاد بھائی علی
مرتضیٰ نے جنہوں نے آنکھیں کھولکر پہلے پہل آپ ہی کے جمال باکمال کو

دیکھا تھا۔ اور آپ کی آغوش عاطفت میں آپکی زبان حق ترجمان کا لعاب پی پی کر پرورش پائی تھی اور اسی وجہ سے "لُحْمَكَ لَحْمِي وَدَمُكَ دَمِي" کا ہمیشہ خطاب پایا تھا بقول سر آمد مورخین انگلستان اڈورڈ گبن ایک نوجوان ہیرو کی سی ہمت و جرأت کے ساتھ آپکے خیالات کی صداقت کا اعتراف کیا" اور آپ کے بعد بقول گبن، اَبُوالْفِدَا اور اور مستند مورخین کے جو درایۃً بھی درست معلوم ہوتا ہے آپ کے آزاد کردہ غلام زید ابن حارثہ عبودیت الٰہی کے معترف ہوئے۔ اور ان کے بعد عبداللہ بن ابی قحافہ نے جو بہت وجیہ شخص تھے اور جو بعد ازیں تاریخ اسلام میں اَبُوبَکرِ صِدِّیق کے لقب سے مشہور ہوئے آپکی رسالت کی تصدیق کی۔ اور ان کے بعد عُثمان بن عفّان۔ عَبدُالرَّحمٰن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص۔ زُبیر بن عوّام۔ طلحہ بن عبیداللہ۔ جعفر بن ابی طالب۔ ابوذر۔ عمار بن یاسر۔ ابوعبیدہ بن جرّاح۔ سعید بن زید اور اور سعادتمند ان ازلی جنمیں مختلف درجہ کی چند عورتیں بھی شامل تھیں یکے بعد دیگرے مشرف باسلام ہوئے۔ کسی شخص کے ایسے دعوی کی صداقت کے لئے جیسا کہ نبی عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعوی تھا اگرچہ یہ ضرور نہیں ہے کہ اُس کے عزیز و اقارب اُسکا اعتراف کریں یا اُسکے معتقدین خوف و مصیبت کے وقت ثابت قدمی کے ساتھ اپنے عقیدہ پر قائم رہیں۔ مثلاً مسیح علیہ السلام ہی کو دیکھو کہ آپ کے ماں جائے بھائی آپ پر ایمان نہ لائے اور ایک فرقہ تو یہاں تک نوبت پہنچی

کہ آپ کو مسلوب الحواس سمجھکر گرفتار کر لینے پر آمادہ ہو گئے۔ اور حواری بھی اعتقاد
کے ایسے کچے نکلے کہ خوف و خطر کی آہٹ پاتے ہی آپکو اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے۔
جیسا کہ انجیل یوحنا کے باب ہفتم آیت پنجم اور انجیل مرقس کے باب سیوم آیت
بست و یکم اور انجیل متی کے باب بست و ششم آیت پنجاہ و ششم سے ظاہر
ہوتا ہے۔ لیکن اسمیں بھی شک نہیں کہ اگر ایسے شخص کی بیوی اور بھائی اور
غلام اور دوست آشنا (جنکو رات دن کی صحبت اور ربط و ضبط کیوجہ سے اُس
کے حال سے واقف ہونے کا خوب موقع ملتا ہے) دلی یقین کے ساتھ
اُسکی متابعت و پیروی اختیار کریں۔ اور کسی عقوبت جسمانی و الم روحانی کی
پروا نہ کر کے اپنی عقیدت پر قائم رہیں حتی کہ موت تک کو بے حقیقت جانیں
تو بے شبہہ یہہ اُسکے حُسنِ نیت اور صداقتِ دعوی کی ایک قطعی دلیل ہو گی۔
پس امین عرب علیہ الصلوۃ والسلام کا دعوی رسالت بھی اس قاعدہ سے مستثنے
نہیں ہے۔ اور آپ کی عقلمند بیوی اور پیارے بھائی اور وفادار غلام اور
نہایت واقف حال اور صاحب فہم و فراست اور تجربہ کار دوستوں کا نہایت رغبت
اور صدق دل سے آپکے دعوی رسالت کی تصدیق کرنا اور ایمان لانا اور
نہایت درجہ کے مصائب و شدائد میں غایت مرتبہ کی ثابت قدمی سے
اپنے عقیدہ پر قائم رہنا قطعی شہادت آپکے صدق نیت اور آپ کے مواعظ و
احکام کے منجانب اللہ ہونے کی ہے۔ ورنہ کیا یہہ ممکن تھا؟ کہ بیچاری
ضعیف الخلقت عورتیں جو دریائے گلیل کے ماہی گیروں سے یقیناً زیادہ
جاہل و بے خبر از حالات زمانہ تھیں۔ اور اعلی درجہ کے ذی وقعت و دانشمند

اشخاص جنکی لیاقتیں سلطنت جمہوریۂ اسلامیہ کی سرداری و سپہ سالاری
میں اپنے اپنے موقع پر آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہوگئیں۔ اگر ذرا بھی دُنیا
طلبی اور مکر و فریب اور عدم ایماں یا نقصان و سفاہتِ عقل کی علامت آپ
میں پاتے تو فوراً آپ کی بات کو رد نہ کر دیتے؟ اور کیا باپ بیٹوں سے اور
مائیں بیٹیوں سے اور بہنیں بہنوں سے اور بھائی بھائیوں سے اِس طرح
جدا ہو جانا گوارا کرتے۔؟ جس طرح کہ اسلام و بانی اسلام کی محبت سے اپنے
آبائی اور عزیز مذہب کو چھوڑ کر جدا ہو گئے۔ اور کیا مِلک و مال اور عزیز
و اقارب اور پیارے وطن کی الفت پر خاک ڈالکر غریب الوطنی کی زندگی اختیار
کرنا پسند کرتے؟ یا ہتھکڑیں بندھے ہوئے بھوکے پیاسے مکہ کی نہایت
گرم اور تیز دھوپ میں جلتی بلتی پتھریلی زمین پر بڑے بڑے پتھر سینہ پر رکھکر
ڈال دیئے جانے کو عیش و آرام کی زندگی پر ترجیح دیتے؟ یا اس بیہودہ و
موہوم اُمید کے بھروسہ پر کہ آیندہ کسی وقت مالِ غنیمت کے علاوہ انتقام لینے
کی قدرت بھی حاصل ہو جائیگی (جیسا کہ میور صاحب نے نہایت وجہ کی
ناانصافی سے آنکھوں پر ٹھیکری رکھکر لکھدیا ہے) کامل تین برس تک قوم سے
بالکل بے تعلق اور الگ۔ قیدیوں کی طرح شعب ابیطالب میں محصور رہنے
اور طرح طرح کی تکالیف اور صعوبتیں سہنے اور جان جوکھوں میں پڑنے کو مرغوب
جانتے؟ ہرگز نہیں۔ کبھی نہیں۔ چنانچہ فاضل محقق گاڈفری ہگینس
صاحب مرحوم اپنی کتاب موسوم بہ اپالوجی فراہ محمد کے اٹھارہویں فقرہ
میں لکھتے ہیں کہ "باوجودیکہ محمدؐ اور عیسیٰؑ کی ابتدائی سوانح عمری

میں ایسے حالات ہیں جنمیں عجیب مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن بہت
سے ایسے ہیں جنمیں بالکل اختلاف ہے۔ مثلاً عیسیٰ کے اول بارہ
مُریدوں کو ناتربیت یافتہ و کم رتبہ مانا گیا ہے۔ بخلاف محمدؐ کے اول
مُریدوں کے کہ بجز اُسکے غُلام کے سب لوگ بڑے ذی وجاہت
تھے۔ اور جب وہ خلیفہ اور افسر فوج اسلام ہوئے تو اُس زمانہ میں جو کچھ
اُنھوں نے کام کئے اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن میں اول درجہ
کی لیاقتیں تھیں۔ اور غالباً ایسے نہ تھے کہ بآسانی دھوکہ کھا جاتے عیسیٰ
کے اول مریدوں کی کم رتبگی میں موشیم صاحب دین عیسائی کی خوبی
سمجھتے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو میں بمجبوری مقر ہوں کہ اگر لاک اور نیوٹن
جیسے اشخاص مذہب عیسوی کے اول محققین میں سے ہوتے تو مجکو
بھی اطمینان کامل ویسا ہی ہوتا۔ پس اس سے ثابت ہے کہ ایک
ہی شے مختلف شخصوں کو کیسی مختلف معلوم ہوتی ہے۔" پھر فقرہ (۲۱۸)
میں لکھتے ہیں کہ۔ گبن نے بیان کیا ہے کہ "پہلے چاروں خلیفوں کی
اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے۔ اُنکی سرگرمی دلہی اور اخلاص
کے ساتھ تھی۔ اور ثروت و اختیار پاکر بھی اُنھوں نے اپنی عمریں ادائے
فرائض اخلاقی و مذہبی میں صرف کیں" پس یہی لوگ محمدؐ کے
ابتدائی جاں کے شریک تھے۔ جو پیشتر اس سے کہ اُسنے اقتدار حاصل کیا یعنی
تلوار پکڑی اُسکے جانب دار ہو گئے یعنی ایسے وقت میں کہ وہ ہدف آزار ہوا
اور جان بچاکر اپنے ملک سے چلا گیا۔ اُنکے اول ہی اول تبدیل مذہب

کرنے سے اُنکی سچائی ثابت ہوتی ہے۔ اور دنیا کی سلطنتوں کے فتح کرنے سے اُنکی لیاقت کی فوقیت معلوم ہوتی ہے" پھر فقرۂ (۲۱۹) میں لکھتے ہیں کہ "اِس صورت میں کوئی یقین کرسکتا ہے؟ کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں سہیں۔ اور اپنے ملک سے جلاوطنی گوارا کی اور اِس سرگرمی سے اُسکے پابند ہوے۔ اور یہ سب امور ایک ایسے شخص کی خاطر ہوں جسمیں ہر طرح کی بُرائیاں ہوں اور اُس سلسلۂ فریب اور سخت عیاری کے لئے ہوں جو اُنکی تربیت کے بھی خلاف ہو اور اُنکی ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی مخالف ہو۔ اسپر یقین نہیں ہوسکتا اور خارج از احیطۂ امکان ہے" پھر ایک دوسرے موقع پر فقرہ (۱۲۳) میں لکھتے ہیں کہ "عیسائی اِس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد کے مسائل نے وہ درجۂ نشۂ دینی اُس کے پیروؤں میں پیدا کیا کہ جسکو عیسیٰ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بفائدہ ہے۔ اور اسکا مذہب اُس تیزی کے ساتھ پھیلا جسکی نظیر دین عیسوی میں نہیں۔ چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سی عالیشان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آگیا۔ جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو اُسکے پیرو بھاگ گئے اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں چھوڑکر چلدیئے۔ اگر بالفرض اُسکی حفاظت کرنے کی اُنکو ممانعت تھی تو اُسکی تشفی کے لئے تو موجود رہتے اور صبر سے اُسکے اور اپنے ایذارسانوں کو دھمکاتے۔ برعکس اُسکے محمد کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد و پیش رہے اور اُسکے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈالکر کل دشمنوں پر اُسکو غالب کردیا" (انتہیٰ قولہٗ)

حواریوں سے جو ضعفِ اعتقاد اور مزلت قدم ظہور میں آئی خواہ اُنکے قصور عقل کا نتیجہ ہو یا خود حضرت مسیح کے اختلافِ اقوال کا ثمرہ ہو جیسا کہ ڈین ملمین صاحب نے اپنی رائے ظاہر کی ہے* مگر اسکی واقفیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔

اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ اگرچہ بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کام کی ترقی بہت آہستہ طور کی تھی مگر بقول فاضل محقق مسٹر طامس کارلائل صاحب مرحوم "آپکو اپنے عقائد کے پھیلانے میں استقلال کے ساتھ کوشش جاری رکھنے کی وہی معمولی شے ہمت و جرات دلاتی تھی جو اس قسم کے لوگونکو اس قسم کی حالت میں ہمیشہ ہمت دلاتی ہے"+ چنانچہ تین برس کی تھوڑی سی کامیابی کے بعد اُس محبت و شفقت کے تقاضا سے جو آپکو اپنی قوم اور خصوصاً اپنے اہل خاندان سے تھی بقول اڈورڈ گبن "یہ مصمم ارادہ کرکے کہ انہین ربانی روشنی سے مستفید کریں" اپنے خاندان کے لوگوں کو جو شمار میں کم و بیش چالیس تھے۔ اور جنمیں آپ کے چچا ابوطالب اور حمزہ اور عباس اور ابولہب بھی شامل تھے دعوت کی تقریب سے جمع کیا۔ اور جب اکل و شرب سے فراغت ہو چکی تو مخاطب ہو کر فرمایا کہ "یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَدْ جِئْتُکُمْ بِخَیْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَقَدْ اَمَرَنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْ اَدْعُوَکُمْ اِلَیْہِ فَاَیُّکُمْ یُوَازِرُنِیْ عَلٰی اَمْرِیْ ھٰذَا وَیَکُوْنُ اَخِیْ وَوَصِیِّیْ وَخَلِیْفَتِیْ فِیْکُمْ" یعنی اے اولادِ عبدالمطلب میں تمہارے لئے ایک ایسی چیز لایا ہوں جو بے شبہ دنیا و آخرت کی بہتری ہے۔ اور یقین کرو کہ خدا تعالیٰ نے مجھکو حکم دیا ہے کہ میں تمکو اُسکی اطاعت کیطرف بلاؤں۔ پس تم میں کون ایسا

* دیکھو ملمین صاحب کی تاریخ کلیسا جلد اول۔ مؤلف + دیکھو کتاب ہیرو ز اینڈ ہیرو ز ورشپ لکچر دوم۔ مؤلف

ہے جو اس امر عظیم میں میرا بوجھ بٹائے اور میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا نائب تم میں ہو" لکھا ہے کہ کسی نے کچھ جواب نہ دیا مگر ایک جوانِ نوخاستہ جسکی ابھی مسیں بھیگنی شروع ہوئی تھیں بقول گبن "اس حیرت و شک اور حقارت آمیز خاموشی کی برداشت نکر سکا" اور کھڑے ہو کر بڑی ہمت اور جرأت کے ساتھ بولا کہ "یا رسول اللہ اگرچہ میں اس مجمع میں سب سے کم عمر ہوں مگر اس مشکل خدمت کو میں بجا لاؤنگا" چنانچہ آپ نے کمال شفقت سے اس نوجوان بہادر کی گردن پر ہاتھ رکھکر فرمایا۔ اِنَّ هٰذَا اَخِیْ وَوَصِیِّیْ وَخَلِیْفَتِیْ فِیْکُمْ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِیْعُوْا * یعنی بالتحقیق یہ میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا نائب تم میں ہے۔ پس اسکی بات سنو اور جو حکم دے اسکی اطاعت کرو" چنانچہ اس دعوت اور اس گفتگو کا ذکر لکھکر سیل کارلائل صاحب فرماتے ہیں کہ "اگرچہ یہ مجمع جس میں علی کا باپ ابوطالب بھی تھا محمدؐ کا دشمن تھا مگر تاہم سب لوگوں کو ایک ادھیڑ عمر کے ان پڑھ آدمی اور ایک سولہ برس کے لڑکے کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ دونوں ملکر تمام دنیا کے خیالات کے برخلاف کوشش کرینگے ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی اور تمام مجمع قہقہا لگا کر منتشر ہو گیا مگر ثابت ہو گیا کہ یہ ایک ہنسی کے لایق بات نہ تھی۔ بلکہ بہت ٹھیک اور درست

* دیکھو تفسیر شیخ ابو اسحاق احمد بن محمد الثعلبی اور تفسیر شیخ ابو محمد حسین البغوی معروف بہ مسمی بہ معالم التنزیل تحت آیہ کریمہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ" اور تاریخ شیخ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری اور تاریخ علامہ ابو الحسن علی بن محمد الجزری معروف بہ ابن اثیر اور تاریخ ملک اسماعیل ابو الفدا حموی اور تاریخ زوال سلطنت روم از ڈگبن مولف عفی عنہ

تھی - یہ نوجوان علی ؑ ایسا شخص تھا کہ ضرور ہے کہ ہر ایک شخص اُسکو پسند ہی کرے - اور اس امر سے جو اوپر بیان کیا گیا ہے - اور نیز اور باتوں سے جو ہمیشہ اُسکے بعد اُس سے ظہور میں آئیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک صاحب اخلاق فاضلہ اور محبت سے بھرپور اور ایسا بہادر شخص تھا کہ جسکی آگ جیسی تیز و تند جرات کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھیر سکتی تھی - اس شخص کی طبیعت میں کچھ عجیب طور کی جوانمردی تھی - شیر سا تو بہادر تھا مگر باوجود اسکے مزاج میں ایسی نرمی اور رحم اور سچائی اور محبت تھی جیسی کہ ایک کرسچن نائٹ (عیسائی دیندار جوانمرد) کے شایاں ہے" ۵۱

فی الواقع خدا نے آپکو ایسی ہی صفات جمیلہ و خصائل جلیلہ سے متصف فرمایا تھا جسکی نظیر اُمت اسلامیہ میں نہیں پائی جاتی - چنانچہ آکلی صاحب فرماتے ہیں کہ "وہ نامور خلیفہ بلحاظ اپنی ہمت و جرأت اور طبیعت و خصلت اور پاکدامنی و عفت اور فہم و فراست کے نہایت عظیم المرتبت لوگوں میں سے تھا جو امت اسلامیہ میں کبھی پیدا ہوا تھا" ۵۲

القصہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل خاندان پر اپنے موعظہ کا کچھ اثر نہ پایا تو حرم کعبہ میں تشریف لاکر اُس پتھر پر کھڑے ہوئے جو آپ کے جد امجد اسماعیل ؑ نے نصب کیا تھا اور بآواز بلند فرمایا کہ "اے گروہ قریش و قبائل عرب میں تمکو خدا کی توحید اور اپنی رسالت کیطرف بلاتا ہوں

۵۱ دیکھو کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ لکچر دوم صفحہ (۱۲) مؤلفہ مذکورہ

۵۲ دیکھو آکلی ہسٹری آف سارسین مطبوعہ ۱۸۸۳ء صفحہ (۳۳۵) مؤلف

پس اسکو مانو اور شرک و بت پرستی چھوڑ دو تاکہ عرب اور عجم دونوں کے بادشاہ
ہو جاؤ۔ اور آخرت کی بادشاہت بھی تمہاری ہی ہوگی۔ جسکو سنکر کفار
ہنسنے لگے کہ محمد کو (معاذاللہ) جنون ہو گیا ہے۔ اب یہ حال تھا کہ کفار
ناہنجار اگرچہ کوئی جسمانی تکلیف آپکو نہیں دیتے تھے مگر پند و نصیحت کو نہ ماننا اور
بشدت حقارت و استہزا کرنا آپ کے لئے سب تکلیفوں سے زیادہ سوہانِ روح
تھا۔ اور اُن کی ان نادانی اور جہالت کی حرکتوں سے آپکا دل نہایت ہی کڑھتا تھا
کچھ عرصہ تک آپنے صرف توحید کے وعظ پر قناعت فرمائی۔ مگر جب دیکھا کہ
لوگ اپنے پتھر اور لکڑی وغیرہ کے ناپاک و ناچیز بتوں کی محبت و عقیدت سے
باز نہیں آتے اور خدائے قدوس و قادر مطلق کی صفات و عبادات میں اُنکو
شریک کرتے ہیں تو بقول مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب "آپ کو واجب
طور سے غیظ آگیا اور حقارتاً مشرک کے ذلیل لقب سے مخاطب کرنا اور اُنکے
دین کو سراسر گمراہی و ضلالت بتانا شروع کیا" اور اسمیں یہانتک اصرار
فرمایا کہ جہلائے قریش کو اُسی طرح طیش آگیا جسطرح جناب مسیح کے ملامت کرنے
سے علمائے یہود کو آگیا تھا۔ پس پہلے تو اُنہوں نے آپ کے چچا ابوطالب
کو کہلا بھیجا کہ آپکو اُنکے دین کی ہجو و حقارت کرنے سے روکیں۔ اور جب کچھ
اثر نہ دیکھا تو چند بڑے بڑے رئیس قوم اکٹھے ہو کر اُن کے پاس گئے اور کہا کہ
ابتک ہم آپ کے کبر سن اور جلالت قدر کی وجہ سے لحاظ کرتے رہے۔ مگر
اب صبر نہیں ہو سکتا۔ پس یا اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روکئے یا اُسکو
اور اُسکو بحال خود چھوڑ کر کنارے ہو جائیے تاکہ ہم ہی غارت ہو جائیں یا وہی فنا ہو جائے

چنانچہ اُس بزرگوار نے قریش کی گفتگو سے آپکو مطلع کیا اور کہا کہ وہ اپنی اور
میری جان کو ہلاکت سے بچائیے اور اتنا بوجھ مجھ پر نہ ڈالئے جو میری طاقت
سے زیادہ ہو" جس سے آپکو گمان ہوا کہ چچا میری نصرت وحمایت سے
دست بردار ہوا چاہتے ہیں۔ اب اسکا جواب جو آپ نے دیا وہ نہایت
غور و توجہ کے قابل ہے فرمایا "اے چچا اگر یہ لوگ اس مطلب سے
کہ میں اس امر عظیم کی بجا آوری چھوڑ دوں (بفرض محال) آفتاب و ماہتاب کو
(جو انکے معبود و مسجود ہیں) میرے دائیں اور بائیں ہاتھ پر لا رکھیں تو بھی میں
اسکو ہرگز ترک نہ کرونگا۔ تاوقتیکہ خدا اپنے دین کو سب ادیان پر غالب کر دے
یا میں ہی اس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید	یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

فی الواقع آپکا خاموش ہونا ناممکن تھا کیونکہ آپکو فرمانِ خداوندی پہنچ چکا تھا کہ "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ" یعنی اے ہمارے رسول جو حکم تجکو
دیا گیا ہے اسکو واشگاف بجالا اور مشرکوں سے بالکلیہ مونہہ پھیر لے" اور اس
حالت میں سورج ہوتا یا چاند یا قدرت کا کوئی اور مصنوع آپ کو فرمان الٰہی کی بجاآوری
سے باز نہیں رکھ سکتا تھا چنانچہ مسٹر کارلائل صاحب لکھتے ہیں کہ وہ
بلاشبہ آپ خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ کیونکہ جس امر حق کا آپ
اعلان فرماتے تھے اُنمیں وہی فطری قوت تھی جو سورج اور چاند یا قدرت
کے اور مصنوعات میں ہے اور خدائے قادر مطلق کی مرضی کے بغیر سورج
اور چاند اور تمام قریش بلکہ تمام انسان اور اور موجوداتِ عالم آپکو خاموش نہیں

کر سکتے تھے۔ کیونکہ اسکے سوا آپ کچھ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ کہتے ہیں کہ
"محمد یہ سنکر بے اختیار رو پڑے" اسلئے بے اختیار رو پڑے کہ چچا کیسی
دلسوزی سے کہتا ہے! اور مینے جو کام اختیار کیا ہے وہ کیسا سخت اور مشکل
ہے" اللہ اکبر کیسی ثابت قدمی تھی اور کیسا ایمان و ایقان سے بھرا ہوا یہ جواب تھا
کہ حق پسند و حق جو عیسائی مصنفوں کے نزدیک بھی کسی غیر ملہم شخص کی زبان پر آنا
ناممکن تھا۔ چنانچہ مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب اس واقعہ کو لکھکر فرماتے
ہیں کہ "یہ کلام اور یہ چلن ایک جھوٹے مدعی رسالت کا نہیں ہو سکتا"
اور کہتے ہیں کہ "لوتھر کا قول ہے کہ اگر ان کیڑوں مکوڑوں میں اسیقدر
شیطان ہوتے جتنی کہ مکانوں پر کھپریلیں ہیں تب بھی میں خدا پر ایسا ہی بھروسہ
رکھتا" لوتھر کو قرآن سے بھی کچھ واقفیت تھی۔ مگر اسیقدر کہ جس سے اُسے بُرا
کہہ سکے۔ پس اگر اُسکو یہ معلوم ہوتا کہ مندرجہ بالا سوال کا بعینہٖ یہی جواب نبی
عربی نے پہلے ہی دیدیا ہے تو کیا وہ محمد کی صداقت اور خلوص نیت کا
معترف نہ ہوتا؟ اور اگر وہ اُسے اپنا بھائی جانکر خیر مقدم نہ کہتا تو بلحاظ ایک
اعلیٰ درجہ کا شخص ہونیکے تو ضرور عزت کی نظر سے دیکھتا +

اب ابوطالب کا حال سنئے کہ آپ کے اس ارشاد کا اثر انکی طبیعت
پر ایسا ہوا کہ انہوں نے بے اختیار ایک کہن سال جوانمرد عرب کے ملفظ سے
کہا "اِذْهَبْ يَا ابْنَ اَخِيْ فَقُلْ مَا اَحْبَبْتَ فَوَاللّٰهِ لَا اُسَلِّمُكَ لِشَيْءٍ اَبَدًا"
یعنی اے فرزند برادر سدھارو اور جو بات تمکو محبوب و مرغوب ہے بیدھڑک

+ دیکھو باسورتھ سمتھ صاحب کی کتاب محمد ایند محمدن ازم لکچر دوم صفحہ

کہے جاؤ۔ مجکو قسم ہے خدا کی کہ میں تمکو ہرگز کسی شے کے لیے بھی دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں میں نہ سونپوں گا" چنانچہ اُس بزرگوار نے اخیر دم تک ایسا ہی کیا بھی۔ لیکن افسوس ہے کہ لوگوں نے ایسے ناصر دین خدا اور محافظ و مصدق رسول اللہ کے ایمان میں گفتگو کی ہے اور اُسکو کافر بتایا ہے۔ مگر اپنا تو یہ عقیدہ ہے کہ اگر کافر ایسے ہی شخص کو کہتے ہیں تو کاش ایسا کافر میں ہوتا تاکہ بقدر اپنی طاقت و قدرت کے اپنے مظلوم رسول کی خدمت و نصرت کرتا۔ اور میرے اس کام میں مجکو کوئی کافر کہنا خواہ مسلمان۔ مگر میں اپنے خدائے رحیم و کریم سے یہی کہتا ہوں

اگر خدمتم رد کنی ور قبول	من و دست و دامان پاک رسول

یہ جملہ تو معترضہ تھا۔ مگر قریش کی حماقت کو سنئے کہ جب اُنہوں نے دیکھا کہ ابوطالب رسول خدا صلعم کی نصرت و حمایت سے ہاتھ اٹھا لینا نہیں چاہتے۔ تو اپنی قوم کے ایک رئیس زادہ کو جو بہت وجیہہ اور خوش نما تھا ساتھ لیکر اُنکے پاس گئے اور کہا کہ اسکو فرزندی میں لے لیجئے یہ تمہارے بڑھاپے کا سہارا ہوگا۔ اور اسکے عوض اپنے اس بھتیجے کو جس نے تمہاری قوم میں پھوٹ ڈالدی ہے اور ہمارے بڑے بڑے عقلمندوں کو پاگل اور احمق بتاتا ہے ہمکو سپرد کر دیجئے تاکہ قتل کر ڈالیں۔ اس نامعقول درخواست کا جواب بجز انکار کے کیا ہو سکتا تھا۔ پس اُس بزرگوار نے تلخ و تند جواب دیکر اُنکو رخصت کر دیا۔ اور یہ دیکھکر کہ کفار آپکے قتل پر تلے ہوئے ہیں اپنے قبیلہ کے لوگوں کو آپ کی نصرت و حمایت کیلئے اُبھارا چنانچہ ابوطالب کے سوا جو اسلام و بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نہایت ہی جلا ہوا تھا تمام بنی ھاشم بالاتفاق آپ کی نصرت و حمایت کے لئے کھڑے ہو گئے

اَب قریش کا غیظ و غضب بڑھتا جاتا تھا اور اگرچہ حضرت ابوطالب اور اور
اعیان بنی ھاشم کے رعب سے آپکے قتل کی جرات نہ کر سکے مگر آپ کو اور آپکے
اصحاب کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے لگے۔ چنانچہ جہاں آپ جاتے وہیں وہ
بھی پہنچتے اور نماز میں مصروف دیکھتے تو پتھر مارتے اور ناپاک و نجس چیزیں لاکر
آپ پر ڈالدیتے تھے۔ حرم کعبہ میں نماز پڑھنے اور آنے جانے میں سخت
مزاحم ہوتے! اور قرآن مجید کو پڑھتے سُنکر غل مچاتے اور اُسکے الفاظ میں اپنے
لفظ ملادینے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ایکروز جب آنحضرت حسب معمول
نماز میں سورۂ والنجم پڑھتے ہوئے اس آیت پر پہنچے "اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ
الْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى" تو شیاطین قریش میں سے ایک
شیطان نے اس خیال سے کہ مبادا آگے ہمارے بتوں کی ہجو کریں یہ
شیطانی کلمات کہدیئے "تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى - وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ
لَتُرْتَجٰى" جس سے سامعین کو دھوکا ہوا کہ (معاذ اللہ) آپ لات و عزیٰ کی
تعریف فرماتے ہیں۔ آپ کے کھانا پکنے کی ہنڈیا میں اونٹ کی اوجھڑی
کے ٹکڑے لاکر ڈالدیتے تھے۔ راستہ چلنے میں سر مبارک پر خاک مٹی اور کوڑا
کرکٹ پھینکتے اور مرا بھلا کہتے تھے اور بعض روسیاہ تو مونہہ در مونہہ بد زبانی و
دشنام دہی کرنے میں بھی دریغ نہ کرتے تھے! اور مرد ہی نہیں بلکہ بعض بیحیا
عورتیں بھی ان افعال قبیحہ کی مرتکب ہوتی تھیں۔ چنانچہ ابولہب کی جورو
اُمِّ جمیل جو آپ کی ہمسایہ تھی ہمیشہ ناپاک چیزیں اور کانٹے لاکر آپکے رستہ میں ڈالدیتی
اور اس طرح پر اپنے حق میں گویا آپ کانٹے بوتی تھی اور آپ سب کچھ برداشت

کرتے اور فرماتے کہ تم کیا اچھے میرے ہمسایہ ہو۔ کفار کو آپکا صحیح طور پر نام تک
لینا گوارا نہ تھا اور محمد کی جگہہ مُذمّم کہتے تھے! اور باہم نہایت سخت عہد
کر لیا تھا کہ کوئی شخص آپ کے پاس نہ بیٹھے اور نہ آپکی بات سُنے! چنانچہ ایکروز
عُقبہ بن مُعَیط نامی ایک کافر جو آپ کے پاس آن کر بیٹھا اور قرآن مجید کو
سنا تو اُسکے دوست اُبَی بن خلف نے اُس سے کہا کہ مینے سنا ہے کہ تو
محمد کے پاس جا کر بیٹھا۔ اور اُسکی باتین سنین۔ مجکو تیری صورت دیکھنی
اور تجھسے بات کرنی حرام ہے۔ اور مین اپنی قسم کو زیادہ سخت کرونگا اگر تو اب
گیا۔ اور اُس پاس بیٹھا اور اُسکی بات سُنی۔ کیا تجھسے یہہ نہو سکا کہ اُسکے مونہہ
پر تھوک دیتا! چنانچہ اُس دشمن خدا یعنی عقبہ نے ایسا ہی کیا!![۵۱] الغرض
ایذا رسانی و تکلیف دہی کا ایک سلسلہ قائم کر لیا تھا اور یہہ عہد کر لیا تھا کہ جہانتک
ممکن ہو آپکو اور آپکے اصحاب کو تکلیف دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں چنانچہ
اُن بیچارے مسلمانون کو جنکا کوئی حامی و مددگار نہ تھا مشکیں باندھکر اول خوب
مارتے۔ اور پھر ٹھیک دوپہر کی تیز و تند دُھوپ میں اُس جلتی بلتی زمین پر
جسکا نام رَمضا ہے بھوکا پیاسا کبھی اوندھا اور کبھی سیدھا لٹا دیتے
اور بڑے بڑے بھاری پتھر چھاتی پر رکھدیتے جنکے بوجھ کے مارے زبان
باہر نکل پڑتی اور کہتے کہ یا تو محمد اور اُسکے خدا کو گالیاں دو! اور ہمارے
بتوں کی تعریف اور اُنکے پوجنے کا اقرار کرو ورنہ اسی طرح عذاب دے دیکر
مار ڈالینگے۔ پس کوئی تو تکلیف کے مارے جو کچھہ وہ کہلاتے کہہ دیتا اور جان

[۵۱] دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۳۸) مولف عفی عنہ

بچالیتا۔ مگر دل سے اپنے ایمان پر قائم رہتا۔ اور کوئی تکلیف و اذیت
کی کچھ پروا نکرتا۔ اور ہر حال میں شکر خدا بجالاتا۔ اور اسی تکلیف اور عذاب
کی حالت میں جان سے گزر جاتا۔ چنانچہ حضرت عمّار اور اُنکے والد یاسر
اور والدہ سُمیّہ کا یہی حال ہوا۔ اس عفیفہ کو بدبخت ابوجہل نے جس
عذاب سے مارا ہے اُسکے لکھتے ہوئے قلم کو لرزہ ہوتا ہے۔ یعنی
اُس ظالم نے جب حضرت یاسر کو نہایت درجہ تکلیف و اذیت دی اور
اسپر سُمیّہ نے اُسکو بُرا بھلا کہا تو اُس بے حیا نے طیش میں آکر حربہ جو اُسکے
ہاتھ میں تھا اُس پاکدامن بی بی کی شرمگاہ میں مارا۔ اسلام میں یہ اول شہید
تھی جسنے اپنے ایمان پر اپنی جان کو قربان کر ڈالا۔ یاسر کو بھی دکھ پا پا کر
داخل جنت ہوئے۔ عمار کی شکیں باندھکر کبھی مکہ کی جلتی ریتلی اور
پتھریلی زمین پر ڈالدیا جاتا اور چھاتی پر ایک بھاری پتھر رکھدیا جاتا تھا۔ اور کبھی
پانی میں غوطے دیئے جاتے تھے۔ مگر اُسکا دل بدستور ایمان باللہ و ایمان
بالرسول میں ڈوبا رہتا تھا۔ یہ بزرگوار ایسا پکا اور سچا ایمان دار و جان نثار
تھا کہ کسی ایک لڑائی میں بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلام کے
بچاؤ کے لئے دشمنانِ دین سے پیش آئی آپکی رکاب سعادت انتساب
سے جُدا نہیں ہوا اور جناب مرتضوی کو جو معرکے پیش آئے اُنمیں بھی برابر
موجود رہا۔ چنانچہ جنگ صِفّین میں جو مُعاویہ بن ابُوسفیان کے
ساتھ ہوئی تھی جو اسّی برس کے سن میں نوجوانوں کی سی حرب و ضرب
کے بعد باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوا اور اس طرح پر اُس پیشین گوئی کی

تکمیل و تصدیق ہوئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الہام الٰہی کے
ذریعے اب سے مدتوں پہلے خود عمار کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ "مژدہ ہو
تجکو اے عمار کہ تو گروہ باغی کے ہاتھ سے شہید ہوگا"[۵۱] یہی حال خبّاب
بن ارت کا تھا کہ ننگا کر کے نہایت گرم زمین پر ڈالدیا جاتا۔ اور آگ سے گرم
کی ہوئی پتھر کی بڑی بڑی کتلیں چھاتی پر رکھدی جاتیں اور سر کے بال کھینچ کھینچکر
گردن مڑوڑی جاتی۔ مگر اُسکو ان تکلیفوں کی سر مو پروا نہ تھی۔ اسکے سوا کوئی
معرکہ ایسا نہ تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنانِ خدا سے پیش آیا ہو
اور یہ اُسمیں غیر حاضر رہا ہو۔ صُہیب بن سنان کی مصیبت بھی کچھ کم نہ تھی
مگر اُسنے بھی ایمان کے مقابلہ میں اُسکو ہیچ جانا۔ اور ہجرت کے لئے جب طیار
ہوا اور قریش نے قید کر لیا تو جو کچھ مال و زر پاس تھا سب انکو دیدیا اور وطن
کی محبت پر خاک ڈالکر مدینہ کو چلا گیا۔ بلال بن رباح کی برداشتِ مصائب
بھی کچھ کم تحسین و آفریں کے لایق نہیں۔ اور یہ بھی تمام مشاہد و معارک میں
جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر رہا۔ عامر بن فُہیرہ نے بھی نہایت
سخت اذیتیں اُٹھائیں۔ اور یہ ایسا مستقیم العقیدہ اور پکا ایماندار تھا کہ جب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے ظلم و ستم سے مجبور ہو کر ترک وطن فرمایا تو یہ
بھی رفیقِ سفر میں برابر خدمت کرتا گیا۔ اور بدر و احد کی سخت خونریز لڑائیوں میں
جنمیں ہزاروں مشرکین بڑے کروفر سے اسلام کی قطعی بیخ کنی کے لئے
مکہ سے چڑھکر آئے تھے نصرتِ دینِ حق میں جسم و جان سے مصروف رہا۔

---

[۵۱] دیکھو کتاب جامع ترمذی باب مناقب عمار بن یاسر اور کتاب جامع بخاری باب تعاون فی بناء المسجد

اور جنگ بیر معونہ میں جب عین شباب میں نیزہ کھاکر شربت شہادت سے سیراب ہوا تو یہ ایمان و ایقان میں ڈوبے ہوئے الفاظ زبان پر تھے۔
"فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ" یعنی قسم ہے خدا کی کہ میں اپنے مقصود کو پہونچگیا۔
اَبُوْفُکَیْہَہ جو اسم بامسمیٰ افلح تھا اُس مظلوم کی کیا کہوں کہ اگرچہ پاؤں میں رسّی باندھکر مکّہ کی انگاریوں جیسی گرم پتھریوں پر گھسیٹا جاتا تھا مگر اُسکے پائے ثبات کو مطلق لغزش نہ تھی۔ اور ہر چند گلا گھونٹ گھونٹ کر ادھوا کر دیا جاتا! اور ایک ایسا بھاری پتھر چھاتی پر رکھدیا جاتا تھا کہ بوجھ کے مارے زبان باہر نکل پڑتی تھی اگر کیا ممکن کہ کوئی کلمہ خلاف ایمان مونہہ سے نکلے۔

یہ حال تو دنیدار مردوں کا تھا جو مثالاً ہمنے بیان کیا۔ لیکن ناانصافی ہوگی اگر اُن راسخ الایمان عورتوں کا ذکر نہ کریں جو باوجود اپنے قدرتی ضعف خلقت کے ایسے مصائب و شدائد کی متحمل ہوئیں جو بڑے سے بڑے قوی الجثہ مردوں سے بھی اُنکا تحمل قریب بہ محال ہے۔ چنانچہ حضرت عمّار کی والدہ کا دردناک حال تو ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ مگر لُبَیْنَہْ۔ زِنِّیْرَہْ۔ نَھْدِیَہْ۔ اور اُمِّ عُبَیْس کی مصیبتیں بھی کچھ کم افسوس کے لایق نہیں۔ یہ چاروں بیچاری لونڈیاں تھیں اور اِن کے سنگدل آقا صرف اِس گناہ پر اُنکو عذاب اور تکلیفیں دیتے تھے کہ پتھر اور لکڑی کے بیجان بتوں سے مونہہ موڑکر خدائے حی و قیوم پر ایمان لاتی تھیں چنانچہ اور تو اور خود عُمَرِ فاروق۔ لُبَیْنَہْ کو اسقدر مارتے تھے کہ جبتک تھک نہ جاتے چھوڑتے نہ تھے! اور کہتے کہ مینے تجھے چھوڑا نہیں بلکہ تھک کر ٹھیر گیا ہوں۔ جسکا اُس مظلومہ نے یہ جواب دیا کہ اسی طرح خدا بھی تیرے ساتھ کریگا اگر

تو مسلمان ہوا۔ اسیطرح زنّیرہ کو بدبخت ابوجہل نے اس قدر ایذا دی کہ وہ اندھی ہوگئی! اوجب اُسنے جانا کہ وہ اندھی ہوگئی تو کہا کہ لات و عُزّیٰ نے تجھے اندھا کردیا۔ اُس نے کہا کہ لات وعُزّیٰ کو تو خود نہیں سوجھتا کہ اُنکو کون پُوجتا ہے۔ مگر یہ ایک آسمانی امر ہے اور میرا خدا قادر ہے کہ پھر میری آنکھوں میں روشنی دیدے۔ نَھْدِیَّہ بنی عَبْدُالدّار میں سے ایک عورت کی لونڈی تھی اور وہ کمبخت اِس بیچاری کو سخت تکلیفیں دیا کرتی اور کہتی کہ اِسی طرح کیے جاؤنگی جبتک کہ اصحاب محمد میں سے کوئی تجکو خریدنے! ایسے ہی اُمّ عُبَیْس اسود بن عبد یَغُوْث نامی ایک شقی کی ملوکہ تھی اور وہ روسیاہ اُسکو نہایت ستاتا اور وہ بیچاری اپنے ایمان کی خاطر سب تکلیفیں اور اذیتیں سہتی تھی + اللہ اکبر کلام الٰہی کے وعظ نے کسقدر روحانیت دلوں میں پھونک دی تھی کہ مرد تو مرد دیندار عورتیں ایمان و آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے ہر قسم کے آرام و آلام کو محض ہیچ و پوچ سمجھتی تھیں اور گویا بہشت و دوزخ دونوں اُنکی آنکھوں کے سامنے تھے جو ایمان و کُفران کا واقعی اور لازمی نتیجہ ہیں۔ اور بہشت و قرب خداوندی کے شوق اور جہنم اور بُعدِ بارگاہ صمدی کے خوف نے حیات دنیوی کی ہر ایک حالت اُنکی نظر میں حقیر و بے اعتبار کردی تھی جس سے راہ خدا میں تکلیف کو بھی راحت ہی سمجھتے تھے۔

+ دیکھو تاریخ ابن ھشام صفحہ (۲۰۵-۲۰۷) و تاریخ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۲۶-۲۸- مولف

الغرض کفار ناہنجار مومنان دیندار اور خود رسول مختار کو تکلیفیں پہنچانے میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فروگذاشت نکرتے تھے۔ اور آپ اور آپ کے ثابت قدم اصحاب مصائب و متاعب کا تحمل ایسے صبر و استقلال سے کرتے تھے جو مخصوصانِ درگاہ و خاصانِ حضرت الٰہ کے سوا ہرگز ممکن نہیں ہے

اب ہم ناظرین سے یہ التماس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ حضرت محمد کی بن عبداللہ کے ان حواریوں کے مصائب و تکلیفات کا جناب ابن مریم کے اُس حواری کے مصائب و تکلیفات کے ساتھ موازنہ و مقابلہ کریں جو کارنتھیوں کے نام کے دوسرے خط کے گیارھویں باب میں فخر کے طور پر لکھتا ہے کہ "میں نے یہودیوں سے پانچ بار ایک کم چالیس کوڑے کھائے۔ ایکدفعہ سنگسار کیا گیا۔ تین مرتبہ جہاز ٹوٹ جانیکی بلا میں پڑا۔ ایک رات دن سمندر میں کاٹا۔ میں اکثر سفروں میں۔ دریاؤں کے خطروں میں۔ چوروں کے خطروں میں۔ جھوٹے بھائیوں کے خطروں میں۔ محنت و مشقت میں۔ اکثر بیداریوں میں۔ بھوک اور پیاس میں۔ اکثر فاقوں میں۔ سردی و برہنگی میں رہا ہوں" اور دیکھیں کہ کس کے مصائب شدید تر ہیں اور صبر و ثبات میں کون زیادہ ہے۔ اور غور کریں اور سمجھیں کہ جو شخص ان عاشقانِ خدا کا سردار و قافلہ سالار تھا اور جسکے فیضانِ صحبت و اثرِ تربیت سے یہ ہمیشال دولت انکو حاصل ہوئی تھی وہ کیسا تھا اور اگر نہ سمجھ سکیں تو خیر ہم ایک ایسے حق گو عیسائی فاضل کی زبان سے سمجھا دیتے ہیں۔ جو اپنی اعلیٰ لیاقتوں اور علم و فضل کی وجہ سے تمام یوروپ کا مانا ہوا ہے

یعنی مسٹر کارلائل صاحب مرحوم۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ "پس ہم محمد کو ہرگز یہ خیال نہیں کر سکتے کہ وہ صرف ایک شعبدہ باز اور تہی باطن شخص تھا اور نہ ہم اُسکو ایک حقیر جاہ طلب اور دیدہ و دانستہ منصوبے گانٹھنے والا کہہ سکتے ہیں۔ جو سخت و کرخت پیغام اُسنے دنیا کو دیا بہرحال وہ ایک سچا اور حقیقی پیغام تھا اور اگرچہ وہ ایک غیر مرتب کلام تھا مگر اُس کا مخرج وہی سچی تھی جسکی تھاہ کسی نے بھی نہیں پائی۔ اس شخص کے نہ اقوال ہی جھوٹے تھے نہ اعمال ہی اور نہ خیالی امصداقت یا کسی کی نقل و تقلید تھے۔ حیات ابدی کا ایک ورانی وجود تھا جو قدرت کے وسیع سینہ میں سے دنیا کے منور کرنے کو نکلا تھا اور بے شبہ اُسکے لئے امر ربانی یوں ہی تھا"*

مشرکین اپنی کامیابی کے لئے ایک ہی قسم کے ہتھیاروں کا استعمال نکرتے تھے۔ بلکہ جب دیکھتے تھے کہ درشتی و شدت سے مدعا حاصل نہیں ہوتا تو نرمی و ملائمت کو کام میں لاتے اور دوستی و غمخواری کے لباس میں دشمنی کا اظہار کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک روز شیاطین قریش میں سے ایک شیطان جو بڑا ذی وجاہت اور صاحب مال و منال تھا اپنے گروہ کے اشارہ سے آپ کے بہکانے کو آیا۔ اور خلاف معمول نہایت ملائمت اور شیریں کلامی کے ساتھ بولا "اے فرزند برادر تم صاحب اوصاف جمیلہ اور عالی خاندان ہو پھر کیا سبب ہے کہ ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتے اور اُنکی پرستش کی وجہ سے ہمکو احمق اور پاگل بتاتے اور ہماری قوم میں پھوٹ ڈالدی

* دیکھو کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ لکچر دوم صفحہ (۴۳) مولف عفی عنہ

میں کوشش کرتے ہو۔ کیا اس سے یہ مقصود ہے کہ کسی حسین و جمیل
عالی خاندان عورت سے تمہاری شادی ہو جاوے؟ اگر یہی مدعا ہے
تو جسکو تم پسند کرو ہم اُس سے ابھی تمہارا نکاح کر دیتے ہیں۔ اور اگر مال و زر
مطلوب ہے؟ تو اسقدر جمع کر دیتے ہیں کہ سب سے زیادہ تم دولتمند ہو جاؤ
اور اگر حکومت و سرداری کی تمنا ہے؟ تو تمکو اپنا سردار بلکہ بادشاہ بنا لیتے
ہیں۔ اور اُسی طرح اطاعت و فرمانبرداری کرینگے جس طرح بادشاہوں کی
کیجاتی ہے۔ اور اگر کسی جن یا بھوت کا سایہ ہو گیا ہے اور اُسکے وغیرہ سے
عاجز ہو؟ تو کسی معالج کو لے آتے ہیں تاکہ تمکو تندرست کر دے" یہ
کہکر جب وہ چپ ہوا تو آپ نے پوچھا کہ بس کہہ چکا۔ اُسنے کہا کہ ہاں۔ پس آپنے
فرمایا کہ اچھا بیٹھ جا اور سُن۔ اور قرآن مجید کی یہ آیتیں ارشاد کیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ
كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ
فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۔ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ
مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ
اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ لَا
يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۔ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ
خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۗ ذٰلِكَ رَبُّ

الْعٰلَمِيْنَ - وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا
فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ - ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِيَ
دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ
فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ
وَزَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ -
فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ -

یعنی یہہ کلام جو ہمارا رسول تمکو سُناتا ہے خدائے رحمن ورحیم سے اُسپر
نازل ہوا ہے - کتاب ہے کہ جسکی آیتوں کی خوب تفصیل کی گئی ہے
(یعنی حق و باطل اور واجب و ناواجب اور جائز و ناجائز اور حلال وحرام وغیرہ
کو اُسمیں خوب کھلا کھلا بیان کیا گیا ہے) پڑھنے کی چیز عربی زبان
کی اُن لوگوں کے لئے جو اُس زبان کو جانتے ہیں (یعنی عربی میں اسلئے
نازل کی گئی ہے کہ اُس سے استفادہ کرنے میں ناآشنائی زبان کا عُذر
نکر سکیں) خوشخبری دینے والی اور ڈرانے والی (یعنی خدا کی توحید اور
حیات آخرت پر ایمان لانے والوں کے لئے بہشت جاودانی اور لقاے ربانی
کی خوشخبری دینے والی - اور اُس سے انکار کرنے والوں کے لئے جہنم ابدی
وحرمان سرمدی سے ڈرانے والی، پھر بھی اُس قوم کے اکثر لوگوں (اہل مکہ)
نے مُونہہ پھیر لیا - پس وہ نہیں سُنتے (یعنی باوجود ان خوبیوں کے اس
کلام پاک پر غور کرنے اور خدا اور آخرت پر ایمان لانے سے ایسا مونہہ پھیرا یا
کہ گویا سنا ہی نہیں) اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل تو غلافوں کے اندر ہیں اُس

چیز سے جسکی طرف تمکو تو بلاتا ہے اور کانوں میں ثقالت اور بہرا پن ہے
(یعنی دلوں کے موٹے موٹے پردوں کے اندر اور کانوں کے بالکل بہرا ہونے
کی وجہ سے اس کلام کا اثر ہم تک پہنچ ہی نہیں سکتا) اور ہمارے اور تیرے
بیچ میں تو ایک آڑ ہے (یعنی نہ ہم تیری طرف آسکتے ہیں اور نہ تو ہماری جانب
یعنی نہ ہم تیرا دین قبول کرسکتے ہیں اور نہ تو ہمارا) پس جو تیرا بس چلتا ہے وہ
تو کر۔ بیشک جو ہمسے ہوسکیگا وہ ہم کرینگے۔ کہدے (اے ہمارے رسول)
کہ گو میں بھی صرف تمساہی ایک آدمی ہوں مگر میرے دل میں ڈالا گیا ہے
(کہ تمکو سمجھاؤں) کہ تمہارا خدا وہی خدائے یکتا ہے۔ پس اُسکی طرف سیدھے
ہوجاؤ اور گناہوں کی معافی اُس سے مانگو۔ اور وائے برحال ان مشرکوں
کے کہ خیرات نہیں دیتے اور (معذالک) یہی لوگ ہیں جنکو آخرت کا بھی انکار
ہے۔ کچھ شک نہیں ہے کہ جو لوگ توحید اور آخرت پر یقین کرتے اور
اعمال صالحہ بجالاتے ہیں اُنکے لئے اسکا غیر منقطع صلہ مقرر ہے (یعنی جو لوگ
توحید اور آخرت پر یقین رکھنے کے ساتھ مشرکوں کے چلن کے برخلاف فقراء و مساکین
کو صرف خدا کے لئے خیرات دیتے ہیں وہ اپنے ان نیک عملوں کا ایسا صلہ

+ لفظ زکوٰۃ کا ترجمہ خیرات رہنے اسلئے کیا ہے کہ ہمارے نزدیک یہاں اصطلاحی معنی لینے
معقول نہیں ہیں گو کہ اکثر مفسروں نے یہی معنی لئے ہیں اور اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے
کہ کفار بھی احکام شرعیہ کے مخاطب ہیں۔ کیونکہ یہ مشرکین مکہ خدا کے وجود ہی کے قائل
نہ تھے اور نہ قرآن مجید کو کلام الٰہی جانتے تھے۔ تو کسی حکم شرعی کی عدم بجاآوری پر انکو ملامت
کرنا ظاہر معقول نہ تھا۔ (مولف عفی عنہ

پائیں گے جو دائمی اور حقیقی راحت ہوگا) پوچھ (اے ہمارے رسول اِن کافروں سے)
کہ کیا تم اُسکا انکار کرتے ہو؟ جسنے زمین سی چیز کو صرف دو دن میں پیدا
کردیا۔ اور اُسکے لئے ہمسر تجویز کرتے ہو! (دیکھو) یہ ہے مالک اور پروردگار
تمام عالم اور اہل عالم کا (یعنی نہایت تعجب ہے کہ تم اُس کی اطاعت کا انکار
کرتے ہو جسکو یہ قدرت ہے کہ زمین سی بڑی اور انواع واقسام کی مخلوقات
سے بھری ہوئی چیز کو صرف دو روز میں پیدا کردیا۔ اور زیادہ تر تعجب یہ کہ زمین کی
پیدائشی چیزوں کو اُس کا ہمسر بناتے ہو جو خود زمین اور تمام جہان کا خالق اور مالک ہے)
اور بنائے اُس میں مستحکم اور ناقابل جنبش پہاڑ اُسکی اوپر کی طرف اور برکت
دی اُسمیں اور ٹھہرائی اُسمیں مختلف قسم کی روزی اُسکے رہنے والوں کی
چار دن میں برابر سب مانگنے والوں کے لئے (یعنی زمین اور پہاڑ وغیرہ سب
چار دن میں بنادیئے اور سب اہل زمین کی روزی ٹھیک اندازہ کے ساتھ مقرر
کردی پھر متوجہ ہوا اوپر والی چیز کی طرف اور وہ (اُسوقت) دھواں سا
تھی۔ پھر فرمایا اُسکو اور زمین کو کہ حاضر ہو بخوشی یا بمجبوری۔ دونوں نے
عرض کیا کہ ہم سب بخوشی حاضر اور مطیع ہیں (یعنی آسمان وزمین اور تمام مخلوقات
نے جو اُنکے اندر ہے اطاعت وفرماں پذیری کا اظہار کیا۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ معمولی طور
سے یہ خطاب وجواب تھا۔ نہیں۔ بلکہ آسمان وزمین اور تمام مخلوقات کی فطری اور
طبعی حالت کا بیان ہے جو نہایت درجہ کے بلیغ طور پر فرمایا گیا ہے) پھر قرار دیا
اُنکو سات آسمان دو دن[۵۱] میں۔ اور القا کیا ہر ایک اوپر والی چیز میں اُسکا کام

[۵۱] جیسا کہ توریت کی کتاب پیدائش کے شروع میں ہے قرآن مجید میں بھی متعدد

(یعنی آسمانوں اور ستاروں وغیرہ کا جو جو کام تھا وہ اُنکی فطرت میں ڈالدیا) اور سجایا
ہمنے سب سے نزدیک اوپر والی چیز کو چراغوں کے ساتھ اور خوب محفوظ
کردیا (دیکھو) یہ ہے اندازہ کرنا خدائے غالب اور ہر ایک چیز کے پیدا
کرنے کی مصلحت کے جاننے والے کا۔ پھر اگر اب بھی نہ مانیں اور سونہ
پھیر لیں تو کہدے (اے ہمارے پیغمبر ان کافروں کو) کہ میں تم کو خبردار
کرچکا مدہوش اور ہلاک کردینے والی بلا سے جیسی کہ قوم عاد و ثمود کی بلا تھی
(یعنی اگر باوجود دیکھنے ان صفات جلال و کمال کے پھر بھی خدا اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے
تو ایسے عذاب کی برداشت کے لئے تیار ہوجاؤ جیسا کہ قوم عاد و ثمود پر نازل ہوا تھا)

آیتوں میں زمین و آسمان وغیرہ کے چھ دن میں بنانے کا ذکر آیا ہے اور جسطرح کہ یہودی
اور عیسائی علما اسکو بطور اخبار کے سمجھتے تھے قرآن مجید کے اکثر مفسرون نے بھی اسکو
اخبار ہی سمجھا ہے اور جسطرح کہ عیسائی علمانے ناقابل تردید علمی اعتراضوں کی وجہ سے
ہر ایک دن کی مقدار ہزار ہزار برس کی قرار دی اور آخر کار دن کے معنی ایک
زمانہ کے لئے جسکی مقدار مقدر نہیں کی۔ اُسی طرح ہمارے مفسرین نے بھی کہا کہ
ایکدن دنیا کے ہزار برس کے برابر تھا۔ اور بعضوں نے دن سے ایک حالت اور
ایک زمانہ مراد لیا۔ مگر امر محقق یہ ہے کہ دنیا کا چھ دن میں پیدا کرنا نہ بطور اخبار کے ہے
نہ کلام مقصود بالذات بلکہ خدا تعالیٰ نے مخاطبین کے اعتقاد کو بطور نقل تسلیم کرکے
اُسپر دلیل قایم کی ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ مشرکین مکہ اور اہل کتاب نے اسکا انکار
نہیں کیا۔ اور اس میں ایک یہ نکتہ بھی ہے کہ کسی چیز کا بتدریج بنانا اسی شخص سے
ممکن ہوتا ہے۔ جو اپنی مرضی اور اختیار سے بنائے۔ پس یہ خداوند تعالیٰ کے
کمال قدرت اور اختیار کی دلیل ہے۔ ورنہ وہ ایک آن واحد میں یہ سب
کچھ بنا سکتا تھا۔

مؤلف عفی عنہ

سبحان اللہ قرآن مجید کی حقیقت و ماہیت اور اسکی صفات اور
کافروں کے جحد و انکار اور عناد و لداد اور اپنے رسول کے صاحب الوحی
اور اپنے یگانہ و مستحق پرستش اور غافر الذنوب ہونے۔ اور اشراک باللہ و
بخل فی سبیل اللہ اور انکار آخرت کے نتائج قبیحہ۔ اور اپنی ذات مقدس کی وحدانیت
و یگانگی۔ اور حیات آیندہ پر یقین کرنے اور خالصاً للہ مال خرچ کرنے والوں کے
اجر و انعام کو کس بلیغانہ طور پر بیان فرمایا ہے اور کافروں کی سفاہت عقل و نادانی
اور اپنے وجود باجود اور صفات سراسر خیر و محمود پر صحیفہ قدرت کی آیات بینات
سے جو بقول سید الحکماء میر محمد باقر داماد "مصحف فعلی خدا کا ہے"
کما فی کتابہ المسمی بہ جذوات کس حکیمانہ طرز و اسلوب سے استدلال
کیا ہے کہ ہر ایک درجہ کے اشخاص کے معقول کرنے اور یقین دلانیکے لئے
ایسی صریح و قوی حجت ہے کہ جس سے بڑھکر ہو نہیں سکتی۔ چنانچہ معلولات
کے وجود سے اول اپنے علت العلل ہونیکو ثابت کیا ہے اور پھر اپنے افعال
و احکام کی بے واسطہ و بالواسطہ دلالت سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ذات
مقدس ہر ایک امر کے ایجاد و اختراع اور کرنے اور نہ کرنے پر بالذات قادر
ہے۔ اور یہ کہ اُسکے تمام افعال معلل باغراض صحیحہ و مبنی بر مصالح ہیں اور یہ کہ
وہ جیتا جاگتا اور دیکھتا اور سنتا ہے اور جہان کے ذرہ ذرہ کو یہانتک کہ ہمارے
دلوں کے بھید کو بھی جانتا ہے اور وہی تمام عالم کا سہارا اور اُسکے قیام کا باعث
ہے۔ چنانچہ اپنے افعال کی صحت سے اپنے قادر بالذات ہونے کو ثابت کیا ہے
اور اپنے احکام کی درستی کو اپنے عالم بالمصالح ہونے کی دلیل گردانا ہے اور

اپنے قادر و عالم ہونے کو اپنے حی و قیوم اور سمیع و بصیر ہونے کی حجت قرار دیا ہے۔ اور ان مطالب عالیہ کو جنکی بڑی سے بڑی کتابیں بھی مشکل متحمل ہوسکتی ہیں باوجود غایت درجہ کے ایجاز و اختصار کے ایسی نظم و ترتیب اور سلاست و وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عقلاً معارضہ ناممکن ہے۔ پس دیکھو خدایا نبی اُمّی کے کلام کی خوبی کو کہ باوجودیکہ نہ منطق ہے نہ فلسفہ۔ مگر بایں ہمہ وہ خدائی منطق اور فلسفہ ہے کہ جسکا استعمال صرف اُسی سے ممکن ہے کہ جسنے انسان کو بولنا اور کلام کرنا سکھایا مگر واے برحال اس ظلوم و جہول پتلے کے کہ بایں ہمہ کبھی کوئی بدبخت اپنی جہالت و نادانی سے اُسکے وجود باجود کا انکار کرتا ہے۔ اور کوئی اُسکی مخلوقات میں سے کسیکو اُسکا شریک و ہمسر بناتا ہے۔ اور کوئی اُسکے کلام پاک کو سنکر تیوری چڑہاتا اور مونہہ تھتاتا۔ اور پیٹھ پھراتا اور مال و دولت اور اولاد و احفاد کی کثرت کے گھمنڈ پر یہہ کہدینے کی جرأت کرتا ہے "اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ"[۵۱] اور اُس مالک الملک سے قہر و غضب کی آگ سے جسکی تیزی و تندی کو دنیا کی کوئی آگ بھی نہیں پہنچ سکتی نہیں ڈرتا۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

الحاصل آپ نے اُس مغوی کی چکنی چپڑی باتوں پر کچھہ بھی التفات نفرمایا اور اُسکو اُسی طرح مایوس کردیا جس طرح حضرت مسیح نے اُس شیطان کو ناامید

---

[۵۱] مشرکین مکہ میں سے ایک مشرک کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ مدثر میں ہے۔ ۱۲ مولف عفی عنہ

کر دیا تھا جو اُنکے بہکانے کو آیا تھا* مگر افسوس ہے کہ اس تدبیر کی ناکامیابی
نے مشرکوں کو مظلوم مسلمانوں کی تکلیف دہی پر پہلے سے بھی زیادہ آمادہ
کر دیا۔ اور مجبوری آپکو اپنے ستم رسیدہ اصحاب کو چندے ملک حبش میں
جا رہنے کی ہدایت فرمانی ضرور ہوئی۔ چنانچہ سب سے پہلے پندرہ شخص اپنے
پیارے وطن اور خانماں سے دست بردار ہو کر وہاں چلے گئے۔ اور اُنکے
بعد اور بہت سے مرد اور عورتیں جنہوں نے راہ خدا میں بڑی بڑی
سختیاں اُٹھائی تھیں۔ اور جنکی تعداد قریب اکیسو کے تھی اُنکے شریک ہو گئے
مگر دشمنوں نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور بہت سے تحائف لیکر بادشاہ حبش
کے پاس جو عیسائی تھا گئے۔ اور کہا کہ ان فراریوں کو جو اپنے آبائی دین سے
پھر گئے ہیں ہمکو سپرد کر دیجئے! چنانچہ اُسنے مسلمانوں کو بُلا بھیجا اور پوچھا کہ
وہ نیا دین کیا ہے؟ کہ جسکی خاطر تمنے اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ
دیا۔ اور نہ ہمارا ہی دین اختیار کیا اور نہ کسی اور قوم کا۔ پس حضرت جعفر
نے جو جناب علیؑ مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے حقیقی بھائی تھے ایسے موثر
انداز سے تقریر کی اور بادشاہ کی خواہش سے قرآن مجید کی چند آیتیں ایسے
لب و لہجہ سے پڑہیں کہ بقول مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب اور اور
مستند مورخین کے اُسکا ایسا اثر ہوا کہ بادشاہ اور دربار کے بڑے بڑے
پادری جو انجیلیں کھولے بیٹھے تھے زار زار رونے لگے۔ اور بادشاہ نے
قریش کے سفیروں کو دھتکار کر نکلوا دیا اور مسلمانوں کو کہا کہ بلا خوف و خطر

* دیکھو جو تھا باب انجیل متے۔ مؤلف عفی عنہ

یہاں رہو۔ ممکن نہیں کہ میرے ہوتے کوئی شخص تمکو تکلیف پہنچا سکے
چنانچہ باسورتھہ سمتھہ صاحب لکھتے ہیں کہ "دس برس اور
گزر گئے اور محمد کے اصول مذہب باوجودیکہ چاروں طرف سے
نہایت سخت اندیشوں اور مزاحمتوں کی بوچھار ہوتی تھی صرف اپنے اخلاقی
ذریعوں اور اپنی ذاتی قوت سے اپنا راستہ صاف کرتے جاتے تھے۔ مگر
جسقدر کہ اُسکے پیروؤں کی تعداد بڑھتی گئی اوسیقدر مخالفین کا تشدد اور
ایذا رسانی بھی جو اُسکے معتقدین کو برداشت کرنی پڑتی تھی زیادہ ہوتی گئی۔ اور
آخر کار محمد نے یہہ پسند نکرکے کہ اُسکے پیرو اپنے نئے مذہب میں داخل
ہوتے ہی ایسے پُرملال امتحان میں مبتلا ہوجائیں انہیں یہہ صلاح
دی کہ ملک حبش میں جاکر پناہ گزیں ہوں۔ چنانچہ پندرہ آدمیوں نے اُسکی
صلاح مانی اور محمد بدستور وہیں رہے۔ ان لوگوں کا محمد کی صلاح کو
مان لینا کچھہ افسوس کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو اگر کسی ثبوت کی ضرورت
ہو تو یہہ ایک یقینی ثبوت اس امر کا ہے کہ اس تمام زمانہ میں محمد کی اصل
قوت اُس شے میں تھی جسکو دنیا اُسکی کمزوری کہیگی (یعنی آپکا بے یار و مددگار
ہونا) دویم یہہ کہ اس واقعہ کے سبب سے جو ہجرت کہلاتا ہے ہمیں نبی
عربی کی ابتدائی تعلیم کا ایک اعلیٰ درجہ کا خلاصہ ہاتھہ آیا ہے جو ابتک
ہمارے پاس موجود ہے۔ قوم قریش نے نجاشی بادشاہ حبش کے
پاس یہہ پیغام بھیجا کہ ان فراریوں کو ہمارے حوالہ کردو تاکہ ہم انہیں قتل
کرڈالیں۔ لیکن اس گروہ میں سے جعفر نامی ایک شخص نے آگے

بڑھکر بادشاہ اور اُن پادریوں کے سامنے جو اسی غرض سے بلائے گئے
تھے اور انجیلیں ساتھ لیکر آئے تھے اپنے تبدیل مذہب کا حال مندرجہ ذیل الفاظ
میں بیان کیا" صاحب موصوف نے آگے ترجمہ حضرت جعفر کی تقریر کا
لکھا ہے۔ مگر ہم تاریخ ابن ہشام سے اُسکو بلفظہ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے
"فقال جعفر ایّھا الملک کنّا قومًا اھل جاھلیّۃ نعبد الاصنام و
ناکل المیتۃ ونأتی الفواحش ونسیء الجوار ویاکل القوی الضعیف
فکنّا علی ذالک حتّٰی بعث اللہ الینا رسولًا منّا نعرف نسبہ وصدقہ
وامانتہ وعفافہ فدعانا الی اللہ لنوحّدہ ونعبدہ ونخلع ما کنّا نعبد
نحن وابآءنا من دونہ من الحجارۃ والاوثان وامرنا ان نعبد اللہ وحدہ
ولا نشرک بہ شیئًا وامرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصیام (فعدّد علیہ
امور الاسلام ثم قال) وامرنا بصدق الحدیث واداء الامانۃ و
صلۃ الرحم وحسن الجوار والکفّ عن المحارم والدماء ونھانا
عن الفواحش وقول الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصنات فصدّقناہ
واتّبعناہ علی ما جاء بہ من اللہ تعالٰی فعبدنا اللہ تعالٰی وحدہ
ولا نشرک بہ وحرّمنا ما حرّم اللہ علینا واحللنا ما احلّ لنا
فعدی علینا قومنا فعذّبونا وفتنونا عن دیننا لیردّونا علی عبادۃ
الاوثان من عبادۃ اللہ تعالٰی وان نستحلّ ما کنّا نستحلّ من الخبائث
لمّا قھرونا وظلمونا وضیّقوا علینا وحالوا بیننا وبین دیننا خرجنا
الی بلادک واخترناک علی من سواک ورغبنا فی جوارک ورجونا ان

لَا نُظْلَمَ عِنْدَكَ يَا اَيُّهَا الْمَلِكُ" یعنی حضرت جعفر نے کہا کہ اے بادشاہ ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے بُت پوجتے تھے۔ مُردار گوشت کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں سے بدی پیش آتے تھے۔ زبردست کمزور کا مال کھا جاتا تھا۔ اور ایک مدت سے ہماری یہی حالت چلی آتی تھی۔ یہانتک کہ خُدا نے ہمارے ہی میں سے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا جسکی شرافتِ نسب۔ راستبازی۔ ایمانداری اور پاکدامنی سے ہم خوب واقف تھے۔ پس اُسنے ہمکو خدا کی طرف بُلایا تاکہ ہم صرف اُسی ایک خدا کو خدا جانیں اور اُسی کی عبادت کریں۔ اور اُن بتوں اور پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں جنکو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔ اور حکم دیا کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو ذات اور صفات اور استحقاق عبادت میں اُسکے ساتھ شریک نکریں۔ اور ہمکو پانچوں وقت نماز پڑھنے اور سال بھر بعد بقیہ مال کا چالیسواں حصہ صدقہ دینے اور ماہ رمضان میں بیماری اور سفر کے سوا روزہ رکھنے کا حکم دیا (پھر ایک ایک کرکے تمام احکام اسلام اُسکے سامنے بیان کئے اور کہا کہ) اُس پیغمبر نے ہمکو سچ بولنے اور امانت کو اُسکے مالک کے پاس پہنچا دینے اور قرابت داروں سے رعایت و مروت کرنے اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے اور بُرے اور حرام کاموں اور خون خرابوں سے بچنے کا حکم دیا۔ اور بدکاریوں اور جھوٹی گواہی دینے اور بن ماں باپ کے بچوں کا مال کھا لینے۔ اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ پس ہمنے اُسکو سچا جانا۔ اور جو احکام خدا کی طرف سے اُسنے

پہنچائے اُن سب کی پیروی اختیار کی۔ پس ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اور کسی چیز کو کسی بات میں بھی اُسکے ساتھ شریک نہیں کرتے اور جو چیز خدا نے ہم پر حرام کردی ہے اُسکو حرام۔ اور جو حلال کردی ہے اُسکو حلال جانتے ہیں۔ پس اس بات پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی۔ اور طرح طرح سے ہمکو دکھ دیا اور ہمکو ہمارے دین سے پھرانا چاہا۔ کہ خدا کو چھوڑ کر پھر بت پوجنے لگیں۔ اور جن بُری باتوں اور چیزوں کو ہم پہلے جائز سمجھتے تھے اُنکو جائز جانیں۔ پس جبکہ اُنہوں نے ہمکو نہایت عاجز کردیا۔ اور طرح طرح کے ظلم کیے۔ اور نہایت تنگ و دق کیا۔ اور ہمارے دین میں ہمارے مزاحم ہوئے تو ہم اپنا وطن چھوڑ کر اور تجکو اور بادشاہوں کی بہ نسبت اچھا جانکر تیرے ملک میں چلے آئے۔ اور یہ امید کرکے کہ تیرے ہوتے کوئی شخص ہمپر ظلم نکرسکیگا تیری پناہ اختیار کی۔

حضرت جعفر کی یہ تقریر بے نظیر حقیقتاً اسکی مستحق ہے کہ مستند مورخین اسکو نہایت غور و وقعت کی نگاہ سے دیکھیں کیونکہ اسلام سے پہلے اہل مکہ کی جو تیرہ و تار حالت تھی اور پھر اسلام نے جو روحانی و اخلاقی روشنی انمیں پھیلائی یہ تقریر اُسکا اگرچہ مختصر مگر ایسا صحیح فوٹو ہے کہ حق پسند و حق بین آنکھ کو اُسے دیکھکر اسلام کی روحانی و نورانی صورت گویا سامنے نظر آنے لگتی ہے اور اُسکی صداقت و حقیت کا ایک گہرا اور پائدار نقش دل پر بیٹھ جاتا ہے۔

ہجرت حبشہ کے متعلق یہ بات فروگزاشت نہیں کیجاسکتی کہ مہاجرین میں سے بعض اشخاص یہ غلط افواہ سنکر کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے ساتھ صلح کرلی ہے تخمیناً تین مہینے بعد مکہ کو واپس چلے آئے تھے۔ مگر قریب پہنچکر جب اس خبر کی غلطی معلوم ہوئی تو مجبوری کوئی مخفی طور پر اور کوئی اپنے کسی رشتہ دار وغیرہ کی پناہ لیکر شہر میں آگیا۔ مگر اللہ رے حمیت اسلام و توکل بخدا کہ عثمان بن مظعون کو معاً یہ خیال آیا کہ کیا خدا سے عزّوجل کو چھوڑ کر میں ایک ذلیل مشرک کی پناہ لوں۔ پس اُس پاک اعتقاد نے فوراً ولید بن مغیرہ کو جو اُنکی حفاظت کا ذمہ دار بنا تھا جاکر کہدیا کہ مجکو تیری پناہ کی حاجت نہیں۔ ہمدریں اثنا ایک مشہور و معروف شاعر نے جسکا نام لبید تھا ایکروز قریش کے مجمع میں اپنا یہ شعر پڑھا ؎

"اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ	وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلٌ"

یعنی آگاہ ہو کہ خدا کے سوا ہر ایک شے باطل ہے۔ اور ہر ایک نعمت بے شبہ زوال پذیر ہے پس عثمان نے پہلے مصرع کو سُنکر کہا "صَدَقْتَ" یعنی تو نے سچ کہا۔ مگر جب دوسرا مصرع پڑھا تو کہا "کَذَبْتَ" یعنی تو جھوٹ کہتا ہے۔ نعمائے جنت دایمی اور لازوال ہیں۔ جس سے لبید کو بہت رنج ہوا اور اُسنے اہل مجلس کو کہا کہ تمہاری مجالس کا تو یہ ڈھنگ نہ تھا اور نہ تمسخر کرنا ہی تمہاری شان سے تھا۔ پس انمیں سے ایک نے اُٹھکر عثمان کے مونہہ پر ایسے زور سے تھپیڑ مارا کہ اُنکی آنکھ کو سخت صدمہ پہنچا اور ولید نے طنزاً کہا کہ کیوں؟ میری پناہ ترک کرنیکا مزا دیکھا؟ جس کا اُس بزرگوار نے یہ ایمان و ایقان سے بھرا ہوا جواب دیا کہ میری دوسری آنکھ بھی خدا کی راہ میں طپانچہ

کھانیکو حاضر ہے اور خدا کے سوا میں کسیکی پناہ کا محتاج نہیں"[۵۱] اور
اپنے اس نہایت صابرانہ چلن سے اُس نصیحت کی تعمیل گویا آنکھوں سے
کر دکھائی جو جناب مسیح نے اپنے مریدوں کو کی تھی کہ وہ ظالم کا مقابلہ
نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اُسکی طرف
پھیر دے" اسی زمانہ کے قریب آنحضرت کے چچا حمزہ بن عبد المطلب
جو شجاعت و سخاوت اور عظم و شان میں بہت کچھ جناب مرتضوی سے
مشابہ تھے مشرف باسلام ہوئے۔ اور ان سے تین دن بعد عمر
بن خطاب جو ابتک جناب رسول خدا کے نہایت دشمن اور مسلمانونکو
تکلیف و اذیت پہنچانے میں ویسے ہی تند و تیز تھے[۵۲] جیسا کہ عیسائی
ہونے سے پہلے سینٹ پال عیسائیوں کو دکھ دینے میں چست و چالاک
تھا[۵۳] یکایک ایمان لے آئے۔ لکھا ہے کہ ایکروز تلوار باندھکر اس قصد سے
گھر سے نکلے کہ جاکر آنحضرت کو شہید کر ڈالیں مگر رستہ میں ایک شخص نے
جو باطناً مسلمان تھا انکا ارادہ معلوم کرکے کہا کہ انکو قتل کرنے کیا چلے ہو
پہلے گھر کی تو خبر لو کہ بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہوگئے ہیں۔ جس سے
انکو نہایت طیش آیا اور سیدھے بہن کے ہاں گئے۔ اتفاقاً وہ اور اوسکا

---

۵۱ دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۴۴) اور تاریخ ابن اثیر جلد دویم صفحہ (۳۱) مؤلف

۵۲ دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۲۴-۲۲۷) اور تاریخ ابن اثیر جلد دویم صفحہ (۱۳۴) اور تاریخ ابو الفدا
جلد دوم صفحہ (۱۲۰) مولف عفی عنہ

۵۳ دیکھو رسالہ اعمال حوالہ باب نہم آیت پہلی۔ مؤلف عفی عنہ

خاوند اور اصحاب رسول میں سے ایک شخص جو انکو قرآن پڑھایا کرتا تھا
ا اق ہاتھ میں لئے ہوئے سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے کہ یکایک یہ
آن پہنچے اور وہ انکی آہٹ پاکر چپ ہوگئے اور کاغذ کو چھپا لیا اور جب
ان کے پوچھنے پر انہوں نے کہا کہ ہمتو کچھ نہیں پڑھتے تھے تو طیش میں
آکر بہنوئی پر جھپٹے اور اسکی بیوی جو اسکے بچانے کو اٹھی تو اسکو ایسا مارا
کہ اسکے سر میں سے خون نکل آیا۔ مگر جب عہد لیکر اسنے وہ کاغذ انکو دیدیا
تو پڑھتے ہی کچھ ایسا اثر دل پر ہوا کہ آئے تو آنحضرت کے قتل کے ارادہ سے
تھے مگر جاتے ہی قدموں پر گر پڑے۔ اور عرض کیا کہ مجکو بھی دولتِ اسلام
سے مالامال فرمائیے۔ اور پھر سیدھے حرم کعبہ میں آکر علانیہ کہدیا کہ میں تو محمد
اور انکے خدا پر ایمان لے آیا اور تمام دن مشرکوں کے ساتھ لڑائی اور مار پیٹ
میں گزارا۔ حضرت حمزہؓ و عمرؓ کا بعثت کے پانچ سال بعد مذہب اسلام
کو قبول کرلینا یقینی طور پر اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جو لوگ مسلمان
ہوتے تھے وہ یوں ہی نہیں بلکہ خوب غور و تامل اور حق و ناحق کے سمجھ
لینے کے بعد یہ نیا مذہب جو انکے پیدائشی و تربیتی دونوں طرح کے
خیالات کے بالکلیہ برخلاف تھا اختیار کرتے تھے۔ اور یہ اسلام و
بانیِ اسلام کی حقیت و صداقت اور قرآن مجید کے من اللہ ہونے کی
ایک نہایت مضبوط اور قوی دلیل ہے۔ چنانچہ انسائکلوپیڈیا برٹانیکا

+ دیکھو تاریخ ابن اثیر جلد دوم صفحہ (۳۳-۳۴) و تاریخ ابوالفدا جلد دوم صفحہ ۱۱۹-۱۲۰) و
تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۲۴-۲۲۷) مؤلف علی سنہ

کے فاضل مؤلفین لکھتے ہیں کہ "جو یقین کہ اُسنے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) اپنے قریب کے لوگوں یعنی خدیجہ عمر اور ابوبکر کے دلمیں پیدا کیا اور جو ہر طرح کی ذلت اور تکلیف اُسنے بارہ برس تک جھیلی اور نہایت جوانمردی سے ہر قسم کی دولت اور سرداری کے قبول کرنیسے انکار کر دیا جسکا حاصل ہونا اس شرط پر موقوف تھا کہ وہ اپنی کوشش سے باز آئے۔ اور نیز اُس سادگی مزاج اور طرز معیشت کا خیال کر کے جو اخیر وقت تک اُسکی ذات میں ویسی ہی رہی ہم پریڈو والیئر اور مواکشی کی رائیں قبول نہیں کر سکتے۔ بلکہ اتنی بات کہنے میں مُھلر۔ کاسین۔ کارلائیل۔ اُرونگ۔ اور دیگر مصنفین متفق ہیں کہ عام طور پر محمد کی صداقت کو مانیں اور اس بات کو قبول کریں کہ اُسکو اپنے آپ پر بھروسہ تھا اور وہ اپنی رسالت کو سچا سمجھتا تھا۔"

سفارت حبشہ کی ناکامیابی اور حضرت حمزہ و عمر کے اسلام نے مشرکین کے غیظ و غضب کو اور زیادہ بھڑکایا۔ چنانچہ اُنہوں نے جھٹلا کر باہم یہ عہد کر لیا کہ بنی ھاشم سے کسی قسم کا میل جول نہ رکھیں گے! نہ اُن سے کوئی چیز خریدینگے! اور نہ ان کے پاس بیچیں گے نہ اُنکی بیٹی لینگے اور نہ اُنکو دینگے۔ اور تاکہ اس عہد و پیمان سے کوئی انحراف نہ کر سکے ایک کاغذ پر لکھکر کعبہ کے اندر لٹکایا۔ پس بنی ھاشم پہاڑ کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور کافروں نے پانی اور دانہ پہنچنا تقریباً بند کر دیا اور کامل تین برس تک یہی ظلم و ستم جاری رکھا۔ اور اگر خدا کافروں

میں سے بعض اشخاص کے دلوں کو نہ پھیر دیتا جو اس ظالمانہ عہد و پیمان کے
ٹوٹ جانیکے باعث ہوئے تو معلوم نہیں مظلوم بنی ہاشم کا کیا انجام ہوتا"

اب اگرچہ تین برس کے بعد اس عذاب سے نجات ہوئی۔ مگر چند ہی مہینے
گزرے تھے کہ ایک اور بڑی مصیبت کا سامنا ہوا۔ یعنی اول آپ کی پچیس برس
کی رفیق و وفادار زوجہ خدیجہؓ نے پینسٹھ برس کی عمر میں قضا کی! اور پھر چند
روز بعد آپکے جان نثار چچا ابو طالب نے وفات پائی جس سے آپ پر
ایک کوہ مصیبت ٹوٹ پڑا۔ بنی ہاشم اپنے سردار کے گزر جانے سے آپکی
کما حقہ حفاظت نکر سکے۔ اور جو اذیتیں اور ذلتیں مشرکین آپکو پہنچا رہے تھے
اُن میں اور زیادہ شدت ہوئی۔ اور آپکو قطعی ناامیدی ہوگئی کہ اب یہہ لوگ
بُت پرستی سے باز نہ آئینگے۔ پس یہہ خیال فرماکر کہ شاید قوم بنی ثقیف کو خدا
توفیق قبول اسلام دے اور وہ آپکی حمایت و حفاظت پر آمادہ ہوں۔ آپ اپنے
وفادار خادم زید بن حارثہ کو ساتھ لیکر متوکلاً علی اللہ شہر طائف کو جو مکہ سے
مشرق کیطرف قریب ساٹھ میل کے ہے تشریف لیگئے۔ چنانچہ سر ولیم
میور صاحب لکھتے ہیں کہ "محمدؐ کے اس طائف کے سفر میں ایک نہایت
اعلیٰ جوانمردانہ حالت پائی جاتی ہے۔ ایک یکہ و تنہا شخص جسکو اُسکی قوم کے
لوگوں نے بالکل چھوڑ دیا تھا اور نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے
خدا کے نام پر دلیرانہ آگے بڑھا۔ جس طرح یونس ع نینوا کو گئے تھے

+ دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۳۰-۲۳۲) و تاریخ ابن اثیر جلد دویم صفحہ (۳۵-۳۶) و تاریخ ابو الفدا
جلد دویم صفحہ (۱۲۱) مؤلف عفی عنہ

اور اُسنے ایک بت پرست شہر کو آگاہ کیا کہ توبہ کریں اور اُسکی رسالت کی تائید
کریں۔ اِس سے ایک نہایت قوی روشنی اس امر پر پڑتی ہے کہ اُسکو اپنے
کام کے مِن اللہ ہونیکا کس شدت کے ساتھ یقین تھا۔ مگر وہاں کے
لوگوں میں سے بھی کسیکو توفیق قبول اسلام نہوئی بلکہ قوم قریش کیطرح
اُنکو بھی طیش آگیا۔ اور مجبوراً تین روز بعد آپکو وہاں سے پھر آنا پڑا۔ اور اُنہوں
نے یہانتک بدسلوکی کی کہ کمینہ لوگوں کا ایک انبوہ کثیر بُرا بھلا کہتا اور
غل مچاتا ہوا تمام دن آپکو گھیرے رہا۔ اور ایسی دھکا پیل ہوئی کہ آپ کو
ایک باغ کے حاطہ میں پناہ لینی پڑی مگر الحمد سے صبر و استقامت
اور ایمان بچدا کہ اُسی حالت میں آپ نے انگور کی ایک بیل کے سایہ
میں بیٹھکر بارگاہ احدیت میں یہ مناجات کی۔ اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ
ضَعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ
اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ۔ اَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ؟ اِلٰی عَدُوٍّ
یَتَجَھَّمُنِیْ۔ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ؟ اِنْ لَّمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا
اُبَالِیْ۔ وَلٰکِنْ عَافِیَتُکَ ھِیَ اَوْسَعُ لِیْ۔ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ
اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ
اَنْ یَّنْزِلَ بِیْ غَضَبُکَ اَوْ یَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُکَ لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ + یعنی اے ربّ جلیل

+ اس دُعا کے الفاظ ہنے ناسخ التواریخ سے نقل کئے ہیں۔ مگر جزوی تفاوت کے ساتھ ابن ہشام و
ابن اثیر نے بھی اسکو اپنی مستند کتابوں میں روایت کیا ہے اور سر ولیم میور نے بھی اپنی کتاب
میں ابن ہشام کی روایت کے موافق اسکا ترجمہ لکھا ہے۔ مؤلف

یہ بندۂ مسکین و عبد ذلیل تیری بارگاہ عزت و جلال میں اپنی کمزوری اور صبر و قوت کی کمی اور اپنی ذلت و خواری کی فریاد لایا ہے۔ کیونکہ تو سب سے زیادہ رحم والا اور ہر ایک عاجز و ناتوان کا مددگار اور خود میرا مالک اور پروردگار ہے۔ تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے؟ کیا ایسے دوست کے جو مجھے بکھیڑ ناک بھوں چڑھائے؟ یا ایسے دشمن کے جس کو تو نے میرا معاملہ سونپ دیا ہے؟ لیکن اگر یہ بلا تیری خفگی کی وجہ سے نہیں ہے تو مجھکو اسکی کچھ پروا نہیں۔ مگر تیرا بچاؤ میرے لئے بہت زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری قدرت و حکمت کے نور میں جو تمام تاریکیوں کا دور کرنے والا اور دنیا و آخرت کے بگڑے ہوئے کاموں کو سنوار دینے والا ہے تیرے غیظ و غضب کے نزول سے پناہ لیتا ہوں۔ لیکن اگر خفگی ہی میں میری بھلائی ہے تو مجھے وہانتک اختیار ہے کہ تو مجھسے راضی ہو جائے۔ اور بغیر تیری مدد کے نہ میں برائی ہی سے بچ سکتا ہوں اور نہ نیکی ہی کی طاقت و قدرت رکھتا ہوں"

اب ناظرین حضرت نبی عربی کی اس دعا کا جناب نبی اسرائیل کی اس دعا سے مقابلہ کریں جو انہوں نے اپنے گرفتار ہو جانے کی رات کو کی تھی کہ "اے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھسے گزر جائے مگر نہ جیسا میں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے" اور "اے باپ اگر ممکن نہیں کہ یہ پیالہ میرے پینے بغیر مجھسے گزر جائے تو تیری مرضی ہو" اور دیکھیں کہ دونوں ایک ہی قسم کے مخرج سے نکلی تھیں یا اسمیں کچھ فرق و امتیاز تھا

مجھے یقین ہے کہ اگر بے تعصبی اور نا طرفداری کی آنکھ سے دیکھینگے تو کچھ بھی تفاوت نہ پائینگے۔ بلکہ یقیناً معلوم کرلیں گے کہ جس تسلیم و رضا سے بھرے ہوے دل سے وہ نکلی تھی ویسے ہی بلکہ اُس سے بڑھکر ایمان و ایقان اور تسلیم و توکل میں ڈوبے ہوئے دل سے یہہ نکلی تھی۔

الغرض آپ کی اُسوقت کی زار و زبون حالت کا اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ عُتبہ بن ربیعہ اور اُسکے بھائی شیبہ جیسے سنگدل دشمنوں سے بھی دیکھا نہ گیا اور اُنہوں نے ترس کھاکر تھوڑے سے انگور آپ کے لئے بھیجے جنکو کھاکر آپ نے شکرِ خدا کیا۔ *

اب آپ نے مایوس ہوکر قریش کو پند و نصیحت کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اور جو اُن قبایل کے لوگوں کو جو حج وغیرہ کے لئے آتے تھے دعوتِ اسلام فرماتے تھے۔ مگر اُن میں سے بھی کسیکو توفیق قبول اسلام نہوئی بجز یثرب کے چھ شخصوں کے کہ جنہوں نے کلام الٰہی کو سُنا اور مشرف باسلام ہوئے۔ اور پھر بادِ بہاری کی طرح اُس نخلستان کے خوش نصیب رہنے والوں کے لئے یہہ مژدہ لیتے گئے کہ سرزمین مکّہ میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جو بندگان الٰہی کو خداے واحد و لاشریک کی طرف بُلاتا ہے۔ اور جس طرح مشک کی خوشبو پھیل جاتی ہے آپکا اور دین مبین اسلام کا چرچا وہاں پھیل گیا۔ چنانچہ کوئی گھر ایسا نہ تھا کہ جہاں آپکا ذکر خیر نہوتا ہو۔ اور کوئی صحبت ایسی نہ تھی جسمیں لوگ دین اسلام کا چرچا نکرتے ہوں۔ پس سال کے ختم ہوتے ہی اُن نومسلموں

* دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۰۰-۲۸۱) اور تاریخ ابن اثیر جلد دوم صفحہ (۳۰۱) مؤلف عفی عنہ

میں سے پانچ شخص نہایت شوق کے ساتھ پھر آپکی زیارت و طوافِ کعبہ کے
لئے آئے۔ اور اُوس خزرج کی طرف سے جو یثرب کے دو بہت
بڑے قبیلے تھے سات آدمیوں کو بطور وکیل اپنے ساتھ لائے اور اُسی
جگہ وہ بھی مشرف باسلام ہوئے جہاں یہ ہوئے تھے۔ اور یہ عہد
کیا کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنائینگے۔ چوری نکریں گے۔ حرامکاری
نکرینگے قتل اولاد کے مرتکب نہونگے۔ یعنی نہ تو اُنکو بتوں پر قربانی
چڑھائینگے اور نہ غیرت یا افلاس کی وجہ سے قتل کرینگے۔ غیبت و بدگوئی سے
پرہیز کرینگے۔ اور ہر امر حق میں خدا کے رسول کی اطاعت کرین گے
اور رنج و راحت میں شریک حال رہیں گے۔ اور جب وطن کو جانے لگے
تو آنحضرت نے اپنے اصحاب میں سے عبداللہ ابن اُمِّ مکتوم اور مصعب
بن عمیر کو قرآن مجید اور ارکانِ اسلام کی تعلیم کے لئے ساتھ کردیا
اور کلام الٰہی کے وعظ نے یہ اثر پیدا کیا کہ بہت سے لوگ شرک و بت پرستی
کو چھوڑکر دین حق میں داخل ہوگئے۔ اور کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں مسلمان مرد
اور عورتیں موجود نہوں*

اگلے برس حج کے موقع پر مصعب مکہ کو پھر آئے۔ اور بہت
سے مسلمان اُنکے ساتھ آپکی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ اور اپنے
مشرک اہل قافلہ سے پوشیدہ تہتر مردوں اور دو عورتوں نے رسم ملاک

* دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۸۸) و تاریخ ابن اثیر صفحہ (۳۹) و تاریخ ابوالفدا جلد دویم صفحہ (۲۲۴) و
تاریخ ابن خلدون جلد دویم صفحہ (۴) مولف عفی عنہ

کے موافق آپکے ہاتھہ میں ہاتھہ دیکر عہد کیا کہ اگر آپ اور آپکے اصحاب ہمارے
شہر کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمائینگے تو ہم اپنے ہتھیار و نفس
آپکی اور آپ کے اصحاب کی اُسیطرح حفاظت و حراست کرینگے جسطرح کہ
اپنی اولاد و ازواج کی کرتے ہین - چنانچہ اِن مین سے بارہ آدمیون کو آپنے
اُن کے اہل قبیلہ کی ہدایت و ارشاد کے لئے منتخب فرمایا - اور
ارشاد کیا کہ تم اُسی طرح اپنی اپنی قوم کے کفیل ہو جس طرح حواری عیسیٰ بن
مریم کے لئے کفیل تھے - اور مین اپنی قوم یعنی قریش کا ذمہ دار ہون -
یہ معاہدہ اگرچہ ایسے وقت ہوا تھا جبکہ رات نے مشرکین مکہ کی آنکھون پر
پردہ ڈالدیا تھا مگر ایک شیطان مشرک نے جو پہاڑی پر سے دیکھہ رہا تھا اپنے
ہمجنسون کو آگاہ کردیا - اور وہ اکھٹے ہوکر یثرب کے قافلہ میں مسلمانون
کی تلاش کے لئے گئے - اور جب کچھہ پتہ نہ لگا تو پھر آئے - اور پھر دوبارہ
گئے - اب اگرچہ قافلہ کا کوچ ہوچکا تھا - مگر سعد بن عبادہ جو مذکورہ بالا
بارہ شخصوں میں سے ایک تھے اُنکے ہتھے چڑھگئے اور وہ اُنکو مارتے پیٹتے
اور سر کے بالوں سے پکڑکر گھسیٹتے ہوئے مکہ میں لے آئے اور بدبخت
ابوجہل نے اپنے خبث طبع کی یہانتک پیروی کی کہ خود یثرب کو گیا اور
عیاش بن ربیعہ کو جو اُسکا ماں کی طرف سے بھائی تھا کہا کہ تیری ماں تیرے
لئے روتی ہے - اور کھانا پینا چھوڑدیا ہے تو مکہ کو چل اور اِس فریب سے
مکہ میں لاکر اُسکو قید میں ڈالدیا ؛

؛ دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۱۹-۲۲۰) مؤلف عفی عنہ

جو زمانہ مابین ان دونوں بعثتوں کے گزرا وہ بھی منجملہ اُن زمانوں کے تھا جو ابتک آپ پر نہایت صعب و شدید گزرے تھے۔ اور اسکے مقابلہ میں جو صبر۔ ثبات اور توکل علی اللہ آپ سے ظہور میں آیا وہ ایسا بمثل و بنظیر ہے کہ سر ولیم میور* جیسے شخص کو بھی بجز ممان لینے کے چارہ نہ ہوا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "پیغمبر اسلام اسطرح سے دشمنوں کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے اور فتح مبین کے منتظر تھے۔ اور ظاہر اسبے یارہ مددگار تھے۔ اور اُن کے اصحاب کا چھوٹا سا گروہ گویا شیر کے دہنہ میں تھا۔ تاہم اُن کو اس قادر مطلق پر بھروسہ تھا جسکا رسول وہ اپنے تئیں سمجھتے تھے۔ اور اُنکے پاے ثبات میں ایک سرمو خرش نہوئی تھی۔ غرض اس عالم مصیبت و تنہائی میں وہ ایسے عالی مرتبہ و جلیل الشان معلوم ہوتے ہیں کہ کتب مقدسہ سماویہ میں اُنکا عدیل و نظیر کوئی نہیں دکھلائی دیتا۔ سواے اُس نبی اسرائیل کے جسنے خداوند عالم سے یہہ شکایت کی تھی کہ میں اکیلا رہگیا ہوں" (یعنی حضرت الیاس علیہ السلام جو بعل نامی ایک بت کے پوجنے والوں کی ہدایت و ارشاد کے لئے مبعوث ہوئے تھے)۔

حق پسند ناظرین! اس عالیقدر رسوخ کا پیغمبر اسلام کے غایت درجہ کے توکل علی اللہ اور علو ہمت و جلالت شان کو ایسا صاف صاف مان لینا اور بجز ایک کے تمام انبیاے بنی اسرائیل پر آپکو ترجیح دینا صاف دلی اور انصاف کی راہ سے نہ سمجھے گا۔ بلکہ یہہ الجا حق ہے کہ جسنے اُسکو ایسا لکھنے پر مجبور

* دیکھو کتاب لائف آف محمد جلد دوم صفحہ (۲۲۸) مؤلف عفی عنہ

کیا ہے۔ ورنہ انصاف کا حال تو اُس سے ظاہر ہوتا ہے جو اس سے
آگے فرمایا ہے کہ "نہیں۔ یہ تماشا اور زیادہ تعجب [illegible]
کہ انبیاے بنی اسرائیل پر خدا وحی نازل کرتا تھا اور وہ معجزے دیکھا کرتے
تھے۔ مگر پیغمبر اسلام نے تو خود اعتراف کیا ہے کہ میں معجزہ نہیں دکھا سکتا"
اللہ اکبر سر ولیم میور کو اس انیسویں صدی میں جو عقل اور روشنی کا
زمانہ کہلاتا ہے بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت و نبوت پر اُن حال
اور خلافِ عقل امور کے بغیر اطمینان نہیں ہے۔ جنکے مشرکین مکہ آنحضرت
سے خواہشمند تھے۔ اور کہتے تھے کہ "لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا
مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ
خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا۔ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ
بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا۔ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى
فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ۔ قُلْ سُبْحَانَ
رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" یعنی ہم ہرگز تیری بات کا یقین نہیں
کرینگے جبتک کہ تو اس زمین (مکہ) میں سے ہمارے لئے ایک چشمہ بہاوے
یا تیرے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ لگ جاے۔ پھر تو اُنمیں بہتی
ہوئی نہریں نکالے۔ زور سے بہتی ہوئی۔ یا تو گراے ہمپر آسمان کو ٹکڑے
ٹکڑے۔ جیساکہ تو ڈرایا کرتا ہے۔ یا خدا اور فرشتوں کو سامنے لادے
یا تیرے لئے سونے کا ایک گھر بنجائے۔ یا تو آسمان میں چڑھ جاے
اور ہم تو تیرے آسمان میں چڑھ جانیکو بھی کبھی نہیں ماننے کے جبتک کہ تو ہمپر

کوئی کتاب اُتار دے جسکو ہم پڑھ لیں" جن بیہودہ و نامعقول سوالات کے
جواب میں خدا نے اپنے پیغمبر کو فرمایا کہ "تو ان بے سمجھ کافروں سے کہدے
کہ پاک ہے میرا پروردگار میں تو کچھ نہیں ہوں مگر ایک انسان بھیجا ہوا۔ یعنی
رسول" ہم سر ولیم میور سے سوال کرتے ہیں کہ آپ نے جو انبیائے
بنی اسرائیل و فرزند اسمٰعیل کا مقابلہ کرنا چاہا ہے تو آپ نے اُنکی اور انکی
رسالت میں کیا چیز مابہ الامتیاز قرار دی ہے اور سچائی کا معیار کیا ٹھیرایا ہے؟ کیا
ایسے ہی ناممکن او خلاف عقل امور جنکے مشرکین مکہ طالب تھے؟ افسوس تعصب
و نفسانیت انسان کو کیسا اندھا بنا دیتی ہے کہ سر ولیم میور سا جلیل الشان
فاضل حمقائے مکہ کا ہمزبان ہو کر اس روشنی اور عقل کے زمانہ میں بھی اُن امور کے
کر دکھانے سے انکار کر دینے کو جناب خاتم الانبیا علیہ التحیتہ والثنا کے
خلاف میں بطور حجت اور دلیل کے پیش کرتا ہے جو اس زمانہ کے ایک
کم سن لڑکے کے نزدیک بھی معقول اور ممکن الوقوع نہ تھے۔ اور اُس معجزہ
کو نہیں دیکھتا جو ایسا قوی ہے کہ جسنے باوجود اُس تعصب و مخالفت کے
جو اس موخ کو بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے تقریباً بیرہ سو برس کے
بعد خود انکو اس بات کے لکھدینے پر مجبور کیا کہ "کتب مقدسہ سماویہ میں
انبیائے بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی بھی بجز ایک کے آپ سا عالی مرتبہ و
جلیل الشان معلوم نہیں ہوتا" الغرض مشرکین کی آتش عناد بھڑک رہی تھی اور
مظلوم مسلمانوں کو نہایت درجہ ستاتے تھے جس سے مجبور ہو کر آپنے انکو یثرب کو ہجرت
کرنیکی اجازت دی اور سب سے مسلمان مرد اور عورتیں جسطرح جسکو موقع ملا وہانکو چلے گئے اور

اسطرح سے مکہ کے گھر کے گھر ویران ہو گئے۔ جنکو خالی دیکھکر عُتبہ بن رَبیعہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور ایک پرانے شاعر کا یہ شعر پڑھا شعر

"وَکُلُّ دَارٍ وَاِنْ طَالَتْ سَلَامَتُهَا	یَوْمًا سَتُدْرِکُهَا النَّکْبَاءُ وَالْحُوْبُ"

یعنی ہر ایک گھر خواہ کتنی ہی مدت تک آباد رہا ہو آخر ایک نہ ایک دن باد حوادث اُسپر چل جائیگی اور خراب و برباد ہو جائیگا۔ اور پھر نہایت اندوہ و غم کے ساتھ بولا کہ یہہ سب کچھ ہمارے اس بھائی کے بیٹے محمدؐ نے کیا ہے۔ جسنے ہمارے جماعتوں کو پراگندہ اور معاملات کو ابتر اور قوم کو تتر بتر کر دیا ہے * سبحان اللہ حضرت نبی عربی و نبی نامدہی علیہما الصلوٰۃ والسلام کے حالات میں کیسی عجیب و غریب مشابہت ہے کہ سبکو دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ جناب ابن مریمؑ نے اپنی نسبت فرمایا تھا کہ "یہہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ کیونکہ میں اسلئے آیا ہوں کہ بیٹے کو باپ سے اور بیٹی کو ماں سے اور بہو کو ساس سے لڑوا دوں" پس یہی حال بعینہٖ اسماعیل کے اکلوتے پوتے حضرت محمدؐ بن عبداللہ کا ہوا۔ البتہ اتنا فرق رہا کہ اُنہوں نے یہہ خود اپنی نسبت فرمایا تھا اور انکی نسبت اقوام عرب میں تفرقہ ڈالدینے کا اتہام ایک ایسے شخص نے لگایا جو نہایت سخت مشرک اور غایت مرتبہ کا آپکا دشمن تھا۔

جب آپ کے اصحاب دو دو تین تین کر کے یثرب کو چلے گئے اور صرف آپکے فدائی بھائی علی مرتضیٰ اور ابوبکر صدیق اور

* دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۳۱۷) مولف عفی عنہ

اُنکے گھرانیکے لوگ آپکے پاس رہگئے تو مشرکوں کو اندیشہ ہوا کہ مبادا آپ بھی بچکر نکل جائیں۔ اسلئے اُنکے سب سردار مشورہ کرنیکے لئے جمع ہوئے۔ اور ایک شیطان بڈھا بھی جو اپنے تئیں نجدی کا رہنے والا کہتا تھا اُن میں شامل آ ہوا اور سب سے پہلے یہ تجویز ہوئی کہ طوق وزنجیر ڈالکر آپکو ایک مکان محفوظ میں قید کردیا جاے! اور ایک روزن میں سے آب وطعام دیدیا جایا کرے۔ جیسا کہ پہلے بعض فتنہ پرداز شاعروں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مگر اُس ملعون بڈھے نے کہا کہ یہ عقل کی بات نہیں۔ کیونکہ اُسکے اصحاب جب یہہ خبر پائینگے تو پھر حملہ کرکے اُسکو چھڑا لیجائینگے۔ اسپر جب ایک دوسرے شخص نے یہہ راے دی کہ پس بہتر ہے کہ ہم اُسکو ایک سرکش اونٹ پر بٹھاکر شہر سے نکال دیں! اور پھر ہماری بلا سے خواہ کہیں چلا جاے۔ تو اُسی شیطان نے پھر کہا کہ کیا تم اُسکے لطفِ زبان وحلاوتِ بیان سے ناواقف ہو؟ وہ عرب کے کسی نہ کسی قبیلہ کو اپنی میٹھی باتوں سے پھسلا لیگا۔ اور پھر اکر تمکو کچل ڈالیگا۔ اور حکومت وسرداری چھین لیگا۔ پس بدبخت ابوجہل نے کہا کہ مناسب یہہ ہے کہ ہم ہر ایک قبیلہ میں سے ایک ایک جوان آدمی کو لیں اور اُنکو تلواریں دیں اور وہ اسطرح پر اکھٹے محمدؐ پر گریں کہ گویا ایک ہی شخص نے اُسے قتل کیا ہے!!! تاکہ اُسکا خون تھوڑا تھوڑا سب قبیلوں کے ذمہ لگ جاے۔ اور اُسکے قبیلہ کے لوگ تمام قوم کے ساتھ لڑنا ناممکن سمجھکر خوں بہا لینے پر راضی ہوجائیں۔ یہہ سنکر اُس بڈھے نے کہا کہ بس اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں ہے۔ اور یہہ ٹھیرکر سب لوگ اپنے اپنے گھر کو چلے گئے۔ چنانچہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو خدا نے آنحضرت کو

مخاطب کرکے فرمایا "اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ اِلٰی آخِرِ الْآیَۃِ" یعنی یاد کر اُس وقت کو جبکہ کافر اس فکر میں تھے کہ تجھکو قید کرلیں۔ یا قتل کر ڈالیں یا مکّہ سے نکال دیں" اور اُسی دن کی رات کو جوں جوں اندھیرا ہوتا گیا قاتل آپکے بیت الشرف کے گرد جمع ہوتے گئے * اور خدا نے یا یوں سمجھو کہ اُس الہام طبعی نے جو ہر ایک ذی حیات کو ہمیشہ حفظ جان پر آمادہ رکھتا ہے اور جسکی ہدایت سے حضرت نبیِّ ناصری بقول ڈین ملمین صاحب اکثر دشمنوں کے شر سے بچتے پھرے * جناب رسول مکّی کو بھی اس خوف سے آگاہ کردیا اور آپ نے اپنے جاں نثار بھائی علیؑ بن ابیطالب کو فرمایا کہ آج تم میری جگہہ میرے بستر پر لیٹے رہو۔ اور میری سبز چادر اوڑھ لو۔ تاکہ دشمنوں کو یہی گمان رہے کہ میں اپنے بستر پر پڑا ہوں۔ اور یقین جانو کہ خدا کے فضل سے تمہارا بال بھی بیکا نہوگا۔ اور قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتے ہوئے "وَجَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ"

* اگرچہ ابن ہشام - ابن اثیر - ابوالفدا - کِین وغیرہ مستند مورخوں نے اس واقعہ کو اسیطرح بیان کیا ہے جسطرح ہمنے لکھا ہے۔ مگر سر ولیم میور کو چونکہ مشرکوں کا اس الزام سے بچانا منظور ہے۔ فرماتے ہیں کہ "انکا ارادہ آنحضرت کے قتل کا نہ تھا۔ بلکہ قوم کی طرف سے بطور سفارت آئے تھے" مؤلف عفی عنہ

* دیکھو تاریخ دینِ مسیحی جلد اول صفحہ (۲۵۳) مصنفہ ڈین ملمین صاحب

مؤلف عفی عنہ

یعنی بنائی ہنسنے اُنکے آگے اور اُنکے پیچھے دیوار پھر اوپر سے اُن کو ڈھانک دیا۔ پس وہ کچھ نہیں دیکھتے۔ اُسیطرح دشمنوں میں سے نکل گئے۔ جسطرح جناب مسیح قاتل یہودیوں کے نرغہ میں سے بے خبر نکل گئے تھے۔ اور خدا نے کافروں کو ایسا اندھا کر دیا کہ جیسے کسی نے آنکھوں میں مٹی ڈالدی ہو اور ابوبکر صدیق کو ساتھ لیکر ثور نامی پہاڑی کے ایک غار میں جو مکہ سے قریب ڈھائی میل کے جنوب کی طرف تھا جا چھپے۔

گبن لکھتا ہے کہ "اگرچہ قاتل دروازہ پر نگہبانی کر رہے تھے مگر وہ دھوکے میں آکر علیؑ کو محمدؐ سمجھے ہوئے تھے جو رسول کے بستر پر اُسکی سبز چادر اوڑھے ہوئے سو رہا تھا" اور لکھتا ہے کہ "صرف خاندانِ قریش ہی کے لوگوں نے اس نوجوان ہیرو کے اس اعلیٰ درجہ کے کام کو جس سے ثابت ہو گیا کہ اُسکے دل میں اپنے چچازاد بھائی کی کس درجہ قدر و منزلت ہے قابل قدر خیال نہیں کیا۔ بلکہ خود اُسکے چند اشعار جو اب تک مشہور ہیں اُس قوی یقین کی جو اُسکو اپنے

* مسٹر گاڈفرے ہیکنس اپنی کتاب کے تیسویں فقرہ میں لکھتے ہیں کہ "یہ سب بموجب امکان اور تجربہ معاملات بنی آدم کے مقتضائے طبع انسانی ہے۔ ایسا ہی کچھ ایسے حالات میں سقراط۔ فینا غورث۔ موسےٰ۔ لوتھر اور اور بہت سے لوگوں اور خود مسیحؑ کو بھی واقع ہوا۔ مؤلف عفی عنہ

+ دیکھو انجیل متی باب بارہواں۔ آیت پندرھویں۔ اور انجیل مرقس باب تیسرا۔ آیت ساتویں۔ مؤلف عفی عنہ

مذہب پر تھا اور نیز اُس فکر و تردد کی جو اُسکو اپنے چچازاد بھائی کے باب
میں تھا ایک دلچسپ تصویر ہیں" اور پھر تین دن غار میں چھپے رہنے اور
اَبُوبکر صدیق کے بیٹے اور بیٹی کا مخفی طور سے کھانا اور خبر اخبار پہنچاتے
رہنے کا ذکر لکھکر لکھتا ہے کہ "قریش لوگوں نے محمدؐ کی تلاش میں
مکّہ کی تمام نواح چھان ڈالی۔ اور اُس غار پر بھی پہنچے جس میں وہ اور اسکا ساتھی
چھپے ہوئے تھے۔ مگر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مکڑی کے جالے اور کبوتر
کے گھونسلے نے جو خدا نے کافروں کے دھوکا دینے کے لئے پیدا
کر دیا تھا اُنکو یہ یقین دلایا کہ اُس جگہہ کوئی نہیں ہے۔ اور نہ کوئی وہاں آیا
ہے + اَبُوبکر نے خوف سے کانپ کر کہا "ہم تو صرف دو ہی
ہیں" مگر محمد نے کہا "نہیں۔ ہمارے ساتھ ایک تیسرا بھی ہے۔ اور
وہ خود خداوند تعالیٰ ہے" انتہی چنانچہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو
خدا نے فرمایا ہے "فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ
اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ" یعنی پس بے شبہ مدد کی اُس کی خدا نے
جبکہ نکال دیا اُسکو کافروں نے جو تعداد میں کا ایک غار میں جبکہ کہتا تھا اپنے ساتھی
کو غم نکر بیشک خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اور اُتاری خدا نے اپنی تسلی اُسپر (یعنی اپنے پیغمبر)

+ مسٹر گاڈفرے ہیگنس اپنی کتاب کے فقرہ (۹۶) میں لکھتے ہیں کہ "مجکو گمان ہے کہ اگر کوئی شہر روما کا
دریا طلوع پہنچا تو دین عیسوی کے لوگ بعضی کرامتیں اس سے زیادہ قایم کرتے۔ مگر شاید مکڑی کے جالا
تننے اور فاختہ کے انڈے دینے کا معجزہ حکما کو زیادہ پسند ہو" مؤلفہ عفی عنہ

فی الواقع یہ سکینۂ ربانی ہی کے نزول کا نتیجہ تھا کہ باوجود اسکے کہ آپکے رفیق کو بقول گبن "نہایت خوف واضطراب ہوا" آپ مطلق نہ گھبرائے اور وہ قوت ربانی آپ کے دل کو تھامے رہی جسکا نام الہی زبان میں سکینۂ الٰہی ہے۔

اہل تاریخ کا اسپر اتفاق ہے کہ تین دن کے بعد جب جستجو اور شور وشر کم ہوگیا تو آپ بسوا ہی شہر غیر معمولی رستہ سے عازم یثرب ہوئے۔ اور تمام رات اور اگلے دن کی دوپہر تک برابر چلے گئے۔ اور کوئی مخالف آپکو نہیں ملا۔ مگر جنکہ قریش کے سرداروں نے سو اونٹ کا انعام کثیر مقرر کیا تھا اور آپکی تلاش میں چاروں طرف سوار دوڑا دیئے تھے۔ پس سُراقہ بن مالک نامی ایک سوار خونخوار ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے آپہنچا جسکو آتے دیکھکر بقول ابن اثیر وابوالفدا اَبُوبَکر صدّیق نے عرض کیا "یَارَسُوْلَ اللّٰہ اُدْرِکْنَا الطَّلَبُ" یعنی یا رسول اللہ ہمارا متلاشی تو آن پہنچا۔ مگر آپ نے پھر وہی توکل سے بھرا ہوا جواب دیا۔ جو پہلے دیا تھا۔ یعنی "غم نہ کرو ہمارا بچانے والا بیشک ہمارے ساتھ ہے"

فی الحقیقت خداوند تعالیٰ آپکے ساتھ تھا اور اُسکے حفظ وحراست کا یہ نتیجہ تھا کہ آپکی طرف آتے ہوئے اُس سوار کا گھوڑا اور وہ خود دو بار مونہہ کے بل گرا۔ اور اسقدر ہیبت اُسپر طاری ہوئی کہ چلاکر عرض کیا کہ میرا قصور معاف فرمائیے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو لوگ آپکی تلاش میں نکلے ہیں سب کو پھرا لیجاؤنگا چنانچہ اُسنے ایسا ہی کیا بھی۔ اور آپ مصئون ومحفوظ قطع مسافت فرماتے ہوئے

بقول ابن ہشام وغیرہ مورخین کے بارہویں ماہ ربیع الاوّل کو پیر کے دن دوپہر
کے قریب قبا نامی گانوں میں جو یثرب کے جنوب میں دو میل کے
فاصلہ پر اب تک آباد ہے تشریف فرما ہوئے۔ اور بانتظار جناب علی مرتضیٰ
وہاں قیام فرمایا۔ اور جیسا کہ آپ نے انکو الہام الٰہی کے موافق فرمایا تھا کہ
"خدا کے فضل سے تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا" ویسا ہی ظہور میں آیا۔ اور قریش
باوجود اس غیظ و غضب کے جو آنحضرت کے سلامت نکل جانے کی وجہ سے
انپر طاری تھا آپکو کچھ مضرت نہ پہنچا سکے اور آپ نہایت دلیرانہ طور پر تین رات
دن مکہ میں ٹھیرے رہے۔ اور لوگوں کی امانتیں جو آنحضرت کے پاس
تھیں۔ اُنکے مالکوں کو واپس دیکر اُس سخت و گرم موسم میں جو بقول کاسن ڈی
پرسوال متوخ کے جون کا مہینہ تھا۔ پانوں سوجے ہوئے اور چھالے
پڑے ہوئے پاپیادہ۔ جا حاضر ہوئے۔ اور جناب رسول خدا یہ سنکر
کہ آپ میں اتنی طاقت نہیں کہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوسکیں خود آپکی
ملاقات اور عیادت کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ اور سولہویں ربیع الاول
مطابق دوسری جولائی ۶۲۲ء کو بروز جمعہ صبح کیوقت بڑی شان و شکوہ سے
اُس زمین مقدس پر قدم رکھا جو اُسوقت سے ہمیشہ کے لئے مقدس ہوگئی۔
اور اہل مکہ کے ٹھوکر کھانے اور اہل یثرب کے ایمان لانے سے جناب
ابن مریم کے اس قول کی تصدیق ہوئی کہ "نبی بے عزت نہیں مگر اپنے
وطن میں اور اپنے گھر میں"

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ناظرین کو جناب مرتضوی کے اُن

اشعار کے مطالعہ سے بھی محروم نہ رکھیں جنکی طرف گبن نے اشارہ کیا ہے اور وہ موافق روایت صاحب ناسخ التواریخ یہ ہیں ؎

وَقَيْتُ بِنَفْسِي خَيْرَ مَنْ وَطِئَ الثَّرَى	وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ وَبِالْحَجَرِ

فرماتے ہیں۔ کہ میںنے اپنی جان کی عوض اُس عالی منزلت شخص کو بچایا جو پانوں سے پتھریوں یا کنکریوں کے روندنے والوں اور خدا کے پرانے گھر اور اس جگہہ کے طواف کرنے والوں میں جسکا نام عجب ہے سب سے افضل ہے۔ ؎

رَسُولُ اللّٰهِ خَافَ أَنْ يَمْكُرُوا بِهِ	فَنَجَّاهُ ذُو الطَّوْلِ الْإِلٰهُ مِنَ الْمَكْرِ

خدا کے رسول کو اندیشہ ہوا کہ دشمن اُنکو شر پہنچائینگے۔ پس خدا نے جو بڑی قدرت والا اور صاحب فضل و کرامت ہے اپنے پیغمبر کو اُنکے شر سے بچالیا۔ ؎

فَبَاتَ رَسُولُ اللّٰهِ فِي الْغَارِ آمِنًا	مُوَقًّى وَفِي حِفْظِ الْإِلٰهِ وَفِي سِتْرِ

پس رسول خدا نے غار میں امن سے رات کاٹی۔ دشمنوں سے بچے ہوئے اور خدا کی حفاظت اور اُسکے حجاب قدرت میں ؎

أَقَامَ ثَلَاثًا ثُمَّ رَمَّتْ قَلَائِصٌ	قَلَائِصُ تَفْرِينَ الْحَصٰى أَيْنَ مَا تَفْرِ

تین دن وہاں ٹھیرے پھر ناقوں کو مہاریں دیگئیں جو ایسے تیز رفتار و سبکرو تھے کہ ہر طرف پتھریوں اور کنکریوں کو روندتے چلے جاتے تھے ؎

وَبِتُّ أُرَاعِيهِمْ وَمَا يَتَلَوَّنُونَنِي	فَقَدْ وَطِّنَتْ نَفْسِي عَلَى الْقَتْلِ وَالْأَسْرِ

اور میںنے دشمنوں کے حملہ کے انتظار میں رات کاٹی اور وہ مجھے زخمی اور

* سعی مابین الصفا والمروہ کی طرف اشارہ ہے جو ارکان حج میں سے ایک رکن ہے مولف

گرفتار نکر سکے۔ کیونکہ بے شبہ قتل و قید سے نہ ڈرنا میری جبلی عادت ہے ۵

اَرَدْتُ بِهٖ نَصْرَ الْاِلٰهِ تَبَتُّلًا	وَاَضْمَرْتُهٗ حَتّٰی اُوَسَّدَ فِیْ قَبْرِیْ

یہ میں نے ہر چیز سے قطع نظر کر کے محض خدا کے دین کی امداد کی نیت سے کیا۔ اور آئندہ بھی یہی ٹھان لی ہے جبتک کہ قبر میں تکیہ لگا کر لیٹوں"

کسی شعر خصوصاً عربی زبان کے شعر کا ترجمہ بلفظہ اردو کے شعر میں کیا جانا ناممکن ہے۔ اسلئے ہمنے نثر میں ترجمہ لکھدیا ہے۔ مگر ان اشعار کے مدعا کو منظوم بھی کر دیا ہے۔ جو ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ اور چونکہ میں شاعر نہیں ہوں اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو ناظرین سے امید معافی ہے۔ اور وہ یہہ ہے۔ **نظم**

بنا کر ڈھال سینے اپنی جاں کو	بچایا پادشاہِ انس و جاں کو
وہ خیر الحاج خود کعبہ پہ الحق	شرف حاصل ہو جسکے آستاں کو
خدا نے فضل سے اپنے بچایا	ہوا جب خوفِ شر اُس جانِ جاں کو
گزارا رات کو حفظِ خدا میں	نہ دشمن پا سکے اُسکے نشاں کو
نکل کر غار سے پھر تیسرے دن بعد	پکارا اُس نے اپنے ساربان کو
ہوئے ناقے سوے یثرب روانہ	کچلتے کنکر اور ریگِ رواں کو
میں سویا شب کو بستر پر نبی کے	فدا اپنے سے کر کے اپنی جاں کو
یہہ تھا دل میں کہ جاں جائے تو جائے	بچالوں پر رسولِ انس و جاں کو
نہ تھا غم مجکو اپنے قتل ہی کا	سمجھتا تھا نہ کچھ قید گراں کو
ولیکن فکر تھا مجکو تو یہہ تھا	کہیں صدمہ نہ پہنچے اُنکی جاں کو

بجز تائید حق اس جدّ و کد سے	نہ تھا مقصود کچھ مجھ ناتواں کو
اور آگے کو بھی قصد اپنا یہی ہے	کہ کر دوں صرف اسی میں اپنی جاں کو

جناب مرتضوی سے جو ایمان و ایقان اور صبر و سکینہ اور تسلیم و توکل اور جرأت و ہمت اور شجاعت و شہامت کا اظہار اس موقع پر ہوا وہ ایسا حیرت انگیز اور نرالے طور کا ہے کہ اُسکی نظیر اُمّتِ اسلامیہ میں تو کیا امت مسیحیہ اور اُور اُمتوں میں بھی پائی نہیں جاتی۔ چنانچہ مقدس فطرس نے جو مسیح علیہ السلام کے حواریوں میں سب سے افضل گنے جاتے ہیں اُن کے گرفتار کئے جانے کی رات کو بڑے دعوے کے ساتھ جناب موصوف سے یہ کہا تھا کہ "اگر سب تیرے سبب ٹھوکر کھائیں۔ میں کبھی ٹھوکر نہ کھاؤنگا اور یہ کہ "اگر تیرے ساتھ مجھے مرنا بھی پڑے تو بھی تیرا انکار نہ کرونگا" اور ایسا ہی اور مریدوں نے بھی کہا تھا۔ جیسا کہ انجیل متی کے چھبیسویں باب میں ہے۔ مگر کمبخت جان ایسی پیاری اور عزیز شے ہے کہ خوف کی آہٹ پاتے ہی سبکے سب جناب ممدوح کو دشمنوں میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور خود مقدس فطرس جسکو کہا جاتا ہے کہ "مردوں کو جلاتا اور پانی پر چلتا تھا" وغیرہ وغیرہ۔ جب امتحان کا موقع آیا تو عیاذاً باللہ جناب موصوف پر لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا" جیسا کہ انجیل مذکور کے اسی باب کی چوہترویں آیت میں ہے۔ اور وہ بات بالکل ٹھیک نکلی جو اُس مظلوم رسول نے اُسی رات کو اِن لوگوں کو مخاطب کر کے فرمائی تھی کہ "دعا مانگو تا کہ امتحان میں نہ پڑو"

فی الواقع امتحان ایسی ہی مشکل چیز ہے کہ بجز اُن نفوس قدسیہ کے کہ
جنکے دل کو سکینہ الٰہی (جسکا دوسرا نام روح القدس ہے) تھامے رکھے
بڑے سے بڑے لوگوں کے قدم کو بھی ڈگمگا دیتا ہے۔ مگر ہمارے عیسائی
دوست شاید یہ کہیں کہ اسوقت تک فطرس روح القدس کے
فیضان سے مستفیض نہوا تھا۔ لیکن مقدس پولوس کو کیا کہین گے جسکو
بقول اُنکے حضرت مسیح نے خود ظہور فرما کر فیضان روح القدس پہنچایا تھا۔
اور جو باوجود اسکے جاں کے خوف سے ٹوکری میں بیٹھکر شہر دمشق کی فصیل
پر سے کود گیا۔ جیسا کہ رسالہ اعمال کے نویں باب کی تئیسویں ۲۳ - چوبیسویں ۲۴
اور پچیسویں ۲۵ آیتوں اور خود مقدس موصوف کے کارنتھیوں کے دوسرے
خط کے گیارہویں ۱۱ باب کی تینتیسویں اور تینتیسوں ۳۳ آیت میں ہے۔ اور یہ
بیچارے تو درکنار حضرت محمد بن عبد اللہ کے اس حواری سے جو
کام بن آیا وہ تو بڑے سے بڑے نبیوں کا سا کام تھا یعنی ایسے
نبی کا جو اپنی خوشی سے ہاتھ پانوں بندھوا کر خدا کی راہ میں گلا کٹوا لینے
پر راضی ہوگیا تھا۔ لیکن سچ پوچھو تو اُسکا بھی یہ فعل اس مخرّ آبا واحدا و
پوتے کے فعل کا ہمپایہ نہ تھا۔ کیونکہ وہ اگرچہ پیغمبر تھا مگر اُسوقت
ایک ناتجربہ کار لڑکا تھا۔ اور ذبح ہوجانے کی ماہیت سے بھی واقف نہ تھا۔
اور ذبح کرنے والا خود اُسکا باپ تھا۔ جس سے طبعاً رحم کی توقع ہوسکتی تھی
بخلاف آبو طالب کے بیٹے کے کہ اسوقت تیئس ۲۳ برس کا نوجوان تھا۔
اور ہر ایک امر کے نیک و بد کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ اور دشمنوں سے کسی

رعایت یا رحم کی بھی اُسکو توقع نہ تھی۔ اور جنگ وجہاد کی بھی اجازت نہ تھی
جو لڑ بھڑ کر شاید بچ نکلتا۔ پس ایسی حالت میں اُسکا اپنے پیغمبر کے ارشاد اور
اپنے خدا پر بھروسہ کرنا۔ اور بغیر کسی قسم کے تردد کے دشمنوں کے نرغہ
میں باطمینان تمام نبی کی چادر اوڑھکر سو رہنا۔ اور پھر تین دن اور رات علانیہ
دشمنوں میں آمد و رفت رکھنا۔ اور پھر نہایت سخت و شدید گرمی کے موسم
میں کئی سو میل تک یکہ و تنہا دشمنوں کے ملک میں پاپیادہ سفر کرنا ایک قطعی
دلیل اس بات کی ہے کہ کلام الٰہی کے وعظ نے مومنین کے دلوں کو (جنکی
امارت و سرداری کا خطاب واجب طور سے اس خدا کے ولی کو حاصل
ہوا) رُوح القدس کے فیضان سے معمور کر دیا تھا۔ اور اُس
روحانیت کی وجہ سے جو قرآن مجید کی معجزانہ تاثیروں نے اُن کے دلوں میں
پھونک دی تھی۔ حیات اُخروی کے مقابلہ میں اُس دنیا کی زندگی اُنکی
نظروں میں نہایت حقیر و ناچیز دکھائی دیتی تھی۔ اور بیشک یہ انعام الٰہی
اخیر دم تک اُن کے ساتھ رہا۔ اور یقیناً آخرت میں بھی اُس نورانی صورت
میں اُنکے آگے آگے اور داہنے ہاتھ ہوگا۔ جسکی قرآن مجید میں خبر دیگئی ہے
کہ "یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ
وَبِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِیْنَ
فِیْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ" یعنی اے ہمارے رسول اُس
دن کو دھیان میں لا جبکہ تو دیکھیگا ایمان والوں اور ایمان والیوں کو کہ جلد
جلد چلتا ہوگا اُنکا نور (ایمان) اُنکے آگے اور اُن کی داہنی طرف

(اور فرشتے اُنکو کہینگے) مژدہ ہو تمکو آجکے دن تمہارے لئے باغ ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں جنمیں ہمیشہ رہوگے (دیکھو) یہی تو ہے سب سے بڑی مُراد کا ملنا"

اَب ہم پھر اصل مدعا کیطرف رجوع کرتے ہیں۔ لکھا ہے کہ جناب خاتم الانبیا علیہ التحیتہ والثنا نے جب مدینہ منورہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مُشرّف فرمایا۔ تو شہر کے جس جس قبیلہ میں سے آپکا گزر ہوا اُسکے لوگوں نے بجز عَبْدُ اللہ بن اُبَیّ کے جو سلطنت مَدِیْنَہ کا اُمیدوار تھا۔ کمال آرزو سے یہہ چاہا کہ آپ اُنہیں کے ہاں تشریف فرما ہوں۔ مگر آپ مُہار ڈھیلی چھوڑے ہوئے سب کو یہی فرمایا کئے کہ جہاں خدا کو میرا ٹھیرانا منظور ہے وہاں پہنچکر میرا ناقہ خود بیٹھ جائیگا۔ چنانچہ وہ اُس پاک زمین پر پہنچکر بیٹھ گیا جہاں مسجد مُقدّس نبوی بنی ہوئی ہے۔ اور آپنے اُتر کر خَالِد بن زَیْد معروف بہ اَبُوْ اَیُّوْبؓ کے گھر کو اپنی اقامت باکرامت سے رشک خانۂ خورشید فرمایا۔ اور چند روز بعد مسجد اور بیت الشرف کی تعمیر کے لئے ارشاد کیا۔ ناظرین طبعًا یہہ خیال کرینگے کہ جو مسجد اور مکانات

+ یہہ وہی بزرگوار ہیں کہ جب ۴۸ھ ہجری میں معاویہ بن ابی سُفیان کے عہد میں قسطنطنیہ پر فوج کشی ہوئی تو محاصرہ کے ایّام میں بیماری سے اِن کا انتقال ہوگیا۔ اور شہر کی فصیل کے قریب دفن کئے گئے۔ اور سُلْطَان مُحَمَّدؒ ملقب بہ فاتح نے جب ۸۵۷ھ ہجری میں شہر مذکور کو فتح کیا تو بڑی تلاش کے بعد انکی قبر کا پتہ ملا۔ جو تعویذ کے کندہ سے پہچانی گئی جسپر سلطان نے مقبرہ بنوادیا۔ اور ایک بڑی عالیشان مسجد تعمیر کرادی جو ابتک جامع اَیُّوبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ماخوذ از تاریخ منتظم ناصری مطبوعہ تہران۔ مولف عفی عنہ

آپ کے لئے تعمیر ہوئے تھے وہ بہت ہی عالیشان اور عمدہ ہونگے۔ مگر
یہہ مسجد کیا تھی؟ صرف ایک چبوترہ بناکر اُسپر قدِ آدم کچی اینٹوں کی ایک
دیوار بنالی گئی تھی۔ جسکے سایہ میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ اور پھر کچھہ دنوں
بعد مسلمانوں کے التماس سے دھوپ سے بچنے کے لئے ستونوں
کی جگہہ کھجور کی لکڑیاں گاڑکر اُسی کے پتّوں اور گھاس پھوس سے ایک چھپّر سا
بنالیا تھا۔ جس سے دھوپ کا تو آرام تھا مگر بارش کا چنداں بچاؤ نہ تھا
اور اسکا ایک حصّہ اُن نادار اور مفلس مسلمانوں کے لئے مخصوص کردیا گیا تھا
جو مکان بنالینے کا مقدور نہ رکھتے تھے۔ اور آنحضرت کے جنّت کو تشریف لیجانے
کے وقت تک ایسی ہی تھی۔ اور اسمیں بغیر فرش زمین پر کبھی اسی طرح اور
کبھی ستون کے سہارے سے کھڑے ہوکر آپ طالبانِ حق کو پند و نصیحت
اور دین خدا کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ اور فی الحقیقت اُس سادہ اور دلربا
عبادت کے لئے جسکی آپ نے اپنی اُمّت کو تلقین فرمائی ایسی ہی بے تصنع
عبادت گاہ موزوں اور مناسب تھی۔ اسی پر بیت الشرف کے حجروں
کو قیاس کرلینا چاہئے۔ کہ وہ کیسے عالیشان اور زخارفِ دنیوی سے
آراستہ و پیراستہ ہونگے۔ پس اُس بادشاہ دین و دنیا کا جسکے رہنے
اور جلوس فرمانیکے یہہ مکانات تھے یہہ فرمانا کہ "اَلْفَقْرُ مِنْ مَفَاخِرِیْ" بالکل سچ
اور واقع کے مطابق تھا۔ اور بے شبہ وہی فقر قابلِ مخر سمجھا جاسکتا ہے
کہ جو باوجود استطاعت اور مقدور کے انسان کی تمام طرزِ معیشت اور زندگی
کے ہر ایک طریقہ سے ظاہر ہو۔ اور وہ اپنے بنی نوع کے درماندہ و مسکین

لوگوں کی حاجات کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حاجات پر مقدم جانے۔
اور جو کچھ مال وزر جائز طور سے اسکو حاصل ہو نہایت کھلے دل سے اپنے خالق و
مالک کی راہ میں دے ڈالے۔ چنانچہ جناب مقدس نبوی کا عملدرآمد بالکلیہ
اسی کے مطابق تھا۔ اور نہایت صحیح طور پر یہ بات ہم تک پہنچی ہے۔ کہ اگر دن بھر
کے جود وایثار کے بعد کوئی تھوڑی سی چیز بھی آپکے پاس رہجاتی تھی تو اسکا رہجانا
آپکی طبع جواد وفیاض پر ایک بوجھ ہوتا تھا۔ اور آپ اپنے خادم بلال
بن رباح کو فرمایا کرتے تھے کہ "اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ" یعنی اے بلال اسکو
کسی مستحق حاجتمند کو دیدے تاکہ اسکی حفاظت کی فکر سے میں آرام پاؤں *
یہی تعلیم آپکی اپنی اُمت کے لوگوں کو بھی چنانچہ اُس عجیب وغریب خطبہ سے
جو بقول ابن ہشام آپ نے اوّل دفعہ اہل مدینہ کو مخاطب کرکے فرمایا
اور اور آیات واحادیث سے جنکو انشاء اللہ ہم آیندہ لکھینگے اِسکا بخوبی ثبوت
ہوتا ہے۔ اور وہ خطبہ یہ ہے۔

اَیُّھَا النَّاسُ! فَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ۔ تَعْلَمُنَّ۔ وَاللّٰہِ لَیَصْعَقَنَّ اَحَدُکُمْ ثُمَّ
لَیَدَعَنَّ غَنَمَہٗ لَیْسَ لَھَا رَاعٍ۔ ثُمَّ لَیَقُوْلَنَّ لَہٗ رَبُّہٗ لَیْسَ لَہٗ تُرْجُمَانٌ
وَلَا حَاجِبٌ یَحْجُبُہٗ دُوْنَہٗ۔ اَلَمْ یَاْتِکَ رَسُوْلِیْ فَبَلَّغَکَ وَاٰتَیْتُکَ مَالًا
وَاَفْضَلْتُ عَلَیْکَ فَمَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِکَ؟ فَلَیَنْظُرَنَّ یَمِیْنًا وَشِمَالًا
فَلَا یَرٰی شَیْئًا۔ ثُمَّ لَیَنْظُرَنَّ قُدَّامَہٗ فَلَا یَرٰی غَیْرَ جَھَنَّمَ فَمَنِ
اسْتَطَاعَ اَنْ یَّقِیَ وَجْھَہٗ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ فَلْیَفْعَلْ

* دیکھو کتاب جامع بخاری مؤلف عفی عنہ

وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ فَإِنَّ بِهَا تُجْزَى الْحَسَنَةُ عَشْرَ أَمْثَالِهَا
إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ"

یعنی۔ اے لوگو۔ قبل اسکے کہ تم اس جہان کو چھوڑو اپنے لئے اعمال
نیک کا ذخیرہ آگے بھیجو۔ یقین جان لو قسم ہے خدا کی کہ بالضرور تم میں سے
ہر ایک شخص ہولناک بلا میں پڑنے والا اور بیشک دُنیا کو اسطرح پر چھوڑنے
والا ہے جیسے کوئی اپنی بکریوں کو محافظ کے بغیر چھوڑ دے! اور بیشک
خدا ہر ایک سے ایسے طور پر کہ نہ اُسکے لئے کوئی ترجمان ہوگا اور نہ روک
ٹوک کرنے والا درباں۔ یعنی گویا مونہہ در مونہہ پوچھیگا کہ کیا ہمارا کوئی پیغمبر تیرے
پاس نہیں آیا تھا؟ اور اُسنے ہمارے احکام تجکو نہیں پہنچائے تھے؟ اور
کیا تجکو ہم نے بہت سا مال نہیں بخشا تھا؟ (تاکہ ہماری راہ میں دے) اور
اپنا فضل و احسان تجھپر نہیں کیا تھا؟ (تاکہ اپنے نبی نوع کے ساتھ مہربانی
اور نکوئی سے پیش آئے) پس بتا کہ تو نے کیا چیز اپنے لئے آگے بھیجی
تھی۔ پس یقیناً (اُس وقت) انسان دائیں بائیں دیکھیگا اور کوئی چیز دکھائی
نہ دیگی جسکو بتا سکے۔ پھر سامنے کیطرف نظر کریگا اور اُدھر بھی جہنم کے سوا کچھ
نظر نہ آئیگا۔ پس جس سے ہو سکے اپنے تئیں اُس آگ سے بچالے خواہ
کھجور کے دانہ کا ایک ٹکڑہ ہی خدا کی راہ میں دیکر کیوں نہ بچائے۔ اور
جسکو اتنا بھی مقدور نہو تو کسی کے حق میں کوئی کلمہ خیر ہی کہے۔ کیونکہ بیشک
آخرت میں ایک نیکی کا بدلہ دس سے لگا بلکہ سات سو گنے تک دیا جائیگا۔ خدا کی
سلامتی اور رحمت اور برکت تم پر ہو۔"

سبحان اللہ کیسے موثر و عبرت خیز اور خیرات و برکات سے بھرے ہوئے الفاظ میں انسان کے انجام کار اور بخل کے نتائج قبیحہ اور ایثار و احسان کے فضائل اور خوبیوں کو بیان فرمایا ہے کہ خود بخود یقین ہوتا ہے کہ بغیر وحی والہام کی مدد کے کوئی شخص ایسا کلام نہیں کر سکتا۔ غور کرو کہ کہاں جہنم کی وہ ہمہاں سوز آگ اور کہاں خدا کی راہ میں کھجور کے دانہ کے ایک ٹکڑے کا دینا یا کسی کے حق میں ایک کلمۂ خیر کہنا۔ اور اُسکے سبب سے انسان کا اُس ہولناک بلا سے بچ جانا اور نہ صرف بچ جانا بلکہ دس گنا بلکہ سات سو گنا نیک اجر پانا۔ پس اس سے زیادہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے اور اپنے بنی نوع کے ساتھ نکوئی اور خیر و احسان سے پیش آنیکے لئے کونسی نصیحت ہو گی جو کسی نصیحت کرنے والے نے اپنے ابنائے جنس کو فرمائی۔

ایمان و ایقان کی دولت کے علاوہ خدا کی سب سے پہلی رحمت و برکت جو آپ کی اس دعا سے اہل مدینہ کے شامل حال ہوئی وہ اُس پرانے جنگ و جدال اور عناد و فساد کا موقوف ہونا تھا جو وہاں کے دو بڑے قبیلوں اَوس و خَزرج میں دیر سے چلا آتا تھا جسکو وہ اسلام کے برادرانہ لطف و محبت کے جوش میں بالکلیہ بھول گئے۔ اور اسلام کے جھنڈے کے گرد جمع ہو کر سلطنت جمہوریۂ اسلامیہ کے مرکز بن گئے۔ اور اَنصار یعنی مددگاران دین خدا کے معزز لقب سے ملقب و مشہور ہوئے مسجد مقدس نبوی کے تعمیر ہونے تک آذان و اقامت فرض نہوئی تھی۔ اور نہ نماز کے لئے کوئی معین جگہہ مقرر تھی۔ مگر اب مسجد ہی میں نماز

ہونے لگی۔ اور چونکہ اوقات معینہ پر بغیر کسی خاص اشارہ کے لوگوں کا جمع ہو جانا متعذر ہوتا ہے۔ اسلئے نماز کیوقت یَھُود ی تُرہی اور عیسائی ناقوس اور گھنٹہ بجاتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بیہودہ شور وغل کو نماز جیسے مقدس کام کے لئے مناسب خیال نفرمایا اور کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا مدنظر ہوا جو اطلاع کی اطلاع اور عبادت کی عبادت ہو۔ پس آپکے نفس قدسی پر خدا کی طرف سے اذان کے الفاظ کا القا ہوا۔ اور بلال بن رباح کو حکم ہوا کہ پانچوں وقت کسی اونچی جگہ کھڑا ہو کر وہ کلمات طیبات باواز بلند کہدیا کرے۔ نماز کی اطلاع کا یہ طریقہ ایسا مناسب ومعقول ہے کہ چیمبر جو ایک نامور عیسائی فاضل ہے۔ اپنی انسائیکلوپیڈیا کی جلد ششم میں جہاں مذہب اسلام کا ذکر کیا ہے لکھتا ہے کہ "مؤذن کی آواز جو سادہ مگر نہایت متین ودلکش ہوتی ہے اگرچہ شہروں کی دن کی دندبکار میں بھی مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوش آیند معلوم ہوتی ہے لیکن رات کے سناٹے میں اسکا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ یہانتک کہ بہت سے اہل یورپ بھی پیغمبر کو اس امر پر بیکار کباد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اُسنے انسان کی آواز کو موسائیوں کی تُرہی اور عیسائیوں کے گرجا کے گھنٹے پر ترجیح دی"

فی الواقع جبکہ ہوا میں اڑنے والے پرندے تمام روز کی محنت ومشقت سے تھک کر اپنے اپنے گھونسلوں میں بسیرا لے رہے ہوں

کے کوش گزار ہو چکی تھیں۔ مگر وہ بھی اُسوقت تک خواب خرگوش سے
نہ چونکے جبتک کہ روح کو کپکپا دینے والا کلام نبی عربی کا نہیں سُنا۔
تب البتہ دفعتہً ایک نئی اور سرگرم زندگانی میں دَم بھرنے لگے "مگر افسوس
ہے کہ یہ عالیقدر مورخ باوجودیکہ تاثیرات و برکاتِ کلام الٰہی کا ایسا صاف
صاف معترف ہے۔ اور اُس روحانیت وحقانیت کو جو قرآنِ مجید کے
وعظ سے ظہور میں آئی علانیہ قبول کرتا ہے۔ مگر پھر بھی غلبۂ نفسانیت و پاس
مذہب کیوجہ سے اسلام کی روزافزوں ترقی کو دنیاوی ذریعوں سے منسوب
کرتا اور نہایت ہٹ دھرمی سے یہہ لکھتا ہے کہ "عیسائیت و اسلام کی
ظاہر ترقی میں فرق و تفاوت کی بڑی وجہ یہی تھی کہ مذہب عیسوی کی تعلیم
کا مقصد اور اوسکی اشاعت کا طریقہ روحانی تھا۔ اور دنیاوی ذریعوں کو
بالکل دخل نہیں دیا گیا تھا۔ مگر محمدؐ کا اُصول بالکلیہ اسکے برخلاف تھا"
لیکن الحمدللہ کہ جو باتیں وہ بیان کرنی نہیں چاہتا خدا نے خود اُسی
کی زبان سے کہلادی ہیں۔ جو بلاشبہ قرآن مجید کا ایک مُعجزہ سمجھنا چاہیے
چنانچہ کہتا ہے کہ "جس زمانہ تک مقابلہ ممکن ہے اسمیں تکلیفات کے
برداشت کرنے اور دنیاوی لالچوں کے قبول نکرنے میں دونوں (یعنی حضرت
مسیح اور آنحضرتؐ) برابر ہیں۔ لیکن محمدؐ کے تیرہ ۱۳ برس کے موعظہ نے
بمقابلہ کل زمانہ زندگی مسیح کے ایک ایسا انقلاب پیدا کیا جو ظاہر بیں
لوگوں کی نظر میں بہت بڑا معلوم ہوتا ہے۔ مسیح کے تمام پیرو خوف
کی آہٹ معلوم ہوتے ہی بھاگ گئے اور ہمارے خداوند

حقیقت یہہ ہے کہ جب یہہ مؤرخ قرآن مجید کی تاثیرات و برکات پر پردہ نہ ڈال سکا۔ اور بلا کسی دنیوی ذریعے کے اسلام کی حیرت انگیز ترقی سے بھی انکار نکر سکا۔ اور جناب ابن مریم کی زندگی میں معدودے چند کا ایمان لانا مسلمانوں کے اُس بڑے گروہ کے مقابلہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وعظ سے اِن تیرہ برس کے اندر پیدا ہو گیا اُسکو بہت ہی حقیر معلوم ہوا۔ اور دیندار مسلمانوں کی وفاداری و جاں نثاری اور اُن کا ایمان و ایقان بمقابلہ پیروان حضرت مسیح اُسکو بہت ہی بڑا دکھائی دیا تو بنا چاری اس عذر لنگ کے تراشنے پر مجبور ہوا۔ کہ "عیسائیت نے مسیح کی ذاتی تعلیم کے ختم ہو جانے تک اپنے دعوے کا اظہار بطور ایک مکمل مذہب کے

اول آیت پندرہ میں تعداد مومنین تخمیناً ایک سو بیس لکھی ہے پھر معلوم نہیں سر ولیم میور نے یہ پورے پانسو کی تعداد کہاں سے لکھدی۔ شاید اُنکی مراد وہ لوگ ہونگے جنکو سینٹ پولوس نے اپنے کارنتھیوں کے نام کے پہلے خط کے پندرھویں باب کی چھٹی آیت میں "بھائیوں" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ یعنی حضرت مسیح انکو یکبارہ دکھائی دیا۔ اور یہہ کہ اکثر انمیں یعنی پانسو میں سے ابتک موجود ہیں۔ مگر چاروں انجیلوں کے لکھنے والوں نے اپنی اپنی انجیل کے اخیر باب میں حضرت مسیح کو جی اُٹھا ہوا دیکھنے والے صرف دو تین عورتوں اور گیارہ حواریوں کو بیان کیا ہے۔ مگر پولوس نے اپنے اسی خط میں لکھا ہے کہ بارہ دکھائی دیئے۔ حالانکہ اُسوقت حواری صرف گیارہ ہی تھے اور بارہواں آنحضرت کے آسمان پر اُٹھائے جانیکے بعد قرعہ ڈالکر شامل کیا گیا تھا۔ پطرس۔ یوحنا۔ یعقوب۔ اور یہودا نے جو مقرب حواری تھے

شروع نہیں کیا۔ مسیح کی زندگی اُسکا آغاز تھا اور اُسکی موت اُسکا کی سنڈن
یعنی تکمیل برخلاف اسلام کے کہ اُسی روز سے ایک مکمل وجابر (ایگریسو)
مذہب ہو گیا جبکہ محمدؐ نے علانیہ وعظ کرنا شروع کیا۔ پس اسلام اور
عیسائیت کی ابتدای تاثیروں کے ٹھیک طور پر مقابلہ دکھانے کے لئے
ضرور ہے کہ پینتی کوسٹ میں روح القدس کے پھیلنے کیوقت سے
مذہب عیسوی کا مقابلہ محمدؐ کی تعلیمات کی ابتدا سے کیا جاے۔ کیونکہ
اس صورت میں عیسائیت اپنی ابتدائی ترقی کی سُرعت اور اپنے سابق الایمان
معتقدوں کی جاں نثاری کے لحاظ سے اسلام سے کچھ گھٹی ہوئی نہیں ہے"
مگر جن لوگوں کی آنکھوں پر تعصب کا پردہ پڑا ہوا نہیں ہے

اپنے خطوط میں ان پانسو کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ اور سینٹ لوقا نے کتاب اعمال
کے دسویں باب کی چالیسویں واکتالیسویں آیت میں پطرس کا قول اور
تیرہویں باب کی اکتیسویں آیت میں پولوس کا قول بھی لکھا ہے کہ "حواریوں
کے سوا جو صرف گیارہ تھے اور کسی نے مسیح کو پھر زندہ ہوا نہیں دیکھا۔
ان اختلافات کا نتیجہ یہ ہے کہ آنحضرت کے مصلوب ہونے اور پھر جی اوٹھنے وغیرہ کا
حال بالکل ہی قابل اعتبار نہیں رہتا۔ کیونکہ جب جی اُٹھا ہوا دیکھنے والے پانسو گواہ
جھوٹے قرار پا گئے تو مصلوبی جیکے وقوع سے پیشتر ہی سب شاگرد بھاگ گئے تھے
کیونکر صحیح قرار پا سکتی ہے۔

مؤلف عفی عنہ

+ یہودیوں کی ایک عید کا نام ہے۔ دیکھو دوسرا باب سال [illegible] مؤلف عفی عنہ

اور انصاف وحق پسندی کے نور سے انکا دل و دماغ روشن ہے - وہ اُن
حالات کو پڑھکر جو ابتداے بعثت محمدیہ سے ہجرت مقدسہ تک وقوع میں آئے
اور جنکو ہم مشروحاً لکھ آئے ہیں معلوم کر سکتے ہیں کہ دین الٰہی کے پھیلانے
میں آنحضرت نے کوئی بھی دنیاوی ذریعہ استعمال نہیں کیا - اور وہ بیشک و
شبہ صرف اُس کلام پاک کے وعظ کا نتیجہ تھا* جسکی نسبت یہی مورخ اپنی کتابت
کے ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ "چونکہ محمدؐ کو اپنی رسالت کا نہایت
قوی اور مضبوط اعتقاد تھا اسلئے اُسکی طرف سے اس دین (اسلام)
کے موعظہ میں بڑی قوت و شدت ظاہر ہوتی تھی - اور چونکہ فصاحت میں

* ہمارے اس قول کی تصدیق کے لئے سیل صاحب کی شہادت کافی ہے چنانچہ وہ اپنے
ترجمۂ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "ابتک محمدؐ نے اپنے مذہب کو مناسب طور پر پھیلایا -
اسلئے ہجرت سے پہلے کی اُسکی کل کامیابی صرف ترغیب و تحریص سے منسوب ہونی چاہئے بجبر
سے - کیونکہ اُس دوسری بیعت سے پہلے جو وفاداری کے باب میں عقبہ کے جلسہ میں ہوئی
اُسکو جبر کرنے کی مطلق اجازت نہ تھی - چنانچہ قرآن کے بعض مقامات میں جو اُسکے قول کے بموجب مکہ کے
قیام کے زمانہ میں نازل ہوئے تھے کہتا ہے کہ "تیرا کام صرف وعظ و نصیحت کرنا ہے اور تو مجاز نہیں کہ کسی
سے جبراً اپنا مذہب اختیار کرائے" اور یہ کہ "لوگ خواہ ایمان لائیں یا نہ لائیں تجھکو اُس سے
کچھ سروکار نہیں وہ صرف خدا کے متعلق ہے" اور وہ اپنے پیروؤں کو جبر کی اجازت دینے
سے اسقدر دور تھا کہ اُسنے اُن کو نصیحت کی کہ اُن نقصانوں کو جو دین کی وجہ سے پہنچے صبر سے
برداشت کرو - اور جب خود تکلیف پائی تو اپنے مولد کو چھوڑنا اور مدینہ کو چلا جانا پسند کیا نہ
مقابلہ کرنا"

مؤلف عفی عنہ

بھی اُسکو کمال تھا لہذا اُسکا کلام عربی زبان میں نہایت خالص اور
بغایت مؤثر تھا۔ اُسکے ملکہ زبان آوری نے روحانی حقیقتوں کو عالم تصویر
بنا دیا۔ اور اُسکے نہایت روشن اور زندہ خیالات نے قیامت و روز جزا
اور نعماے بہشت، عذاب جہنم کو سامعین کے نہایت قریب تر بلکہ پیش نظر
کر دکھایا۔ عمومی گفتگو میں تو اُسکا کلام آہستہ مفصل اور قوی تھا۔
مگر ہنگام وعظ آنکھیں سُرخ اور آواز بھاری اور بلند ہو جاتی تھی اور تمام
جسم ایک ایسی حالتِ جوش و خروش میں ہو جاتا تھا گویا کہ وہ لوگوں
کو کسی غنیم کے آنے کی خبر دیتا ہے جو دوسرے روز یا اُس رات ہی کو
اُن پر آن پڑے گا" * اور جس کلام کی نسبت گبن یہ کہتا ہے کہ "قرآن
خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہے۔ مکہ کے پیغمبر نے
بتوں کی۔ انسانوں کی۔ ثوابت اور ستاروں کی پرستش کو اس معقول
دلیل سے رد کیا کہ جو شے طلوع ہوتی ہے غروب ہو جاتی ہے۔ اور
جو حادث ہے، وہ فانی ہوتی ہے۔ اور جو قابل زوال ہے وہ معدوم
ہو جاتی ہے۔ اُس نے اپنی معقول سرگرمی سے کائنات کے بانی
کو ایک ایسا وجود تسلیم کیا جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ نہ کسی شکل میں
محدود۔ نہ کسی مکان میں اور نہ کوئی اُس کا ثانی موجود ہے۔ جس
سے اُس کو تشبیہ دیسکیں۔ وہ ہمارے نہایت خفیہ ارادوں پر
بھی آگاہ رہتا ہے۔ بغیر کسی اسباب کے موجود ہے۔ اخلاق اور

* دیکھو کتاب لائف آف محمدؐ جلد چہارم باب ۳۷ صفحہ ۳۱۶۔ مؤلف عفی عنہ

عقل کا کمال جو اُسکو حاصل ہے وہ اُسکو اپنی ہی ذات سے حاصل ہے
اِن بڑے بڑے حقایق کو پیغمبر نے مشہور کیا اور اُسکے پیروؤں نے اُن کو
نہایت مستحکم طور سے قبول کیا۔ اور قرآن کے مفسروں نے معقولات
کے ذریعے سے اُنکی تشریح و تصریح کی۔ ایک حکیم جو خدا تعالیٰ کے وجود اور
اُسکی صفات پر اعتقاد رکھتا ہو مسلمانوں کے مذکورۂ بالا عقیدہ کی نسبت یہہ
کہہ سکتا ہے کہ وہ ایسا عقیدہ ہے جو ہمارے موجودہ ادراک اور قواے
عقلی سے بہت بڑھکر ہے۔ اسلئے کہ جب ہمنے اُس لامعلوم (یعنی خدا)
کو زمان اور مکان اور حرکت اور مادہ اور اس اوتفکر کے اوصاف سے
مبرا کر دیا تو پھر ہمارے خیال کرنے اور سمجھنے کے لئے کیا چیز
باقی رہی۔ وہ اصل اوّل (یعنی توحید ذات و صفاتِ باری تعالیٰ) جسکی بنا
عقل اور وحی پر ہے محمدؐ کی شہادت سے استحکام کو پہنچی۔ چنانچہ اُس کے
معتقد ہندوستان سے لیکر مراکو تک موحد کے لقب سے ممتاز
ہیں۔ اور تصویروں کے ممنوع کر دینے سے بت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا ہے*
فی الواقع۔ قرآن مجید نے جس کامل و اکمل طور پر جناب احدیت
کی صفاتِ جلال و کمال کو بیان فرمایا ہے۔ اور جس اعلیٰ و افضل مرتبہ
کی تقدیس و تنزیہ کی ہے وہ ہمارے موجودہ ادراک و قواے عقلی
سے بہت بڑھکر ہے۔ اور بیشک اُس کا انکشاف عقلِ انسانی پر بغیر وحی
الٰہی کے ناممکن تھا۔ اور ہمکو خوب معلوم ہے کہ کسی بڑے سے بڑے

مراکس

* دیکھو تاریخ زوال سلطنت روم جلد پنجم باب پچاسواں صفحہ ۴۶۹ تا ۴۷۰ مؤلف

حکیم کی حکمت یا نبی کی نبوت اِسکا ادراک و انکشاف ایسے صحیح و کامل
طور پر نہیں کر سکی اور بے شبہ یہ حضرت خاتم الانبیا علیہ و آلہ التحیتہ و الثنا ہی کا
حصہ تھا۔ اور اُنہیں کی ذات مبارک پر ختم ہو گیا۔ اب اگر کوئی کہے تو اتنا
ہی کہہ سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ اور یہی معنی آنحضرت
کے خاتم الانبیاء افضل الرسل ہونیکے ہیں۔ اور نعماے روحانی جو خدا تعالیٰ
نے وقتاً فوقتاً موافق عقل و تمیز اور حالت و حیثیت بنی آدم کے انبیا علیہم السلام
کے ذریعہ سے اُنکو عطا فرمائیں۔ اسلام اُن میں آخر تریں و افضل ترین نعمت
ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وسیلہ سے انسان کو عطا ہوئی۔ اور
خدا کا انبیا علیہم السلام کے بھیجنے سے جو مدعا تھا وہ پورا ہو گیا۔ چنانچہ
خود اُس نعمت کے مالک نے پکار کر کہدیا "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ
دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"
یعنی آج کے دن کامل کر دیا میں نے تمہارے لئے تمہارا دین۔ اور پوری
کر دی تم پر اپنی نعمت۔ اور پسند کیا تمہارے لئے اسلام کو دین" پس
خدا کا شکر ہے کہ اُسنے اپنے نہایت فضل و کرم سے یہ بیمثل نعمت
ہمکو نصیب کی اور اُس ہادی کامل کے کفش برداروں میں شمار ہونیکا افتخار
بخشا کہ جسنے نہ صرف اپنے سے پہلے آنے والے کے کام کو پورا کیا۔ بلکہ
ایسا استحکام دیا کہ دِیْنُ الْقَیِّمُ ہو گیا۔ اور اُسکے پیروؤں کو مشرق سے
لیکر مغرب اور شمال سے لیکر جنوب تک مُوحّد کا مبارک و ممتاز لقب حاصل
ہوا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

اب ہر شخص بالطبع اس بات پر خیال کرنیسے متعجب ہوگا کہ جو شخص
ایسا فصیح و بلیغ ہو کہ "اپنے نکتہ زبان آوری سے روحانی حقیقتوں کو عالم
تصویر بنادے" یعنی معقولات کو محسوسات کر دکھاے۔ اور ذات و
صفات باری تعالیٰ کے متعلق دنیا کو وہ اعلیٰ درجہ کے حقایق
و معارف سکھاے "جو انسان کے موجودہ ادراک و قوائے عقلی سے
بہت بڑھکر ہوں" اور اُسکے کلام میں وہ حیرت انگیز تاثیرات و برکات
ہوں کہ بقول مولفین انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا "ایک قابل حیرت
قلیل مدت میں" عرب جیسی وحشی اور بُرائی اور ضلالت میں ڈوبی ہوئی
قوم کی حالت کو بالکلیہ منقلب کردے" اور جسکے دین کو بقول سیل صاحب
"دنیا میں وہ قبولیت حاصل ہوئی جسکی مثل و نظیر نہیں ہے۔ اور اُسکو
نہ صرف اُن قوموں نے قبول کیا جنپر مسلمانوں نے کبھی فوج کشی نہ کی تھی
بلکہ اُن لوگوں نے بھی قبول کیا جنھوں نے اہل عرب کو اُن کی فتوحات
سے محروم اور اُنکی سلطنت بلکہ اُنکے خلیفوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور جس میں کوئی
بات اُس سے بڑھکر تھی جو ایک مذہب میں عموماً خیال کی جاتی ہے۔
اور جس سے ایسی عجیب ترقی ہوئی" + وہ اُمّی اور علوم ظاہری سے
محض ناآشنا ہو! اور یہ تعجب اُسوقت اور بھی بڑھجاتا ہے جبکہ اس بات
پر خیال کیا جاے کہ وہ ایک ایسی قوم میں مبعوث ہوا تھا جو ایک عرصہ
بعید و زمان ممتد سے ایک ایسی مجہلی و جہالت اور ظلمت و ضلالت میں

+ دیکھو سیل صاحب کا دیباچہ ترجمہ قرآن۔ مولف عفی عنہ

ڈوبی ہوئی تھی جسکی نظیر دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی - اور اُس نے
اپنی عمر کے چالیس برس ایسے لوگوں کے ساتھ بسر کئے تھے جو شراب خواری
قمار بازی و بت پرستی و زنا کاری اور چوری اور قزاقی اور قتل
و خون ریزی اور نہایت درجہ کی بیرحمی و اولاد کشی اور طرح طرح کے
اوہام اور بیہودہ خیالات کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے اور خدا اور عاقبت
تو اُنکے نزدیک کوئی چیز ہی نہ تھی جسکا کچھ خوف اور ڈر ہوتا - اور باوجود
اس درجہ کی ناداری و افلاس کے کہ جسکی برابری بقول راڈویل
صاحب "صرف اُن کی جہالت ہی کر سکتی تھی" ایسے سرکش اور مغرور
تھے کہ ہر ایک قبیلہ کا سردار بجاے خود گویا ایک فرعون تھا جو اپنے سوا کسی
کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا تھا اور کسی ناصح کی بات کو ماننا یا اُس کے آگے
سر جھکانا تو ایک ایسا امر تھا جو قریب بہ محال سمجھنا چاہیئے - کیونکہ فطرت
کے قاعدہ کے موافق بغیر اسکے کہ وہ شخص ملہم و مؤید من اللہ
ہو ممکن نہ تھا کہ "روحانی تربیت کے حقایق و دقایق ایسے الفاظ میں
بیان کر سکے جو عالم اور حکیم اور فلسفی اور نیچرلسٹ اور دہریہ سے لیکر عام
جاہلوں بدوؤں - صحرانشینوں تک کی ہدایت کے لئے یکساں مفید
ہوں" اور ایسا کلام کر سکے جس میں بقول راڈویل صاحب "ایک
نہایت اعلیٰ درجہ کی عمیق سچائی ہے جو ایسے الفاظ میں بیان کی گئی
ہے جو باوجود اختصار کے قوی اور کثیر الدلالت اور ملہمانہ حکمت سے بھرے
ہوئے ہیں" مگر قرآن (جس سے زیادہ کوئی صحیح تاریخ آنحضرت

+ دیکھو راڈویل صاحب کا دیباچہ ترجمہ قرآن مولف عفی عنہ

اور قوم عرب اور اُن کے حالات وخیالات کی نہیں ہو سکتی) تو یہی بتاتا ہے کہ وہ نہ کبھی اُستاد پاس بیٹھا اور نہ اُسنے کبھی قلم ہاتھ میں پکڑا۔ چنانچہ سورۂ عنکبوت میں ہے "مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ" یعنی۔ نہیں پڑھ سکتا تھا تو (اے محمدؐ) نزول قرآن سے پہلے کچھ لکھا ہوا اور نہ لکھ سکتا تھا تو اپنے دائیں ہاتھ سے (اگر پڑھ لکھ سکتا) تو البتہ اُس وقت اِن باطل پرستوں (یعنی منکرین کو قرآن کے من اللہ ہونے میں شبہ کرنے کا موقع ہوتا" اور عُلماے مسیحی کے اعتراف سے بھی اُس کا اُمّی ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے محقق مولفین لکھتے ہیں کہ "اگرچہ محمدؐ کی طبیعت میں ہر شے کی تہ کو پہنچ جانیکا ایک قدرتی وصف تھا۔ مگر تعلیم اُسکی بہت ناقص تھی۔ اور اِسمیں بھی شبہ ہے کہ وہ پڑھ لکھ بھی سکتا تھا یا نہیں[۵۱] بلکہ زبان عربی کے قواعد نظم وقوافی سے وہ اسقدر ناواقف تھا کہ ایک شعر بھی بغیر کچھ نہ کچھ غلطی کرنیکے نہیں کہہ سکتا تھا۔ چنانچہ اِسی کے اشارہ کے طور پر قرآن کے ایک مشہور ومعروف سورہ میں اُسنے یوں کہا ہے "ہم نے محمدؐ کو فن شاعری نہیں سکھایا۔ اور نہ اُسکے لئے شاعر ہونا ضرور ہے"[۵۲]

---

[۵۱] گبن۔ کارلائل۔ ڈیون پورٹ۔ اور باسورتھ سمتھ صاحب نے بہت صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ آنحضرت لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ مولف عفی عنہ

[۵۲] یعنی مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ۔ قرآن مجید۔ سورۂ یاسین۔ مولف عفی عنہ

اور ریورینڈ راڈویل صاحب اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ "ہمارے پاس اس امر کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ ہماری کتب مقدسہ کبھی محمدؐ کو دستیاب ہوگئی ہوں گو یہ صرف ممکن ہے کہ عہد عتیق یا جدید کے ٹکڑے خدیجہ یا ورقہ* یا مکہ کے اور عیسائیوں کے ذریعہ سے جنکے پاس ہماری مقدس کتاب کے قلمی نسخے موجود ہوں گے اُس کے پاس پہنچ گئے ہوں + ++ اور یہہ امر بھی ذہن میں رکھنے کے لایق ہے

+ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت خدیجہ کا کیا مذہب تھا مگر ورقہ بن نوفل جو اُنکا چچازاد بھائی تھا بیشک عیسائی تھا۔ لیکن ان بے اصل احتمالات اور ظنون وشکوک سے اس صحیح اور ثابت امر کو کہ آنحضرت پڑھے لکھے نہ تھے کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اگر درحقیقت آپکو لکھنا پڑھنا آتا تو آپنے صحابہ اور رفقا اس امر میں کسی طرح سکوت اختیار نہ کرتے اور آپکی ازواج مطہرات اور عزیز واقربا اور بالخصوص آپکے چچا جنہوں نے آپکو پالا تھا بے خبر نہیں رہ سکتے تھے۔ اور نہ اُس نہایت درجہ کی اعلیٰ عقل کا جسکا اعتراف منکرین کو بھی ہے یہ مقتضا ہوسکتا تھا کہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کے سامنے خلاف واقع اپنے تئیں امّی فرماتے اور قرآن مجید میں بھی اسی لقب سے اپنے کو ظاہر کرتے۔ کیونکہ ایسی صورت میں مخالفین کو گرفت کا آسان موقع ہاتھ آجاتا۔ اور عقائد اسلام کی نسبت پر اُنکو ہرگز یقین نہ آتا۔ اور اس سے قطع نظر ایک ایسی خفیف بات کو چھپانے سے آپکو فائدہ ہی کیا تھا۔ کیونکہ پڑھا لکھا ہونا منصب نبوت کے کسی طرح مخالف نہیں ہوسکتا۔ مثلاً حضرت موسیٰ ہی کو دیکھو کہ پڑھے لکھے بلکہ فلسفہ مصریہ میں اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ تھے جیسا کہ لوقا نے رسالہ اعمال باب ۷ درس ۱۲ میں یہ تصریح لکھا ہے۔ اور اُنکا پڑھا لکھا ہونا توکتاب خروج باب ۲ درس ۲ اور یشوع باب ۸ درس ۳۲ سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰؑ بھی لکھنا پڑھنا

کہ ہمکو کوئی صاف سراغ اس امر کا نہیں ملتا کہ کوئی عربی ترجمہ عہد عتیق یا جدید کا محمدؐ کے زمانہ سے پہلے موجود تھا" اور ریورینڈ جان فنڈر صاحب نے بھی میزان الحق کے باب سویم میں صاف تصریح کی ہے کہ آنحضرت توریت و انجیل نہیں پڑھے تھے" یعنی زبان عبرانی و یونانی وغیرہ سے جنمیں توریت و انجیل منقول تھین ناواقف تھے۔ پس ثابت ہوا کہ کوئی اور ہی قوت قدسیہ تھی جس نے حضرت نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے کلام کے کرنے پر قادر کر دیا تھا کہ جس نے نہ صرف زند و اَستا وغیرہ کتب ادیان باطلہ کی مشرکانہ و خلاف حق تعلیمات پر خط نسخ کھینچ دیا بلکہ توریت و انجیل کے مولفون کی غلطیون کو بھی علانیہ ثابت کر دیا۔ فَلِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ ؎

نگار ما کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت	بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

حقیقت یہہ ہے کہ خدا نے انسان کو ایک ایسا وجود بنایا ہے کہ اگرچہ بلحاظ اپنے بعض قوا کے عام حیوانات کا مشارک ہے مثلاً سونا جاگنا۔ اُٹھنا بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ دیکھنا۔ سننا۔ وغیرہ مگر ایک قوت خاص کی وجہ سے جو صرف اسی کو بخشی گئی ہے اور جس کا نام عقل ہے اُن سے

جانتے تھے اور آپ نے قصبہ ناصرہ کے مدرسہ میں موسیٰ کی تعلیم پائی تھی جیسا کہ ڈین ملمن صاحب نے اپنی تاریخ کلیسا کی جلد اول باب سویم میں بالتصریح بیان کیا ہے۔ اور نہ آنحضرت کے پڑھے لکھے ہونے سے قرآن مجید کی شان اور اوسکے معجز اور بے مثل فصیح و بلیغ ہونے مین کچھ فرق آسکتا تھا کیونکہ حروف کے لکھ پڑھ لینے سے کوئی شخص فصیح و بلیغ نہین ہو سکتا اور پھر ایسا فصیح و بلیغ جسکا مثل عرب کے بڑے سے بڑے فصحا و بلغا میں کوئی بھی نہ تھا۔ مؤلف

ممتاز اور بالکل علیحدہ ہے۔ اور سوائے ہاتھ۔ پانو۔ آنکھ۔ ناک وغیرہ کی مشارکت
کے اور کسی چیز میں اُن سے مشابہ و مماثل نہیں ہے۔ جن قوامیں انسان
حیوانات کے ساتھ سہیم و شریک ہے۔ وہ فطرتاً ایسے ڈھنگ پر بنائی گئے
ہیں جو بغیر تعلیم و تربیت کے رشد حاصل کرتے ہیں اور جوں جوں انسان
عمر میں ترقی کرتا جاتا ہے وہ بھی زیادہ باقاعدہ اور قوی ہوتے
جاتے ہیں۔ یہانتک کہ ایک حد مناسب پر پہنچ جاتے ہیں۔ مگر عقل کا رشد
اور کمال تعلیم و تربیت پر موقوف ہے۔ اور بغیر سیکھنے بتانے اور پڑھنے پڑھانے کے
حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی فن کا اُستاد یا علم کا علامہ اگر اُس علم و فن میں تعلیم و تربیت
نہ پاوے تو ممکن نہیں کہ اُس فن کا اُستاد یا اُس علم کا علامہ بنجاوے اور ترقی کرتے
ایسے درجہ کمال کو پہنچ جاوے جو اُسکے ہمعصروں کو حاصل نہو۔ مگر یہہ حالت اکثر یہ ہے
اور تعلیم و تربیت اسی میں منحصر نہیں ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے
حاصل کرے۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حاصل کئے بغیر بھی حاصل
ہو جاتی ہے۔ اور انسان خود ہی کسی فن کا اُستاد یا علم کا علامہ بنجاتا ہے۔
چنانچہ تجربہ ہوا ہے کہ ایک شخص کی عقل فطرتاً ایسی روشن اور قوی ہوتی ہے کہ کسی
سے تعلیم و تربیت پانے کی محتاج نہیں ہوتی۔ اور وہ خود ہی مظاہر قدرت اور
اُنکے باہمی تعلقات پر غور کرکے ایسے نتیجے نکال لیتا ہے جو اُس سے پہلے
کسی کو بھی معلوم نہیں ہوتے۔ اور اُنکا موجد و مخترع سمجھا جاتا ہے۔ پس معلوم
ہوا۔ کہ اگرچہ قوائے عقلی کی تکمیل اور رشد کے لئے تعلیم و تربیت کا ہونا لازمی
ہے۔ مگر تعلیم و تربیت کے لئے کسی اُستاد یا معلم کا ہونا لازمی نہیں ہے

اور فطرت الٰہیہ خود ہی ایسی اُستاد اور معلم ہے کہ کبھی کبھی کسی انسان کو کسی علم یا فن کے متعلق کوئی ایسی بات بتا دیتی ہے جو اُس سے پہلے کسی کو معلوم نہیں ہوتی اور پھر اُس سے سنکر یا سیکھکر شدہ شدہ اکثر یا تمام انسان اُس سے واقف ہو جاتے ہیں۔ تمام علوم و فنون جو دنیا میں رائج ہیں۔ اگر اِن کا کھوج لگایا جاے تو یہی معلوم ہوگا کہ فلاں علم یا فن کی فلاں بات پہلے پہل فلاں شخص کو معلوم ہوئی تھی یا اُس نے نکالی تھی۔ اور پھر اُس سے سنکر یا سیکھکر فلاں شخص نے دنیا میں اُسکو پھیلایا تھا اور پھر فلاں شخص نے اُسکی اصلاح کی تھی یا اسمیں کچھ گھٹا بڑھا کر اُسکو ترقی دی تھی۔ پس جبکہ قدرت نے اِس پتلے کو جسکا نام انسان ہے فطرتاً ایسا بنایا ہے کہ امور معاش میں اپنے ابناے جنس سے استعانت کے بغیر اُسکو چارہ نہیں اور اسی واسطے مدنی الطبع کہلاتا ہے یعنی بالطبع اپنے ہمجنسوں کے ساتھ اکھٹے ہو کر رہنے اور ایکدوسرے سے مدد حاصل کرنے پر مجبور ہے اور قدرت نے اُس کی حاجات و ضروریات کے موافق معاش کے متعلق علوم و فنون کا القا وقتاً فوقتاً اُسی کے ابناے جنس کے بعض لوگوں پر جو اپنی فطرت کی رو سے اُس کی قابلیت رکھتے تھے کیا ہے۔ جس سے اِنسان کی زندگی اور اُسکے امور معاش میں اُس کو کامل درجہ کی سہولت اور آسانی حاصل ہوگئی ہے۔ اور یہ فیضان الٰہی ابتداے پیدایش انسان سے ابتک برابر جاری ہے۔ اور یقین ہے کہ آیندہ بھی جاری رہیگا تو اُس عنایت ازلیہ کا جسنے اِس ناچیز وجود کو طبعاً اپنے مبدا و معاد کے جاننے اور

اپنے خالق و مالک کی مرضی و منشا کے معلوم کرنے پر بھی مکلف کیا ہے اور وجہ تکلیف یعنی وہ قوت جسکو عقل انسانی یا عقل کلی کہتے ہیں ہر ایک کی استعداد و قابلیت کے موافق اُسکو عطا کی ہے۔ اور کوئی بشر اُس سے خالی نہیں ہے یہہ مقتضا نہیں ہو سکتا کہ جس طرح اُسنے اپنے کمال فضل و رحمت سے انسان کی فانی اور چند روزہ زندگانی کی آسایش و آرام کے لئے ایسا کچھ انتظام کر دیا ہے۔ جو اُسکی نوع کے قوام و قیام کے لئے ضروری بلکہ اُس سے بھی زیادہ ہے۔ اُسیطرح اُسکی حیات باقی و ابدی کے آرام و راحت کا فکر اُسنے نہ کیا ہو اور اوسکا تدارک نفرمایا ہو۔ پس ضرور ہوا کہ وقتاً فوقتاً قانون کی حالت و حیثیت کے موافق اُنہیں میں سے بعض اشخاص پر جو اپنی فطرت و جبلت کی رو سے اُسکے قابل ہوں اُن اُمور کا القا فرماے۔ جو انسان کی آیندہ زندگی کی حاجات و ضروریات کی کفالت کر سکیں۔ کیونکہ تمام انسان جس طرح فرداً فرداً معاش کے متعلق علوم و فنون کے معلوم کرنے کی فطرتاً قابلیت نہیں رکھتے اور اس نقص قابلیت کی وجہ سے ایکدوسرے کی استعانت کے محتاج ہیں اُسی طرح اس امر کی استعداد بھی اُن کو حاصل نہیں ہے کہ اُن میں کا ہر ایک شخص اُس لامعلوم اور سب سے برتر وجود کو جس کا نام اللہ ہے اور اُسکی صفات اور اُسکے اوامر و نواہی اور اوس کے طریقہ عبادت کو دریافت کر سکے۔ کیونکہ وہ نہ اُس وجود مقدس کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ چھو سکتے ہیں اور نہ اُس سے بات چیت کر سکتے ہیں اور نہ وہی بسبب اُنکی ناقابلیت فطری کے اُنسے اپنی مرضی و منشا کا اظہار فرما سکتا ہے

پس جن لوگوں پر اُس فیاض مطلق کی جانب سے اُن امور کا القا ہوتا ہے
جو تہذیب نفس انسانی اور اُسکے درجۂ کمال و سعادتِ اُخروی کے حاصل
کرنے کے لئے ضروری ہیں وہ اگرچہ شکل و صورت میں عام انسانوں
ہی کے موافق ہوتے ہیں مگر جس طرح انسان بسبب ایک خاص قوت
کے جسکا بیان ہم اوپر کر آئے ہیں باوجود مشارکت بعض قوا و اعضا کے عام
حیوانات سے علیحدہ اور بالکل جُدا ہیں اُسی طرح یہہ بھی ایک امرِ خاص
یعنی ملکہ نبوت یا قابلیت تلقّی وحی کی وجہ سے عام انسانوں سے بالکل
متمیز و مستثنےٰ ہیں اور اُنہیں کو اصطلاح میں پیغمبر اور نبی کہتے ہیں اور
انکا ہونا ویسا ہی ضروری اور لابُدی ہے جیسا کہ اُمور معاش کے متعلق
علوم و فنون کے معلوم اور ایجاد کرنے والوں کا ہونا ضروری ہے۔
اور جس طرح وہ مظاہر قدرت کے باہمی تعلقات پر غور و فکر کر کے امور حسّی و
جزوی یعنی معاش کے متعلق علوم و فنون کو معلوم کر لیتے ہیں اُسی
طرح یہہ بھی صحیفۂ قدرت کی آیات بیّنات کو بغور پڑھکر امور عقلی و کلی یعنی
معاد اور تہذیب نفس اور اُسکے کمال و سعادتِ اُخروی کا علم حاصل
کر لیتے ہیں۔ اور اپنے سے ناقص اور کم درجہ کے لوگوں کو اُسکی تعلیم
کرتے ہیں۔ اور سب سے مقدم کام انکا لوگوں کو اُس سب سے برتر اور
سب سے قوی اور ہمہ قدرت وجود کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے جس کا نام
خدا ہے۔ اور اسکے بعد اُن امور کا تعلیم کرنا جو منشاے الٰہی کے
موافق یا مخالف یعنی اپنی فطرت کی رو سے اچھے یا بُرے یا یوں سمجھو کہ

طبعاً تہذیب نفس انسانی کے موافق یا مخالف ہیں اور جنکا نام زبان شرع
میں اوامر و نواہی ہے گو کہ اُن میں سے بعض کا اُن کی فطرت کی رو سے
اچھا یا بُرا ہونا بعض یا اکثر انسانوں کے نقص عقل کی وجہ سے اُن کی سمجھ
سے باہر ہو۔ تاکہ ہر ایک انسان اپنی حیثیت و قابلیت کے موافق اُس
تعلیم سے مستفید ہو کر اُس درجہ کمال کو پہنچ جاوے جس کا نام سعادت اُخروی
یا حیات ابدی یا جنّت خُلد ہے۔ یہی مطلب اُس حدیث شریف سے
مستفاد ہوتا ہے جو رئیس المحدثین شیخ محمّد بن یعقوب
کلینی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "جامع کافی" کے باب اضطرار الی الحجۃ
میں ہشام بن الحکم کی سند پر جناب امام بحق ناطق جعفر بن
محمّد الصادق علیہ السلام سے نقل کی ہے اور وہ یہ ہے۔
اَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ لِلزِّنْدِیْقِ الَّذِیْ سَأَلَہٗ مِنْ اَیْنَ اَثْبَتَ الْاَنْبِیَاءَ
وَالرُّسُلَ۔ قَالَ اِنَّا لَمَّا اَثْبَتْنَا اَنَّ لَنَا خَالِقًا صَانِعًا مُتَعَالِیًا عَنَّا وَعَنْ جَمِیْعِ
مَا خَلَقَ وَکَانَ ذَالِکَ الصَّانِعُ حَکِیْمًا مُتَعَالِیًا لَمْ یَجُزْ اَنْ یُّشَاہِدَہٗ
خَلْقُہٗ وَلَا یُلَامِسُوْہُ فَیُبَاشِرَہُمْ وَیُبَاشِرُوْنَہٗ وَیُحَاجَّہُمْ وَیُحَاجُّوْنَہٗ
ثَبَتَ اَنَّ لَہٗ سُفَرَاءَ فِیْ خَلْقِہٖ یُعَبِّرُوْنَ عَنْہُ اِلَی الْخَلْقِ وَعِبَادِہٖ وَیَدُلُّوْنَہُمْ
عَلٰی مَصَالِحِہِمْ وَمَنَافِعِہِمْ وَمَا بِہٖ بَقَاءُہُمْ وَفِیْ تَرْکِہٖ فَنَاءُہُمْ فَثَبَتَ
الْاٰمِرُوْنَ وَالنَّاہُوْنَ عَنِ الْحَکِیْمِ الْعَلِیْمِ فِیْ خَلْقِہٖ وَالْمُعَبِّرُوْنَ عَنْہُ جَلَّ وَعَزَّ
وَہُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَصَفْوَتُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ حُکَمَاءُ مُؤَدَّبِیْنَ بِالْحِکْمَۃِ مَبْعُوْثِیْنَ بِہَا
غَیْرُ مُشَارِکِیْنَ لِلنَّاسِ عَلٰی مُشَارَکَتِہِمْ لَہُمْ فِی الْخَلْقِ وَالتَّرْکِیْبِ فِیْ شَیْءٍ

مِنْ اَحْوَالِهِمْ مُؤَيَّدِيْنَ عِنْدَ الْحَكِيْمِ الْعَلِيْمِ بِالْحِكْمَةِ ثُمَّ ثَبَتَ ذَالِكَ
فِيْ كُلِّ دَهْرٍ وَّزَمَانٍ مِّمَّا اَنْتَجَتْهُ الرُّسُلُ وَالْاَنْبِيَاءُ مِنَ الدَّلَائِلِ وَالْبَرَاهِيْنِ
لِكَيْلَا يَخْلُوَ اَرْضُ اللّٰهِ مِنْ حُجَّةٍ يَكُوْنُ مَعَهٗ عِلْمٌ يَدُلُّ عَلٰى صِدْقِ مَقَالَتِهٖ
وَجَوَازِ عِدَالَتِهٖ"

یہ مدعا جو ہمنے بیان کیا جیسا کہ عقلاً ثابت ہے ویسا ہی انسان
کی تاریخ سے بھی اسکا ثبوت ہوتا ہے مثلاً اُس نوجوان شخص کے حال
پر غور کرو جس کا نام ابراھیم تھا اور جو ایک ستارہ پرست قوم اور
بت تراش گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ اور بچپن سے انہیں خیالات و
اعتقادات کو سنتا رہا تھا جو اُسکی قوم میں شایع و ذایع تھے کہ جب اُسنے
پہلے پہل مظاہر قدرت میں سے ایک چمکیلی عجیب و غریب چیز یعنی
ایک ستارہ کو تفکر و تدبر کی نظر سے دیکھا اور اپنی قوم کے خیالات و اعتقادات
پر غور کیا جو ستاروں کو موثر بالذات اور نافع یا مضر رساں جانتے اور
اون کی پوجا اور پرستش کرتے تھے اور از انکار کے طور پر اپنے دل سے
پوچھا "ھٰذَا رَبِّیْ" کیا یہ میرا مالک و پروردگار ہے؟ اور جب
وہ چھپ گیا اور چاند چمکتا اور ڈھلتا نظر آیا تو پھر وہی بات کہی۔ اور پھر
سورج کو چمکتا دیکھکر بولا۔ پھر کیا یہ میرا مالک و پروردگار ہے۔ یہ تو اُن
سے بھی بڑا ہے؟ اور پھر اپنے ہی دل سے جواب پاکر بول اُٹھا
"اِنِّیْ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ" میں تو غروب ہو جانے والوں کو دوست
نہیں رکھتا۔ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہدیا کہ جن چیزوں کو

تم خدا کا شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں - اور اپنے دلی یقین
سے صرف اُسی کو اپنا مالک و پروردگار جانتا ہوں جس نے آسمان
اور زمین کو پیدا کیا ہے" اگر اُسکو یہ سچی اور حق باتیں فطرت نے نہیں سکھائی
تھیں تو کس نے سکھائی تھیں؟ پس یہی حال اُس پاک طینت اور قدسی
صفت یتیم بچے کا ہوا جو ایک ریگستانی اور جنگلی ملک میں پیدا ہوا تھا -
اور بنی سعد کی بکریاں چرایا کرتا تھا - اور جس نے ابتداے پیدایش
سے چالیس برس تک ایسے لوگوں میں زندگی بسر کی تھی جو لات و
عزّیٰ وغیرہ بتوں کی پرستش کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے
مگر خود کبھی نہیں بھٹکا تھا - کہ جب اُسنے اُس قوت قدسیہ کی تحریک سے
جو خدا نے اُسکی فطرت میں ودیعت کی تھی اپنے اور اپنے گرد و پیش کی
چیزوں اور اپنی قوم کی راہ و رسم اور پرستش و عبادت پر غور و فکر کیا
اور امر حق کا استلاشی ہوا - تو یکایک حق و صدق کی وہ ربّانی روشنی اُس کے
دل پر چمکی جس کی حقیقت اور غایت و غرض کو خود اُس روشنی کے اُتارنے
والے نے یوں بیان کیا "وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ - نَزَلَ بِهِ
الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ" (قرآن مجید
سورۂ شعرا) اور جس نے نہ صرف اُسی کو بلکہ ایک جہان کو منوّر کر دیا -
اور جس کی نسبت مُھلڈ جو ایک محقق عیسائی مورخ ہے منکرین سے
سوال کرتا ہے کہ "یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک مذہبی شعلہ جو اگرچہ
ایک بیابان میں سے اُٹھا تھا مگر جس نے اسقدر قابل حیرت قلیل مدت

میں تمام ایشیا میں آگ بھڑکا دی وہ ایسے دل میں سے نکلا ہو جس میں اُسکی
کچھ بھی گرمی موجود نہو؟" پس جو لوگ اپنی عقول ناقصہ و نفوس مظلمہ
پر قیاس کر کے ایک ایسے فصیح و بلیغ اور پر از مطابق و معارف کلام کے
صدور کو جیسا کہ قرآن مجید ہے ایک ایسے شخص سے جو محض امّی ہو
مستبعد سمجھتے ہیں۔ اور طرح طرح کے شبہات و خدشات اُن کو ہوتے ہیں
یا تو وہ عقل انسانی اور نفس نبوی کے خواص و ملکات۔ اور فطرت الہیہ کے
فیضان و تصرفات سے بیخبر اور غافل ہیں۔ یا مکابر و معاند ہیں جو دیدہ و دانستہ
پاس مذہب وغیرہ کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ ورنہ جو لوگ قدرت
کے تصرفات و عادات۔ اور عقل انسانی کے کمالات و ملکات
سے واقف ہیں۔ اور اُن کا دل خدا نے حق باتوں کے سمجھنے اور
قبول کر لینے کے لئے کھول دیا ہے۔ وہ نہ اس کو کچھ مستبعد
ہی جانتے ہیں اور نہ انکار ہی کرتے ہیں۔ بلکہ صاف صاف حضرت
نبی اُمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت حقہ۔ اور تقدس و بزرگی۔ اور آپ کے
ملہم و موید من اللہ۔ اور قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کو تسلیم کرتے
ہیں۔ اور تسلیم ہی نہیں کرتے۔ بلکہ بڑی اونچی آواز سے اُس کی شہادت
بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر کارلائل مرحوم جو محقق و
مشاہیر فضلاے یورپ سے ہیں۔ اُن معاندین کے اقوال
کے رد میں جو بعض جھوٹے نقایص کا اتہام آنحضرت پر لگاتے

* دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ مضمون "محمد اور اسکا مذہب" مؤلف عفی عنہ

ہیں - فرماتے ہیں کہ "ہا! ایسا ہرگز نہیں - یہ ژرف نگاہ شخص جو جنگلی
ملک میں پیدا ہوا تھا اپنے دل میں کھب جانے والی سیاہ آنکھوں اور
شگفتہ اور با اخلاق اور پُر غور طبیعت کے ساتھ بجائے جاہ طلبی کے
کچھ اور ہی خیالات رکھتا تھا - وہ ایک ذی سکینہ اور غیر معمولی طاقتوں
والی روح تھا - اور اُن لوگوں میں سے تھا جو سوائے راستباز ہونیکے
اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے - اور جس کو خود قدرت نے سچا اور راستباز پیدا
کیا تھا - جبکہ اور لوگ مقررہ عقیدوں اور روایتوں پر چلتے اور اُنہیں پر قانع
تھے - یہ شخص اُن عقائد و روایات کے حجاب میں نہ رہ سکتا
تھا - اور اپنی روح اور حقایق اشیا کے معلوم کرنے میں اوروں سے
ستتنے تھا - اور جیسا کہ مینے بیان کیا ہے ہستی مطلق کا سرِ عظیم مع اپنے جلال
و جمال کے اُسپر کھل گیا تھا - اور پرانی روایتیں اُس حقیقت پر جس کے بیان
میں ناطقہ عاجز ہے - اور جس نے اپنے تئیں "میں ہوں" سے تعبیر
کیا - پردہ نہ ڈال سکیں - ایسا صدق جس کا ہم نے کوئی اور بہتر لفظ نہ ملنے
کی وجہ سے صدق نام رکھا ہے فی الحقیقت منجملہ آثار الٰہی ہے - ایسے شخص
کا کلام ایک آواز ہے جو بلا واسطہ فطرت الٰہیہ کے قلب سے نکلتی ہے
جسے انسان سنتے ہیں اور جس کے سننے میں اور چیزوں کی بہ نسبت
زیادہ توجہ چاہیئے - کیونکہ اُس کے مقابلہ میں اور جو کچھ ہے وہ

+ اُس خطاب الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی نسبت وادی ایمن میں ہوا تھا - جس کا
ذکر توریت کی کتاب خروج باب سوئم درس چہارم میں ہے - مؤلف عفی عنہ

اور ابتدا سے اُنہیں کے خیالات کے سنتے رہنے۔ اور اُنکو سچ سمجھنے یا بعض
اشخاص کی نسبت حسنِ ظن پیدا کرنے۔ اور اُنکی راے اور سمجھ پر بھروسہ کر لینے
سے جو مدنی الطبع ہونیکے لوازم ہیں۔ عقل اکثر متاثر اور مغلوب ہو جاتی ہے
اسلئے اگرچہ تقریباً تمام انسان اُس لامعلوم وجود کے تصور میں۔ یعنی
اِس امر میں کہ اُنکا خالق اور اُنکے وجود کا سببِ اخیر کوئی ہے غلطی نہیں کرتے
مگر اُس کی تعیین و تصدیق میں اکثر دھوکے میں پڑ جاتے ہیں۔ اور کوئی
کسی چیز میں اور کوئی کسی چیز میں الوہیت اور اُسکے موثر بالذات ہونے
کا یقین کر لیتا ہے۔ اور اُسکی رضامندی حاصل کرنے یا خفگی سے بچنے
کے خیال سے اُسکی پوجا اور پرستش کرتا ہے۔ اور اِس طرح سے
گوناگوں مذاہب پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر انسان کا اصلی اور حقیقی مذہب صرف
ایک ہی ہے۔ جسپر وہ پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی اُس ذات مقدس کو جو تمام
موجودات کی علتِ اخیر اور اون کی خالق ہے۔ موجود اور یکہ و یگانہ
اور تمام صفاتِ کمال سے موصوف اور نقایص سے منزہ و مبرا جاننا
اور الوہیت کو صرف اُسی میں منحصر سمجھکر اُسکے سوا تمام ممکنات و مخلوقات کو
ناقابل پرستش و عبادت سمجھنا۔ جیسا کہ فطرت انسانی کے اُس سب سے
بڑے واعظ نے جسکے مبارک و محمود نام کی تعظیم و تکریم اسلام کا دوسرا
رُکن ہے فرمایا "کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ حَتّٰی یَکُوْنَ اَبَوَاہُ ھُمَا الَّذَانِ
یُھَوِّدَانِہٖ وَیُنَصِّرَانِہٖ وَیُمَجِّسَانِہٖ" یعنی ہر ایک بچہ اُسی
دین پر پیدا ہوتا ہے جو اُسکا فطری اور طبعی دین ہے (یعنی توحید

کے دین پر جس کا دوسرا نام اسلام ہے) مگر ماں باپ کی صحبت اور
تعلیم و تلقین اور اُن کے خیالات و اعتقادات کے سنتے رہنے اور اُن کی
سمجھ اور رائے پر بھروسہ کر لینے کی وجہ سے کوئی یَھُوْدِیْ ہو جاتا ہے
کوئی نَصْرَانِیْ اور کوئی مَجُوْسِیْ" اس لئے اِس نادان پتلے کے بنانے
والے نے اپنی کمال مہربانی سے کہ تکلیف مالایطاق نہو اُس کے
مذکورہ بالا فرض کو کسیقدر ہلکا کر دیا ہے۔ یعنی اُسکی عدم بجا آوری کی
مکافات کو ایک دوسرے امر یعنی خدا کے رسولوں کے انکار اور اُن کی
نصیحتوں کے نہ ماننے اور جو اوامر و نواہی وہ پہنچائیں اُن پر عمل نہ کرنے
سے متعلق کر دیا ہے۔ جیسا کہ اُس نے خود فرمایا۔ "وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی
نَبْعَثَ رَسُوْلًا" یعنی ہم عذاب دینے والے نہیں جب تک
کہ کسی پیغمبر کو نہ بھیج چکیں" اور اس غرض کے پورا ہونیکے لئے اگرچہ
وقتاً فوقتاً اُسکے رسول دنیا میں آتے رہے جنہوں نے انسانوں کی حالت
و حیثیت اور اُن کے فہم و لیاقت کے موافق اُنکو تعلیم و تلقین کی اور اسی
میں اپنی عمر صرف کر ڈالیں۔ مگر چونکہ وہ تعلیم کسی ایسی بنیاد اور دلیل پر
مبنی نہ تھی جو بخوبی تمام لوگوں کی سمجھ میں آسکے اور وہ اُسکو نہ بھول سکیں
اسلئے لوگوں نے یا تو اُس پر یقین ہی نہ کیا یا یقین کیا مگر پھر بھول گئے۔ اور
اسکی جگہہ اپنی ناسمجھی سے ایک اور ایسے امر پر یقین کر لیا جو خدا کی مرضی و
منشا اور اُسکے رسولوں کی تعلیم اور خود اُس امر کے برخلاف تھا جس پر خدا
نے انسان کو اُس کی فطرت کی رو سے مکلف کیا ہے۔ مثلاً اُس مقدس

واولوالعزم شخص کے حال پر غور کرو جو اپنی قوم کے ہزارہا آدمیوں کو سمندر
مین سے محفوظ و مصئون لے نکلا تھا۔ اور اُن کا دشمن اپنے لاؤلشکر سمیت
اُس مین ڈوب گیا تھا۔ کہ باوجودیکہ اُس نے اُنکو ایسی بلاؤن اور مصیبتون سے
چھڑایا کہ جن کا دفعیہ اُنکے امکان سے باہر تھا اور بات بھی وہ بتائی جس سے
زیادہ سچی بات نہین ہے۔ پھر بھی اُنہون نے اپنے قصور فہم سے اُس پر
یقین نہ کیا اور صاف کہدیا کہ جب تک تو خدا کو ہمارے سامنے نہ کردے
اور ہم اوس کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں! ہم کو تو تیرے کہنے پر یقین نہیں آتا
اور بعض لوگوں نے جو اُوپرے دِل سے کچھ یقین کیا وہ بھی پھر شبہ میں
پڑگئے۔ اور اُنہیں محسوس چیزوں کی طرف اُن کی طبیعتیں مائل ہوگئیں جنکو
اپنی ابتداے پیدایش سے بچھڑا دیکھتے رہے تھے۔ یہی حالت ایک اور
پاک اور نہایت مسکین وغریب آدمی کی ہوئی جو ایک خداپرست مگر نہایت
سنگدل اور شدید التعصب قوم کی تہذیب نفس واصلاح اخلاق کے لئے
آیا تھا۔ کہ جب اُس نے اُنکی نالایق اور خلاف اخلاق باتون پر اُن کو ملامت
کرنی شروع کی تو اوس کی جان کے دشمن بنگئے اور قریب تین سال
کے جد وجہد مین مٹھی بھر آدمیون کے سوا (جو وہ بھی اپنے ایمان پر پختہ نہ تھے
جیسا کہ ہم مشروحاً لکھ آے ہیں) کسی نے بھی اُسکی بات کو نہ مانا۔ اور کسی معجزہ
اور کرامت نے کوئی مفید اثر پیدا نہ کیا اور آخرکار کال دیبری نامی پہاڑی پر (جو
بیت المقدس کے جنوب کی جانب ہے) وہ واقعہ پیش آیا جس کا ہم سب کو
افسوس ہے۔ اور اُس کے دُنیا سے اُٹھ جانے کے بعد عجائب پرست

طبیعتون نے اپنی نادانی سے خدا کو چھوڑ کر خود اُسی مین الوہیت کا یقین کر لیا
بلکہ سچ پوچھو تو وہ عجائبات ہی اُن کے دھوکے مین پڑنے۔ اور گمراہ ہو جانے
کے باعث ہوئے۔ پر کس قدر تعظیم و تکریم کا مستحق ہے۔ وہ سب سے
بزرگ اور سب سے یادہ واجب الادب انسان جو ایک اُمّی قوم مین پیدا
ہوا تھا اور جس نے معلم ازلی سے پہلا سبق یہ حاصل کیا تھا۔
"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ
الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" یعنی پڑھ
(کتاب فطرت کو) اپنے پروردگار کا نام لے جس نے تمام مخلوقات
کو بنایا۔ انسان جیسی چیز کو لہو کی ایک پھٹکی سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا
پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے جس نے سکھایا انسان کو قلم کے
ذریعے سے سکھائیں انسان کو جو نہ جانتا تھا۔ کہ جب سب سے پہلے اس بڑے کام کے انجام
دینے کے لئے اُس کی باری آئی تو خدا نے اُس کے یقین کی ناکامیابی
کے جواب سے اُس کو مطلع کر دیا اور اُس نے بقول فاضل شہیر
مسٹر واشبرن ہوپکنس صاحب اکر جن کی رائے میں جسقدر علوم و فنون
صحیحہ کو ترقی ہوتی جائے گی اُسی قدر خارق عادت کا دائرہ تنگ ہوتا جائیگا
اور اسوجہ سے ایک ایسا ثبوت جو ایک سے زمانہ کے لئے کافی ہے جو
تخیلات کی بنیاد پر کچھ کچھ باتیں گھڑ لے ... فنون اور تحقیق و تدقیق کے
زمانہ سے ٹھیک طور پر مطابق نہیں ... سلامت کے اخلاقی

ثبوتوں کو معجزوں پر ترجیح دی اور اس طرح پر ایک ایسے خیال کی نبض کو پہچان لیا جو علوم و فنون کی روز افزوں ترقی اور فطرت انسانی کی مسلّمہ کمزوری سے بالکل موافق ہے" اور خدا کی ہدایت سے اپنی تعلیم کی بنیاد ایسے بدیہی اور مستحکم اصول پر رکھی کہ جس میں شک و شبہ اور تغیر و تبدل کا امکان ہی نہیں۔ یعنی مظاہر قدرت اور خود انسان کی فطرت پر چنانچہ خدا نے اس کی زبان سے کہلایا۔

۱۔ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ۔ (سورۂ انفطار)

۲۔ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ۔ (سورۂ طارق)

۳۔ اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ۔+ (سورۂ روم)

۴۔ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ۔ (ایضاً)

۵۔ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔ (ایضاً)

۶۔ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ۔ (ایضاً)

۷۔ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ۔ (ایضاً)

۸۔ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیِیْ

+ قال الزجاج معناه الا خلق السموات والارض الا لاقامة الحق یعنی الدلالة علی الصانع۔ مجمع البیان

بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ (سورہ روم)

۹۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ط (ایضاً)

۱۰۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ ۔ (ایضاً)

۱۱۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ
يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۔ ج (ایضاً)

۱۲۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ (سورہ مومنون)

۱۳ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۖ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا
تَاْكُلُوْنَ ۙ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ
وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ
كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ۔ ایضاً

۱۴۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط
لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (سورہ روم)

۱۔ (یعنی) "اے اپنے خدا کو بھولے ہوئے آدمی! کس چیز نے تجکو
بہکایا تیرے رب کریم سے جس نے تجکو پیدا کیا۔ پھر درست کیا پھر سڈول
اور جس صورت کا چاہا بنا دیا۔"

۲ "پس دیکھ! کہ تو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ پیدا کیا گیا ہے اُچھلتے پانی
سے جو مرد کی پیٹھ اور عورت کی چھاتی کی ہڈیون مین سے نکلتا ہے۔"

---

* اِن آیات شریفہ کا ترجمہ ہمنے بطور حاصل معنی کے کیا ہے۔ پس کوئی غلطی کا شبہ نہ کرے۔ مؤلف عفی عنہ

۳۔ "تم اپنے ہی دل مین کیون نہین سوچتے؟ نہین پیدا کیا خدا نے آسمان اور زمین کو۔ مگر اپنی خالقیت کے ثبوت کے لئے"

۴۔ "اور اُسی کی نشانیون مین سے ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم انسان ہو جا بجا پھیلے ہوئے"

۵۔ "اور اُسی کی نشانیون مین سے ہے کہ تمہارے لئے تمہارا ہمجنس جوڑا پیدا کیا تاکہ اُس سے دل کو چین رہے۔ اور ایک عجیب قسم کی محبت اور دل کی بگھلاہٹ تم میں رکھی"

۶۔ "اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمان اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری بولیون کا اور تمہاری رنگتون کا مختلف ہونا"

۷ "اور اُسی کی نشانیون میں سے ہے رات کو تمہارا سو رہنا اور دن کو روٹی کے دھندے میں لگنا"

۸۔ "اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ تم کو بجلی چمکا کر دکھاتا ہے جس میں کڑک کا ڈر اور مینہہ کی للچاہٹ ہے اور اوپر سے پانی برساتا ہے۔ پھر اُس سے مری ہوئی زمین کو زندہ کر دیتا ہے"

۹۔ "اور اُسی کی نشانیون مین سے ہے کہ آسمان اور زمین اُسکے حکم سے تھمے ہوئے ہیں"

۱۰۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ سیلی ہوا کو مینہہ کی خوشخبری دینے کے لئے بھیجتا ہے"

۱۱۔ "وہی تو ہے خدا جو ہوا کو چلاتا ہے۔ پھر اُس سے بادلوں کو ہنکاتا ہے

پھر تمام آسمان مین جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے - پھر اُن کو تہ بتہ کر دیتا ہے - پھر تم دیکھتے ہو کہ اُن میں سے بوندیاں نکلتی ہیں"

۱۲ - "اور آسمان سے اندازہ کے موافق مینہہ برساتا ہے پھر اُسکو زمین پر ٹھیراتا ہے"

۱۳ - "پھر اُس سے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغ اگاتا ہے اور بہت سے میوے پیدا کرتا ہے جن کو تم کھاتے ہو - اور کوہ طور میں سے ایک قسم کا درخت اُگاتا ہے کہ جس میں سے کھانے کے لئے تیل نکلتا ہے" (یعنی زیتون کا درخت جس کے تیل کو شام اور عرب وغیرہ ملکوں کے لوگ گھی کی طرح بہت شوق سے کھاتے ہیں) "اور تمہارے لئے تو چوپایوں میں بھی بڑی نصیحت ہے - اُن کی چھاتیوں میں سے جو کچھ نکلتا ہے اُس کو تم پیتے ہو اور اور اُن سے اور بہت سے فائدے اُٹھاتے ہو - بعضے اُن میں سے تمہارے کھانے میں آتے ہیں اور اُن پر اور نیز کشتیوں پر لدے پھرتے ہو"

۱۴ - "پس سیدھے دل سے اُس دین پر قائم ہو جو خدا کا دین ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (کیونکہ) جو کچھ خدا نے بنایا ہے اُس میں اوّل بدل ناممکن ہے - یہی ہے سیدھا قابل زوال دین مگر اکثر لوگ نہیں جانتے"

اللہ اکبر کیسا بدیہی اور مُوجہہ طریقہ استدلال کا ہے - اور کیسے فصیح و بلیغ

اور دل پر اثر کرنے والے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان خواہ کیسا ہی
ضدی اور ہٹیلا کیوں نہ تسلیم کرنے کے بغیر اُسکو چارہ ہی نہیں جیسا کہ خود
اُس کے بنانے والے نے فرمایا "وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
طَوْعًا وَّكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ" یعنی جو کچھ کہ آسمان اور زمین
میں ہے اُسکو خدا کی خالقیت کو ماننا ہی پڑا ہے خوشی سے خواہ مجبوری سے
اور اُسی کی طرف پھر جائیں گے۔ کیونکہ خود ہر ذرہ وجود اس امر کو ثابت کرتا ہے
کہ اُن سب کا صانع یا اُن سب کے وجود کا سبب الخیر یا علت العلل
کوئی ہے۔ اور معرفت الٰہی کے [illegible] بتایا ہے جس نے یہ فرمایا "مَنْ
عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ"* اور ان چیزوں کا جو ہم جان سکتے یا سمجھ سکتے یا
خیال کر سکتے ہیں ایسی ترتیب اور ایسی مناسبت اور ایسے انتظام کے ساتھ

* کسی بزرگ نے اس حدیث شریف نبوی کی شرح لکھی تھی۔ اور اُس کو خواب کے پیرایہ
میں بیان کیا تھا اور "خواب معرفت" اُسکا نام رکھا تھا جس کو مناسبت مقام کی وجہ سے یہاں
لکھدینا مناسب معلوم ہوا اور وہ یہ ہے۔

"رات جو میں اپنی ہستی سے کسی قدر بیخبر ہو کر سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایسے لق و دق
بیابان میں موجود ہوں جس کی وسعت میں یہ سارا عالم اپنے تمام موجودات سمیت کھو جائے۔
لیکن یہ تمام صحرا بے آب و علف و بیخانماں نظر آیا اور ایسا کوئی بھی وہاں معلوم نہ ہوا جس سے
پوچھ سکوں کہ یہ کیا مقام ہے۔ اگر سوچنے سوچنے اپنے ہی دل سے کہا کہ یہ صحرا ہے
علم ہے کہ جس کے جنوب ہے نہ شمال مشرق ہے نہ مغرب۔ فوق ہے نہ تحت۔ اور
ایسا سنسان ہو کا مکان ہے کہ سوائے نام اللہ کے کوئی بھی چیز موجود نہیں ہے (کان اللہ و

ہونا کہ جس سے عقل حیران ہوتی ہے ہمکو یہہ بتاتا ہے کہ یہہ سب چیزیں آپ ہی آپ ایسی عمدگی کے ساتھ نہیں ہوسکتیں - بیشک انکو کسی بے نظیر استاد نے سمجھ بوجھکر بنایا ہے جیسا کہ اُس نے اسکی دلیلوں کو خود اپنے پاک کلام میں نہایت آسان اور عام فہم طریقہ میں یوں بیان فرمایا "اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ

"اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ"

"اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ (سورۂ نمل)

"لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" (سورۂ انبیاء)

لم یکن معہ شیئا) میں اپنے دل کے ساتھ یہ باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں کہیں سے بے حرف وصوت ایک دو حرفی مگر نہایت پر حکمت آواز (کلمہ جامعہ کن کی طرف اشارہ ہے) ہوئی جسکے سنتے ہی نہ معلوم کہاں سے اور کس طرح تمام زمین و آسمان - ستارے چاند - سورج - آگ - پانی - ہوا - اور تمام چرند و پرند و حجر و شجر ایک دم کے دم میں آن موجود ہوے - اور وہ تمام صحرا جو سنسان پڑا ہوا تھا بھر گیا - اور اس قدر انواع و اقسام کی خلقت پیدا ہوگئی کہ اگر ان کی شمار کے لئے سمندروں کو دوات اور تمام دنیا کے درختوں کی شاخوں کو قلم بناؤں تو بھی صفحۂ آسمان پر نہ لکھ سکوں - یہہ حیرت انگیز تماشا دیکھکر مجھے ایسے تعجب نے گھیر لیا کہ جس قدر سوچتا اور معلوم کرنا چاہتا تھا اُسی قدر

یعنی "کس نے پیدا کیا آسمان و زمین اور کس نے برسایا تمہارے لئے مینہ پھر اُس سے نہایت پر رونق باغ اُگائے۔ تم کو تو اُن کے اُگانے کی قدرت نہ تھی؛ پھر کیا خُدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے؟ کس نے زمین کو تمہارے رہنے کی جگہہ بنایا؟ - اور کس نے اُسکے بیچ میں ندیاں بہائیں؟ اور کس نے بنائے اُسکے (اپنے مرکز ثقل پر تُلے رہنے کے) لئے بوجھل پہاڑ؟ - اور کس نے بنایا دو سمندروں کے بیچ میں (زمین کو) آڑ؟ پھر کیا خُدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے؟ کون تم کو اندھیرے جنگلوں میں اور سمندر میں رستہ بتاتا ہے؟ کون (مینہ برسنے سے پہلے) اپنی مہربانی کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہوا بھیجتا ہے؟ پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خُدا ہے؟ اگر آسمان و زمین میں بہت سے خدا ہوتے تو دونوں کا کارخانہ بگڑ جاتا"

سیری حیرت زیادہ ہوتی تھی - ابھی وہ حیرت کم ہوئی تھی کہ نہایت پُر جلال مگر نہایت محبت آمیز ایک اور آواز (کلمات طیبات "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ") کی طرف اشارہ ہے) ہوئی جس نے تمام عالم اور اہل عالم کو چونکا دیا - اور جس کا ہر ایک نے اپنی اپنی زبانِ حال سے یہ جواب دیا کہ "ہاں - اے خداوند بیشک تو ہی ہمارا خالق اور پروردگار ہے اور تیرے سوا کوئی ہمارا خالق و مالک نہیں ہے" خیر یہ سوال و جواب تو ہو ہی رہے تھے - مگر اب کسی نے پکار کر خاص مجھ سے کہا کہ "دد کیا یہ سچ نہیں ہے؟ کہ ایک ایسا وقت بھی تجھ پر گزرا ہے جبکہ تیرا اس عالم میں نام و نشان تک نہ تھا - اور ہم نے ہی تجھ کو ایک مختلط پانی سے پیدا کیا اور ایک مدت معین تک ایک خاص مقام میں رکھا! پھر سُنتا - سمجھتا بولتا چالتا

پس یہ فطرت کا ایک بہت بڑا اور سربستہ راز تھا جو خدا نے انسانوں کی
ہدایت کے لئے خاص نبیؐ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی قرآنی
کے ذریعہ سے ظاہر فرمایا اور اُس میں ایسی معجزانہ اور ربّانی تاثیر رکھی کہ بغیر اسکے
کہ کافروں کی بیہودہ وخلاف عقل خواہش کے موافق "زمین پھاڑکر اُنکے
لئے چشمہ بہائیں! یا اپنے لئے کھجوروں یا انگوروں کا باغ اُگائیں! جس میں

بنا کر دنیا میں بھیجا اور جاتے کو وہ بات بھی بتادی کہ جس سے ہماری مرضی کے موافق اپنی زندگی بسر
کر کے بہشتی کھیتی آخر کار ہم تک پہنچ جاوے۔ اور سدا ہمارے حضور میں رہکر وہ نعمتیں اور عیش و آرام
پاوے جو نہ کبھی آنکھوں نے دیکھے اور نہ کانوں نے سنے تھے اور نہ کبھی تیرے دلمیں اُن کا
خیال تک آیا تھا" اور اس کا نیکو بد اختیار دیدیا کہ خواہ جو بات ہم نے بتائی ہے اُسکے
موافق چلکر ہم تک پہنچ جاوے خواہ اسکو بھول کر ہمارے حضور سے دور سدا کی محرومی اور مصیبت میں
پڑجاوے۔ (سورہ الانسان کے شروع کی آیتوں اور ایک حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے) میں
یہ آواز سنکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تا کہ معلوم کروں کہ کون بولتا ہے۔ اور یہ آواز کہاں سے آتی ہے
مگر ہر چند غور کیا اور اِدھر اُدھر دیکھا بھالا! کوئی پکارنے والا دکھائی نہ دیا۔ اور آخر کار معلوم ہوا
کہ خود میرے ہی رونگٹے رونگٹے سے یہ آواز آرہی ہے! پھر تو میں سمجھا کہ تیری ہی زبان حال
سے یہ آواز آتی ہے! اور تیری ہی زبان حال سے اسکا جواب طلب ہے۔ اور خیال کیا کہ بے شک
تیری فطرت کا یہی مقتضا ہے کہ تو اپنے مخلوق ومملوک اور جس نے تجھے بنایا ہے (کیونکہ خود بخود تو تو
بن ہی نہیں گیا) اُسکے خالق ومالک ہونیکا اقرار کرے۔ اور صرف اُسی کو ہر ایک طرح کی تعظیم وتکریم
کا مستحق جانے اور اپنے تمام جسم اور تمام دل اور تمام جان سے صرف اُسکی تعظیم وتکریم بجالاوے
اور وہ بات جسکا بتا دیا جانا تجھکو کہا گیا ہے یہی ہے۔ کہ جس سے تو اپنے خالق ومالک کے

زور سے ہریں بھی ہوں - یا آسمان کا ایک ٹکڑا کافروں پر گرائیں! یا خدا!
کو فرشتوں سمیت اُنکے روبرو لائیں! یا اپنے لئے خالص سونے کا گھر
بنائیں! یا آسمان پر چڑھ جائیں! یا لکھی ہوئی کتاب اُنپر آسمان سے اُتاریں
جنکو وہ پڑھ سکیں" آپ نے انہیں مظاہر قدرت اور آثار فطرت کو جو

حضور میں پہنچ سکتا اور وہ نعمتیں اور خوشیاں بہتیرے لئے تیرے خالق نے نہایت غنا بھی اور مہربانی
سے مہیا کی ہیں حاصل کر سکتا ہے - اور یقین ہوا کہ اب سے تیرہ سو برس پہلے جو اسرار فطرت کے
ایک زبردست جاننے والے نے (دل وجانم فدائے نامش باد) یہ فرمایا تھا "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ
فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ" اسکے ٹھیک یہی معنی ہیں اور اس زمانہ کے ایک محقق اسلام نے جو یہ کہا ہے
کہ "اَلْاِسْلَامُ هُوَ الْفِطْرَتُ وَالْفِطْرَتُ هِيَ الْاِسْلَامُ" اسکا بھی یہی مدعا ہے میں
اپنی اس سمجھ اور یقین پر نہایت خوش تھا کہ اتنے میں اشارہ ہوا کہ ہمارے اس عاجز و ناچیز بندے کو
ہماری تعظیم و تکریم کا طریقہ سکھاؤ تاکہ ہماری حضوری کے لایق ہو - اور جسطرح اسکا دل ہمارے تصور سے
پاک ہوا ہے اسکا جسم بھی پاک ہو جاے - پس ایک پیزنے جو مہینے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی میرے دل میں
بیٹھکر مجھکو تمام آداب بندگی سکھاے - اور میں اُس معلم غیبی سے تعلیم پاکر یہ کہتا ہوا کہ "اِنِّیْ وَجَّهْتُ
وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ" اسکی تعظیم و تکریم
بجالانے کو روبقبلہ کھڑا ہو گیا اور سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھکر اُس لازوال اور ناقابل فہم و ادراک ہستی کو
جسکے وجود پر میرا رونگٹا رونگٹا گواہی دے رہا تھا نہایت ادب سے سجدہ کیا اور میرے یہ کہتے ہی تمام حجاب
اُٹھ گئے اور میں نے اپنے دل کے اندر ایک عجیب و غریب نورانی صورت دیکھی (حدیث شریف نبوی کیطرف اشارہ
ہے جو فرمایا "یَا اَبَا ذَرٍّ اُعْبُدِ اللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاهُ" جو رنگ روپ شکل و صورت سے منزہ تھی جسکو دیکھتے ہی
مجھپر ایک محویت اور بیخودی کی سی حالت طاری ہو گئی اور میں بے اختیار بول اُٹھا "میں نے پالیا میں نے پالیا" اور پھر آنکھ کھلنے کی

مؤلف

ہر وقت انسان کے پیش نظر ہیں بتا بتا کر اور دکھا دکھا کر توحید کا وہ ناقابل خنبش
اور سر بفلک نشان قایم کیا کہ جس کے آگے نہ صرف وہ خداؤں کے پوجنے والے
مجوسیونکے دُرفش کاویانی نے سر جھکایا۔ بلکہ تین خداؤں کے ماننے والے
عیسائیوں کی صلیبوں نے بھی سجدہ کیا۔ اور بقول سر ولیم میور "خدا کی وحدانیت
اور غیر محدود کمالات اور ایک خاص اور ہر ایک جگہہ احاطہ کی ہوئی قدرت کا
مسئلہ آنحضرت کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہوگیا
جیسے کہ خاص آپکے دل میں تھا۔" حق یہ ہے کہ توحید کے لازوال مسئلہ کی تلقین

+ فاضل شہیر مسٹر گاڈفرے ہیگنس صاحب لکھتے ہیں "شاید سلطنت فارس یعنی حصہ شرقی
سلطنت روم کبھی پیشتر ایسی تباہ و خراب حالت میں نہوئی ہوگی جیسے ساتویں صدی کے آغاز میں
ہوئی بوجہ ضعف حکام روم انکی سلطنت کا کل ڈھانچ نہایت لچر تھا۔ اور پادریوں کی درشتی اور خرابی کے باعث
عیسائی مذہب کو اس درجہ کا تنزل ہوگیا تھا کہ ایک بمشکل قیاس میں آسکتا ہے۔ حتی کہ اگر اُس کا ثبوت
کما ینبغی نہوتا تو اُسکا مطلق اعتبار ہی نہ کیا جاتا۔ پیشتر فریقوں کے نزاع اور عداوتیں درجہ غایت کو پہنچ گئیں
اتفاق باہمی کا کل ڈھانچ ہل گیا۔ قصبوں اور شہروں میں خون بہنے لگا۔ حضرت عیسیٰ مسیح نے خوب
پیشین گوئی فرمائی کہ "میں اپنے ساتھ صلح نہیں لایا بلکہ تلوار لایا ہوں"! بیوی کو خلاف خاوند سے! اور
والدین کو فرزند سے ہوگیا! ہر خاندان میں تفرقہ برپا ہوا صلہ رحم جاتا رہا! اور منشا ان بے انتہا نزاعوں کا
ایسے امور مذہبی تھے جو سفلانہ اور خفیف مگر دقیق اور غیر مفہوم تھے۔ اسوقت ایک دور دراز اور غیر معروف گوشہ
عرب میں جو اُن ملکی تنازعوں سے فاصلہ پر تھا جنسے سلطنت روم تہ و بالا ہوئی جاتی تھی دین محمدی
پیدا ہوا جسکی قسمت میں تھا کہ جیسے طوفان ہوا روئے زمین کو صاف کر دیتا ہے اسی طرح وہ بھی سلطنتوں
اور ریاستوں اور رسوم کو اپنے آگے دھرلے اور اُنکو ایسا متفرق کر دے جیسے خاک بادصرصر کے آگے سمٹ جاتی ہے"
مؤلف

اگرچہ بقدر ضرورت اور موافق فہم اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کے اور انبیا
علیہم السلام نے بھی کی تھی۔ مگر جس کاملیت سے اسکو آنحضرت نے نشان فرمایا
وہ خاص آپ ہی کا حصہ تھا۔ جیسا کہ میرے نہایت مکرم معظم دوست جناب
آنریبل سر سید احمد خان بہادر کے سی۔ ایس۔ آئی سلمہم اللہ تعالیٰ
نے اپنی لاجواب کتاب "خطبات احمدیہ" کے خطبہ چہارم میں نہایت
خوبی سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "تین چیزوں میں وحدت
کے یقین کرنے سے خدا کی وحدانیت پر کامل طور سے یقین ہو سکتا ہے
وحدت فی الذات ۔ وحدت فی الصفات ۔ وحدت فی العبادت ۔ وحدت
فی الذات کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے ساتھ کوئی دوسرا شخص یا کوئی شے
شریک نہیں ہے۔ وہ "وحدہٗ لاشریک لہٗ" ہے۔ اور نہ کوئی شے اُسکے
مشابہ ہے۔ نہ آگ نہ پانی نہ ہوا۔ وحدت فی الصفات کے یہ معنی ہیں
کہ جو صفتیں خدا کی ہیں وہ دوسرے میں نہیں اور نہ دوسرے میں ہو سکتی
ہیں اور نہ دوسرے سے متعلق ہو سکتی ہیں۔ وحدت فی العبادت کے
یہ معنی ہیں کہ نہ کسی دوسرے کی عبادت کرنا نہ کسی دوسرے کو عبادت
کے لایق سمجھنا۔ اور نہ وہ افعال جو خاص خدا کی عبادت کے لئے مخصوص
ہوں کسی دوسرے کے لئے بجالانا جیسے سجدہ کرنا روزہ رکھنا نماز پڑھنا
وغیرہ۔ اِن تینوں وحدتوں میں سے پہلی دو وحدتوں کو اور تیسری وحدت
کے پہلے حصہ کو اوسط طور پر (جو نہ ناقص تھا کیونکہ نجات کے لئے کافی تھا
اور نہ کامل طور پر تھا۔ کیونکہ وحدت کا پورا کمال اُس زمانہ کے لوگوں کی سمجھ کے

ہوا ہوگا جو عیسائی اپنے پیغمبر کی الوہیت و بشریت کے بیہودہ و خلاف عقل
مسئلہ کی تحقیق و تدقیق میں کرتے تھے اور جو مسئلہ کہ اُن کے نزدیک اُن تمام
اعمال صالحہ سے اہم و اعظم تھا جن کا حکم جناب مسیح نے فرمایا تھا اور اُن نازیبا
و ناپاک اور قابل تنفر جاؤں اور اون کی تصویروں اور مورتوں اور تہواروں اور
تقریبوں اور رسوم سے جنکی بنا بقول مسٹر گاڈفرے ہیگنس صاحب اُن خراب
باتوں پر تھی جنکو بُت پرستی کا فضلہ کہنا چاہیئے۔ اور جس میں نہ صرف ایشیا و افریقہ
بلکہ یونان اور روم۔ بلکہ تمام فرنگستان کے عیسائی مستغرق تھے۔ اور جو
بقول مسٹر ہیگنس پیشوایانِ مذہب بلکہ خود پوپ روم کے اغوا و تحریک سے
عمل میں آتی تھیں واقفیت حاصل کی ہوگی۔ اور پھر اُس عظیم الشان و حیرت انگیز
اصلاح اور روحانی و اخلاقی تعلیم و تہذیب سے واقف ہوا ہوگا جو بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے وعظ سے ایک معین اور محدود عرصہ کے اندر ظہور میں آئی اُس کا
دل یقیناً گواہی دیگا کہ قرآن مجید بیشک ایک اثر ہے آثار الٰہیہ میں سے کہ
جس نے نہ صرف طرح طرح کے مخلوق پرستوں سے خالق کے وجود اور اسکی وحدانیت
کا اقرار حاصل کیا۔ بلکہ اُن بھٹکے ہوئے خدا پرستوں کو بھی جو ایک انسان کو خدا
سمجھ رہے تھے اور اُسکی کنہ حقیقت اور صفات پر لڑے مرتے تھے اور طرح طرح
کے مشرکانہ و مخرب اخلاق رسوم و افعال میں منہمک تھے یہ کہکر ایک واقعی
اور حقیقی خدا بتا دیا "یَا اَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ
اِلَّا الْحَقَّ۔ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ۔ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ۔ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

سُبْحَانَهٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ - لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا[۱]" یعنی - اے کتاب والو اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور نہ کہو خدا پر سوا سچی بات کے (یعنی اُسکہ صاحبِ زن و فرزند نہ کہو) اس کے سوا کچھ نہیں کہ عیسٰی مسیح مریم کا بیٹا پیغمبر ہے خدا کا - اور اُسکا کلمہ ہے کہ ڈالا اُسکو مریم کی طرف (یعنی کہا[۲] اُسکو کہ تیرے بیٹا پیدا ہوگا) اور ایک جان ہے خدا کی طرف سے پس ایمان لاؤ اللہ اور اوس کے رسولوں پر اور نہ کہو کہ خدا تین[۳] ہیں (اس بُری بات کے کہنے سے) باز رہو کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے - خدا تو صرف ایک ہی خدا ہے وہ پاک ہے اس سے کہ ہووے اُسکے لئے کوئی بیٹا - اُسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے - اور کافی ہے خدا کارساز" (یعنی خدا میں اور انسان میں انسان کی نجات کے لئے کسی واسطہ اور وسیلہ کی ضرورت نہیں جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ "خدا باپ اور انسان میں عیسٰی مسیح واسطہ اور وسیلہ ہیں") چنانچہ پروفیسر مارس صاحب لکھتے ہیں کہ "کوئی چیز عیسائیان روم کو اُس ضلالت و غوایت[۴] کی خندق

---

[۱] ہمارے تمام علمائے مفسرین نے عیسائیوں کے عقیدہ کی ناواقفی کی وجہ سے اس جملہ کے معمولی معنی لکھدیئے ہیں مگر خدا نے اپنے کلام کی صحیح تفسیر مجکو بھجائی والحمد للہ علی ذالک ۔ مؤلف

[۲] کما یقال اَلْقَیْتُ اِلَیْکَ کَلِمَةً حَسَنَةً اے قُلْتُ - (مجمع البیان)

[۳] مسٹر ہیگنس صاحب نے یونیورسٹی اکسفورڈ کے مشہور واعظ ریورینڈ ڈاکٹر ویٹ کے سرمن دوم سے اُس زمانہ کے عیسائیوں اور دین عیسوی کی حالت حسب ذیل نقل کی ہے "اُس کمبخت زمانہ میں

سے جس مین وہ گر پڑے تھے نہیں نکال سکتی تھی بجز اُس آواز کے جو سرزمین
عرب میں غار حرا سے آئی۔ اعلاء کلمۃ اللہ جس سے یونانی انکار کرتے
جاتے تھے اُسی آواز نے دنیا مین کیا۔ اور ایسے عملی پیرایہ میں کیا کہ جس سے
بہتر ممکن نہ تھا" اور ایک سیدھا سادہ اور پاک وصاف مذہب دنیا کو سکھایا
کہ جسمیں بقول فاضل محقق گاڈفرے ہیگنس صاحب "وہ نہ پاک پانی ہے
نہ تبرک نہ مورت نہ تصویر نہ سینٹ اور نہ خدا کی ماں سے اُسپر داغ لگتا ہے

جماعتوں میں منقسم ہو کر خود سری سے باہم نزاع اور کینہ سے ایک دوسرے کو ایذا رسانی کرنے لگے
راسے میں ناقص اور عمل میں خوار ہوگئے۔ اور جسمین وجہ یہ لوگ بجز نام اور ظاہری اقرار مذہبی کے اور کچھ
نہ رکھتے تھے۔ عیسائی کلیسیا کی مسار کرکے کوئی علامت باقی تھی۔ نہایت خراب اصول اور بیہودہ
رائیں عموماً جاری تھیں علم کی مفید موقعوں میں جہالت اور نیکی کی نہایت عمدہ ترغیب کے عوض میں
بدی پھیلگئی تھی اور راستی کے لئے ایک مزعوم جوش تھا جسمیں جا بلانہ اغلاط کی آمیزش تھی اور رایوں
کے باب میں۔ نزاع قلبی تھا جسکو کوئی نہ فیصل کرسکے۔ اور جرایم کے ارتکاب میں ایک عام اور
عجیب اتفاق پیدا ہوا تھا جس سے حذر کرنا سب کے لئے فرض اور مفید تھا۔ ولیوں کی مورتیں کہ جنہوں
نے مذہب کے منتشر کرنے میں محنت کی تھی اور شیعہ وں کی ہڈیاں جو اُسکے استحکام میں مرے تھے اُسوقت
پادریوں کی حکمت عملی اور وہمی لوگوں کی جہالت سے مذہبی پرستش کیلئے مناسب اشیا قرار دیگئی تھیں
دہمی جوش کی سخت تندی نے ملایم سے ملایم طبیعت کے خیالات کا چراغ گل کردیا قوانین کا وقار دسیاستی
سے پامال اور شکستہ ہوگیا۔ اور شرقی شہروں میں خون کا الہ آگیا۔ مؤلف عفی عنہ

* دیکھو کتاب تنقید الکلام مصنفہ سید امیر علی صاحب ایڈ ۔ سی ۔ آئی ۔ ای
بیرسٹر ایٹ لا۔ (باب ۱۷) مؤلف عفی عنہ

اور نہ ایسے مسائل اُسمیں ہیں کہ ایمان بدون عمل کے مؤثر ہو اور نزع کے وقت
کی توبہ کام آوے - اور غایت درجہ کی عنایات اور مغفرت اور خفیہ اقرار بکار آمد
ہوں - جنکا نتیجہ یہہ ہے کہ اول اُس دین کے پیروؤں کو بگاڑیں اور پھر مقتداؤں
کے حوالہ کریں جو واقع میں اُن مسائل سے بھی بدتر اور ناچیز بات ہے" اور جسکی
نسبت یہی صاحب اپنی کتاب کے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ "جب
بہت سے طول و طویل اور عسیر الفہم عیسائی مذہبوں پر خیال کیا جاتا ہے تو شاید
ایک فلاسفر دین اسلام کی خوبی اور سادگی اور بے تکلفی اور سریع الفہم ہونے پر
آہ کر کے بچتا ہے کہ میرا مذہب ایسا کیوں نہوا کہ میں ایمان لاتا ایک اللہ پر
اور اوسکے رسول محمدؐ پر - یا یوں کہو کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
یا یہہ کہ میں ایمان لاتا ہوں اللہ پر - اور اُن مسائل پر جو خدا تعالیٰ کے باب
میں محمدؐ نے تعلیم فرمائے" اور جس کے باب میں ایک مشہور و معروف
فرانسیس فاضل ایمرڈی سینٹ ہلیر نے یہہ لکھا ہے کہ "اسلام میں
کوئی بات مشتبہ یا قدرت کی باتوں سے بڑھکر بطور اعجوبہ کے نہیں ہے -
مذہب اسلام خود اس بات کے مخالف ہے کہ وہ کسی پردہ میں پوشیدہ
کیا جاوے - اور اگر اب تک اُسمیں چند شبہات موجود ہیں تو اسکا الزام مذہب
اسلام پر نہیں ہے - کیونکہ وہ ابتدا ہی سے ایسا صاف اور سچا ہے جتنا کہ
ہونا ممکن ہے" اور جسکی نسبت سر جان مالکم اپنی نہایت قابل قدر
تاریخ ایران میں فرماتے ہیں کہ "ہیچ چیز عالی تر و نیکو تر از عقیدہ اہل اسلام
در توحید نمی شود از اں رو کہ از ہر طرف روبہ یکے دارند چنانچہ از آیات و اخبار

وآثار واشعار واقوال وافعال شان ہمہ ظاہر است "اینما تولوا فثم وجہ اللہ"
"ہر جا کہ نظر کردم سیمائے تو می بینم"۔ او تعالیٰ را مخصوص وشائستہ بندگی
می دانند وبس۔ وہیچیک را از مخلوقات دریں باب باو شریک وسہیم
نمی سازند"

اس موقع پر کہ قرآن مجید اور اسلام کی بدولت عیسائیوں کے ضلالت
وغوایت کی خندق سے نکلنے کا ذکر آگیا ہے ہم اُس مضمون کو یہاں بلفظہ
نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے جو "خطبات احمدیہ" کے عالیقدر مصنف نے
کتاب مذکور کے خطبہ چہارم میں اس باب میں ارقام فرمایا ہے۔ اور وہ یہ ہے
"چوتھے حصہ میں ہم اُن فائدوں کا بیان کرتے ہیں جو اسلام کی
بدولت خاص عیسائی مذہب کو پہنچے ہیں۔ دنیا میں مذہب اسلام سے
زیادہ کوئی مذہب عیسائی مذہب کا دوست نہیں ہے۔ اور اسلام نے کسی
مذہب کو اسقدر فائدے نہیں پہنچائے ہیں جسقدر کہ عیسائی مذہب کو پہنچائے
ہیں۔ مذہب عیسائی کی بنیاد اُس نیک اور حلیم شخص سے ہے (یعنی
حضرت یحییٰ پیغمبر سے) جو خدا کا رستہ درست کرنے آیا تھا۔ اور پھر بالکل
دارومدار اُس عجیب شخص پر ہے جس کو لوگوں نے اتنا بزرگ ومقدس
سمجھا کہ خدا یا خدا کا بیٹا مانا (یعنی حضرت عیسیٰؑ پر) مذہب اسلام ہی کا یہ احسان
عیسائی مذہب پر ہے کہ وہ نہایت مستقل ارادہ اور مضبوط دل اور نہایت استوار
ثابت قدمی سے عیسائی مذہب کا طرفدار ہوا۔ اور یہودیوں سے
مقابلہ کیا۔ اور علانیہ اور دلیرانہ اس بات کا اعلان کیا کہ "جان دی باپٹسٹ"

یعنی حضرت یحییٰؑ بلاشبہ سچے پیغمبر اور حضرت عیسیٰؑ بیشک عبد اللہ اور
کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ تھے۔ پس کونسا مذہب اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے
کہ وہ عیسائی مذہب کے حق میں اسلام سے زیادہ تر مفید ہے اور اُسنے
عیسائی مذہب کی حمایت میں اسلام سے زیادہ کوشش کی ہے۔ جو
سب سے بڑی خرابی حواریوں کے بعد عیسائی مذہب میں پیدا ہو گئی وہ تثلیث
فی التوحید اور توحید فی التثلیث کا مسئلہ تھا۔ اور یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جو اُس
لازوال سچ کے بھی متناقض تھا۔ اور اُن خاص نصیحتوں کے بھی برخلاف
تھا جو حضرت عیسیٰؑ نے فرمائی تھیں۔ اور حواریوں نے انجیل میں لکھی تھیں
یہ امر اسلام کی لازوال عظمت کا باعث ہے کہ اُسی نے خدائے واحد ذوالجلال
کی پرستش کو پھر جاری کیا۔ اور اُس خالص مذہب کو پھر سرسبز کیا جس کی
خاص تلقین حضرت عیسیٰؑ نے کی تھی۔ اسلام ہمیشہ اُس زمانہ کے عیسائیوں
کو اُن کی غلطیوں سے متنبہ کرتا رہا اور اب بھی کرتا رہتا ہے۔ اسلام نے عیسائیوں
سے اُسی سچے مذہب کے قبول کرنے کی استدعا کی جسکا وعظ حضرت مسیحؑ نے
کیا تھا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے "وَقُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا" بہت سے
عیسائیوں کی اسلام کی روشنی سے آنکھیں کھُل گئیں اور اُس ذلیل حالت سے
خبردار ہوئے جس میں وہ مبتلا تھے۔ اور اُنہوں نے پھر اُسی رتبہ کے حاصل
کرنے کی کوشش کی جو پہلے اُنکو حاصل تھا۔ یعنی اُنہوں نے صرف قرآن
کی ہدایت سے تثلیث کے عقیدہ کو غلط سمجھا اور خدا کو وحدہ لاشریک لہٗ اور

عیسیٰ مسیح کو خدا کا مقدس بندہ مانا جو عین مسئلہ مذہب اسلام کا ہے چنانچہ وہ فرقہ اب موجود ہے۔ اور نہایت معزز لقب (یونی ٹیرین) یعنی موحدین عیسائی سے معزز ہے۔ اگر یہ عقیدہ تھوڑی دیر کے لئے دنیا میں سے اٹھا لیا جاوے تو مسٹر گبن کی یہہ رائے عیسائیوں کے حال پر بالکل منطبق ہو جاوے گی کہ "اگر سینٹ پیٹر یا سینٹ پال۔ دیٹیکن یعنی پوپ کے محل میں آجائیں تو غالباً وہ اُس دیوتا کا نام دریافت کرینگے جسکی پرستش ایسی پُر اسرار رسومات کے ساتھ اُس عظیم الشان عبادت گاہ میں کیجاتی ہے۔ ایکسفورڈ یا جنیوا میں جاکر اُنکو چنداں حیرت نہوگی مگر گرجا میں جاکر سوال و جواب کا پڑھنا۔ اور جو کچھ صادق القول مفسروں نے اُن کی تحریرات اور اُن کے مالک کے کلمات کی تفسیر کی ہے اُسپر غور کرنا پڑے گا۔"

جو فائدے اسلام نے عیسائی مذہب کو پہنچائے اُن میں سب سے بڑا فائدہ یہہ ہے کہ اُسنے عیسائیوں کو پوپ کے بے انتہا اختیارات ناجائز سے نجات دی۔ اور عیسائیوں میں ایک زندگی کی روح پھونکدی تمام عیسائی پوپ کو حضرت عیسیٰ کا پورا با اختیار نائب سمجھتے تھے! اور اسکو معصوم جانتے تھے! جیسے کہ اب بھی بہت سے فرقے عیسائیوں کے سمجھتے ہیں! اُن کا یقین تھا اور بہتوں کا اب بھی یقین ہے کہ دوزخ اور اعراف اور بہشت کے دروازوں کے کھولنے کا پوپ کو بالکل اختیار ہے! پوپ گناہگاروں کے گناہوں کو بخشدینے کا دعویٰ رکھتا ہے!

پوپ کو پورا اختیار تھا کہ جس ناجائز چیز کو چاہے جائز کر دے! درحقیقت پوپ
بلحاظ اُن اختیارات کے جو اُسکو حاصل تھے اور جن اختیاروں کو وہ کام
میں لاتا تھا کسی طرح حضرت عیسٰی سے کم نہ تھا۔ بلکہ دو چار قدم آگے بڑھا
ہوا تھا! قرآن ہی نے عیسائیوں کو اس خرابی سے مطلع کیا۔ اور جو برائیاں اس
سے پیدا ہوتی ہیں اُنکو بتلایا اور جا بجا عیسائیوں کو اس غلامانہ اطاعت پر ملامت
کی اور اُن کو سمجھایا کہ اس سوائی اور بے عقلی کی اطاعت کو چھوڑیں۔ اور
خود آپ اپنے لئے سچ کی جستجو کریں۔ چنانچہ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا۔
قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ
وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ۔ یعنی
اے کتاب والو یعنی عیسائیو آؤ ایک بات پر کہ ہم میں اور تم میں یکساں
ہے۔ اور وہ بات یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں اور نہ ہم
کسی چیز کو اُسکے ساتھ شریک کریں۔ اور نہ بناویں ہم ایک دوسرے کو
یعنی (پوپوں اور بڑے بڑے پادریوں کو) پروردگار خدا کے سوا" اور پھر
دوسری جگہ فرمایا "اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ
اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَا إِلَٰهَ إِلَّا
هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ یعنی عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور
درویشوں کو پروردگار بنا لیا خدا کے سوا اور مسیح ابن مریم کو بھی۔ اور اُن کو
سوائے اسکے اور کچھ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کی عبادت کریں
کہ صرف وہی خدا ہے نہ اور کوئی۔ خدا پاک ہے اُس چیز

+ سے کہ شریک کرتے ہیں" جب یہہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم جو اُسوقت عیسائی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور اُن کے گلے میں سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اے عدی اِس بُت کو اپنے گلے سے نکال پھینک۔ چنانچہ اُنھوں نے نکال ڈالی۔ جب وہ پاس آئے تو آنحضرت قرآن کی یہہ آیت پڑھتے تھے کہ "عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور درویشوں کو پروردگار بنالیا خُدا کے سوا" جب پڑھ چکے تو عدی نے عرض کیا کہ ہم تو اُن کی پرستش نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا یہہ نہیں ہے کہ وہ حرام کردیتے ہیں اُس چیز کو جسے خدا نے حلال کیا پھر اُسکو حرام سمجھتے ہو اور حلال کردیتے ہیں اُس چیز کو جسے خدا نے حرام کیا پھر اُسکو حلال سمجھتے ہو۔ عدی نے کہا ہاں یہہ تو ہے آنحضرت نے فرمایا۔ پس یہی ہے اُنکا پوجنا۔

ایک مدت تک عیسائی اسلام کو عداوت سے دیکھا کئے اور اُسکے ہر ایک مسئلہ سے بے سمجھے نفرت کرتے رہے مگر بعض نیک دل عیسائیوں نے کچھ تھوڑی بہت غور سے اُسکو دیکھا اور بائبل اور نوٹھر مقدس کے دلپر اُسکا کچھ کچھ اثر ہوا جبکہ اِن دونوں نے قرآن مجید کی اس قسم کی آیتونکو

+ جارج سیل نے قرآن کے ترجمہ میں (جلد اول صفحہ ۲۳) لکھا ہے کہ "یہودیوں اور عیسائیون پر بُت پرستی اور دیگر الزاموں کے سوا حضرت محمدؐ نے یہہ الزام لگایا ہے کہ وہ اپنے قسیسون اور رھبانون کی حد سے زیادہ اطاعت کرتے ہیں جنھوں نے اس بات کا قرار دینا کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی حرام اور خدا کی تعمیل کو ملتوی کردینا اپنے اختیار میں لیا ہے" مؤلف عفی عنہ

اور آخر کار اُس عظیم الشان اصلاح کرنے پر کامیاب ہوا جو عموماً مذہب پروٹسٹنٹ یا ریفارمیشن کے نام سے مشہور ہے اور طبیعت انسانی کو تمام غلامیوں کی بدترین غلامی سے (جو ایک مرشدانہ غلامی تھی) آزاد کر دیا ہمکو یقین ہے کہ اگر لُوتھر مُقدّس اور زندہ رہتے تو ضرور وہ مسئلۂ تثلیث کے بھی مخالف ہوتے اور اسلام کی ہدایت سے خدا کی وحدانیت کے مسئلہ کو بھی جو درحقیقت حضرت عیسیٰ نے بھی یہی مسئلہ تلقین کیا تھا لوگوں میں پھیلاتے اور آخر اُس نبی آخر الزمان پر یقین کرتے جنسے ایسی ایسی بڑی غلطیوں سے عیسائی مذہب کو بچایا تھا۔ پس مذہب عیسوی کو ہمیشہ اسلام کا احسانمند رہنا چاہیئے" انتہیٰ کلامہ سلمہ اللہ تعالیٰ۔

باتوں کیطرف اشارہ کیا ہے جو یہ مرتد (پیروان لُوتھر کے) کرتے ہیں۔ اُنہوں نے (حضرت محمد نے روزوں کا وقت تبدیل کر دیا اور یہ لوگ (پیروان لُوتھر کے) تمام روزوں سے نفرت کرتے ہیں (ایک شخص نے اسکی تائید میں یہ کہا تھا کہ قرآن میں بھی روزوں کی چنداں تاکید نہیں ہے بلکہ بعوض روزہ کے غریبوں کو کھانا کھلا دینا لکھا ہے اُسی کی پیروی سے لُوتھر نے روزوں سے نفرت اختیار کی تھی۔ پس لُوتھر کا مذہب اور اسلام کا مسئلہ درحقیقت ایک ہی تھا) اُنہوں نے اتوار کی جگہ جمعہ کو سبت قرار دیا اور یہ کسی تہوار کو نہیں مانتے (اُسی شخص نے اسکی تائید میں کہا کہ اسلام نے بھی درحقیقت سبت کا کوئی دن نہیں ٹھہرایا۔ وہ جمعہ کو بھی سب کام کرتے ہیں پس اُسی کی پیروی لُوتھر نے کی تھی) اُنہوں نے ولیوں کی پرستش کو رد کیا اور لُوتھر کے فرقہ کے لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں حضرت محمدؐ کسی کو اصطباغ نہیں دیتے تھے اور کالون بھی اُسکو ضروری نہیں سمجھتا اُن دونوں نے طلاق کو جائز رکھا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ (انتخاب از کوارٹرلی ریویو نمبر ۲۵۴)

تہذیب روحانی کے دوسرے رکن یعنی معاد کو بھی قرآن مجید نے
اس عمدگی اور کاملیت سے بیان فرمایا ہے کہ اُسکی نظیر اور انبیا علیہم السلام
کی کتابوں میں نہیں پائی جاتی - چنانچہ حضرت مُوسیٰؑ کی پانچوں کتابوں میں سے
جو توریت کہلاتی ہیں) ہم کسی ایک میں بھی قیامت اور حشر و نشر کا کچھ ذکر نہیں
پاتے - اور نہ مرنیکے بعد روح کی حالت کا کچھ بیان دیکھتے ہیں - اُنکی تعلیم
کا دارومدار صرف دنیاوی اُمور پر ہے - مثلاً انکی کی جزا دشمن پر فتح پانا - اولاد
کا ہونا - عمر کا بڑا ہونا - مفلسی سے نجات پانا بتایا ہے - اور بدی کی سزا مرنا - قحط پڑنا
وبا کا ہونا - افلاس کا ہونا اور اسی قسم کی اور مصیبتوں کا آنا بیان ہوا ہے -
جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت بنی اسرائیل میں اُمور عقلی و
روحانی کے ادراک کا مادہ نہ تھا - * اور غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت

* سب سے پہلے جو قوم آخرت کی قایل ہوئی تھی یا سب سے پیشتر جس قوم نے انسان کے چال چلن کے اصول
کو اس مسئلہ پر مبنی کیا تھا وہ اہل مصر تھے - وہ لوگ تناسخ ارواح کے قائل تھے - اور اُسکے ساتھ عذاب و ثواب
آخرت کے معتقد تھے - اُن کا اعتقاد یہ تھا کہ انسان قبر میں صرف اسلئے جاتا ہے کہ پھر زندہ ہوگا اور جب دوبارہ
زندہ ہو چکتا ہے تو ایک تازہ حیات پاتا ہے اور آفتاب کے ساتھ رہتا ہے جو خالق اشیا اور مسبب الاسباب
ہے - اور انسان کی روح کو آفتاب کی مانند غیر فانی سمجھتے تھے اور کہتے تھے - کہ روح بھی آفتاب کی طرح دورہ
کیا کرتی ہے - اُنکا عقیدہ تھا کہ تمام اجسام زیر زمین جاتے ہیں مگر اُن کے دوبارہ زندہ ہونے کا یقین نہیں ہے
اوسیرس جاتا ہے اُسائرس (مصریوں کے سب سے بڑے دیوتا کا نام ہے اور اُسکے بیالیس ۴۲ نائب
اوسیرس کرتے ہیں اور جو لوگ گنہگار قرار پاتے ہیں وہ بالکل فنا ہو جاتے ہیں - اور نیک آدمی گناہان
صغیرہ سے پاک ہو کر داخل بہشت ہوتے ہیں اور اوسائرس کی ذات میں اطعمہ لذیذہ کھاتے ہیں

پوپ کو پورا اختیار تھا کہ جس ناجائز چیز کو چاہے جائز کر دے! درحقیقت پوپ
بلحاظ اُن اختیارات کے جو اُسکو حاصل تھے اور جن اختیاروں کو وہ کام
میں لاتا تھا کسی طرح حضرت عیسیٰ سے کم نہ تھا۔ بلکہ دو چار قدم آگے بڑھا
ہوا تھا! قرآن ہی نے عیسائیوں کو اس خرابی سے مطلع کیا۔ اور جو برائیاں اس
سے پیدا ہوتی ہیں اُنکو بتلایا اور جا بجا عیسائیوں کو اس غلامانہ اطاعت پر ملامت
کی اور اُن کو سمجھایا کہ اس سوائی اور بے عقلی کی اطاعت کو چھوڑیں۔ اور
خود آپ اپنے لئے سچ کی جستجو کریں۔ چنانچہ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا۔
قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ
وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ۔ یعنی
اے کتاب والو یعنی عیسائیو آؤ ایک بات پر کہ ہم میں اور تم میں یکساں
ہے۔ اور وہ بات یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں اور نہ ہم
کسی چیز کو اُسکے ساتھ شریک کریں۔ اور نہ بناویں ہم ایک دوسرے کو
یعنی (پوپوں اور بڑے بڑے پادریوں کو) پروردگار خدا کے سوا" اور پھر
دوسری جگہ فرمایا۔ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ
اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَا إِلَٰهَ إِلَّا
هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ یعنی عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور
درویشوں کو پروردگار بنا لیا خدا کے سوا اور مسیح ابن مریم کو بھی۔ اور اُن کو
سوائے اسکے اور کچھ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کی عبادت کریں
کہ صرف وہی خدا ہے نہ اور کوئی۔ خدا پاک ہے اُس چیز

† سے کہ شریک کرتے ہیں" جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم جو اُسوقت عیسائی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور اُن کے گلے میں سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اے عدی اِس بُت کو اپنے گلے سے نکال پھینک۔ چنانچہ اُنہوں نے نکال ڈالی۔ جب وہ پاس آئے تو آنحضرت قرآن کی یہ آیت پڑھتے تھے کہ "عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور درویشوں کو پروردگار بنا لیا خُدا کے سوا" جب پڑھ چکے تو عدی نے عرض کیا کہ ہمتو اُن کی پرستش نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا یہ نہیں ہے کہ وہ حرام کر دیتے ہیں اُس چیز کو جسے خدا نے حلال کیا پھر اُسکو حرام سمجھتے ہو اور حلال کر دیتے ہیں اُس چیز کو جسے خدا نے حرام کیا پھر اُسکو حلال سمجھتے ہو۔ عدی نے کہا ہاں یہ تو ہے آنحضرت نے فرمایا۔ پس یہی ہے اُنکا پوجنا۔

ایک مدت تک عیسائی اسلام کو عداوت سے دیکھا کئے اور اُسکے ہر ایک مسئلہ سے بے سمجھے نفرت کرتے رہے مگر بعض نیک دل عیسائیوں نے کچھ تھوڑی بہت غور سے اُسکو دیکھا اور گبالیون اور نوتھ مقدس کے دل پر اُسکا کچھ کچھ اثر ہوا جبکہ اِن دونوں نے قرآن مجید کی اس قسم کی آیتونکو

† جارج سیل نے قرآن کے ترجمہ میں (جلد اول صفحہ ۲۳) لکھا ہے کہ "یہودیوں اور عیسائیوں پر بُت پرستی اور دیگر الزاموں کے سوا حضرت محمدؐ نے یہ الزام لگایا ہے کہ وہ اپنے قسیسوں اور رھبانوں کی حد سے زیادہ اطاعت کرتے ہیں جنہوں نے اس بات کا قرار دینا کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی حرام اور خدا کی تنزیل کو ملتوی کر دینا اپنے اختیار میں لیا ہے" مؤلف عفی عنہ

اور پادریوں کو خدا کے سوا دوسرا خدا یا چھوٹا خدا ماننے کی
ضرورت تھی۔ تو وہ سمجھے اور اُس سچے مسئلہ نے اُنکے دل پر اثر کیا۔ اور جیسے
کہ قرآن نے ہدایت کی تھی وہ سمجھے کہ ہر شخص فی الواقع آپ اپنا پوپ اور پادری
ہے۔ وہ چلا اُٹھے کہ "پالیا پالیا" اور اُسی وقت پوپ کی غلامی سے آزاد ہوئے
اور غلامانہ اور ذلیل حالت سے جسمیں وہ خود اور اون کے تمام ہم مذہب مبتلا تھے
نکل آئے اور صاف صاف اُسکے برخلاف وعظ کرنے کو کھڑے ہو گئے جسکی
بدولت ہم لاکھوں عیسائیوں کو پروٹسٹنٹ مذہب میں دیکھتے ہیں۔ اگر اسلام
مذہب عیسائی کو یہ نعمت نہ بخشتا تو آج تمام دنیا کے عیسائی ایسے ہی بُت پرست
ہوتے جیسے کہ ابتک رومن کیتھلک فرقہ کے لوگ بُت پرست ہیں۔ اور حضرت مسیح
کی مجسم مورت صلیب پر لٹکتی ہوئی کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ پس عیسائی مذہب
پر یہ کتنا بڑا احسان اسلام کا ہے۔ جو کہ درحقیقت لوتھر مقدس نے مذہب اسلام
سے یہ ہدایت پائی تھی اسلئے اُسکے مخالف علانیہ اُسپر یہ الزام لگاتے تھے
کہ وہ دل سے مُسلمان تھا۔ * تاہم اُسنے اپنی کوششوں کو نہیں چھوڑا

* حدنی برادر نے پوپ کی طرف سے جو مئی کے رفارمروں کے اور خصوص لوتھر مقدس کے
ذمہ یہ الزام لگایا تھا کہ وہ عیسائیوں میں مذہب اسلام کو جاری کرتے اور تمام پادریوں کو اُس مذہب
میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہوا کشی کی یہ رائے ہے کہ مذہب اسلام میں اور لوتھر کے عقیدہ
میں کچھ بہت فرق نہیں ہے۔ چنانچہ دونوں کا جبرئیل بُت پرستی کے برخلاف ہے اُسپر غور کرو مارٹلیس
الفانسس والڈس کہتا ہے کہ تیرہ نشانیاں اس بات کے ثابت کرنے کو موجود ہیں کہ اسلام
میں اور لوتھر کے مذہب میں ایک رمق بھر کا بھی تفاوت نہیں ہے۔ حضرت محمد نے بھی اُنہیں

اور آخر کار اُس عظیم الشان اصلاح کرنے پر کامیاب ہوا جو عموماً مذہب پروٹسٹنٹ یا رفارمیشن کے نام سے مشہور ہے اور طبیعت انسانی کو تمام غلامیوں کی بدترین غلامی سے (جو ایک مرشدانہ غلامی تھی) آزاد کر دیا ہمکو یقین ہے کہ اگر لُوتھر مُقدّس اور زندہ رہتے تو ضرور وہ مسئلۂ تثلیث کے بھی مخالف ہوتے اور اسلام کی ہدایت سے خدا کی وحدانیت کے مسئلہ کو بھی جو درحقیقت حضرت عیسیٰؑ نے بھی یہی مسئلہ تلقین کیا تھا لوگوں میں پھیلاتے اور آخر اُس نبی آخر الزمان پر یقین کرتے جنسے ایسی ایسی بڑی غلطیوں سے عیسائی مذہب کو بچایا تھا۔ پس مذہب عیسوی کو ہمیشہ اسلام کا احسانمند رہنا چاہیئے" انتہی کلامہ سلمہ اللہ تعالیٰ۔

باتوں کیطرف اشارہ کیا ہے جو یہ مرتد (پیروان لُوتھر) کرتے ہیں۔ اُنہوں نے (حضرت محمد نے روزوں کا وقت تبدیل کر دیا اور یہ لوگ (پیروان لُوتھر) تمام روزوں سے نفرت کرتے ہیں ایک شخص نے اسکی تائید میں یہ کہا تھا کہ قرآن میں بھی روزوں کی چنداں تاکید نہیں ہے بلکہ بعوض روزہ کے غریبوں کو کھانا کھلا دینا لکھا ہے اُسی کی پیروی سے لُوتھر نے روزوں سے نفرت اختیار کی تھی۔ پس لُوتھر کا مذہب اور اسلام کا مسئلہ درحقیقت ایک ہی تھا) اُنہوں نے اتوار کی جگہ جمعہ کو سبت قرار دیا اور یہ کسی تہوار کو نہیں مانتے (اُسی شخص نے اسکی تائید میں کہا کہ اسلام نے بھی درحقیقت سبت کا کوئی دن نہیں ٹھہرایا۔ وہ جمعہ کو بھی سب کام کرتے ہیں پس اُسی کی پیروی لُوتھر نے کی تھی) اُنہوں نے ولیوں کی پرستش کو رد کیا اور لُوتھر کے فرقہ کے لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ حضرت محمدؐ کسی کو اصطباغ نہیں دیتے تھے اور کالون بھی اسکو ضروری نہیں سمجھتا اُن دونوں نے طلاق کو جائز رکھا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ (انتخاب از کوارٹرلی ریویو نمبر ۲۵۴)

تہذیب روحانی کے دوسرے رکن یعنی معاد کو بھی قرآن مجید نے
اس عمدگی اور کاملیت سے بیان فرمایا ہے کہ اُسکی نظیر اور انبیا علیہم السلام
کی کتابوں میں نہیں پائی جاتی - چنانچہ حضرت مُوسیٰؑ کی پانچوں کتابوں میں سے
جو توریت کہلاتی ہیں) ہم کسی ایک میں بھی قیامت اور حشر و نشر کا کچھ ذکر نہیں
پاتے - اور نہ مرنیکے بعد روح کی حالت کا کچھ بیان دیکھتے ہیں - اُنکی تعلیم
کا دارومدار صرف دنیاوی اُمور پر ہے - مثلاً انکی جزا دشمن پر فتح پانا - اولاد
کا ہونا - عمر کا بڑا ہونا - مفلسی سے نجات پانا بتایا ہے - اور بدی کی سزا مرنا - قحط پڑنا
وبا کا ہونا - افلاس کا ہونا اور اسی قسم کی اور مصیبتوں کا آنا بیان ہوا ہے -
جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت بنی اسرائیل میں اُمور عقلی و
روحانی کے ادراک کا مادہ نہ تھا - + اور غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت

+ سب سے پہلے جو قوم آخرت کی قایل ہوئی تھی یا سب سے پیشتر جس قوم نے انسان کے چال چلن کے اصول
کو اس مسئلہ پر مبنی کیا تھا وہ اہل مصر تھے - وہ لوگ تناسخ ارواح کے قائل تھے - اور اُسکے ساتھ عذاب و ثواب
آخرت کے معتقد تھے - اُن کا اعتقاد یہ تھا کہ انسان قبر میں صرف اسلئے جاتا ہے کہ پھر زندہ ہوگا اور جب دوبارہ
زندہ ہو چکتا ہے تو ایک تازہ حیات پاتا ہے اور آفتاب کے ساتھ رہتا ہے جو خالق اشیا اور مسبب الاسباب
ہے - اور انسان کی روح کو آفتاب کی مانند غیر فانی سمجھتے تھے اور رکھتے تھے - کہ روح بھی آفتاب کی طرح دورہ
کیا کرتی ہے - اُنکا عقیدہ تھا کہ تمام اجسام زیر زمین جاتے ہیں مگر اُن کے دوبارہ زندہ ہونے کا یقین نہیں ہے
رہو جاتا ہے اُسائرس (مصریوں کے سب سے بڑے دیوتا کا نام ہے) اور اُسکے بیالیس ۴۲ نائب
یہ پیش کرتے ہیں اور جو لوگ گنہگار قرار پاتے ہیں وہ بالکل فنا ہو جاتے ہیں - اور نیک آدمی گناہان
سغیرہ سے پاک ہو کر داخل بہشت ہوتے ہیں اور اُسائرس کی ذات میں اطعمہ لذیذہ کھاتے ہیں

رکلیم اللہ اُنکو بقاے روح اور قیامت اور جزا و سزاے اُخروی کا مسئلہ
نہ سمجھا سکے اور صرف دُنیاوی بیم و اُمید اور خوف و رجا کے ذریعہ سے اُن
کے اخلاق کو ترقی دینے پر مجبور ہوے۔ مگر جُوں جُوں زمانہ ترقی کرتا گیا
دُوں دُوں بنی اسرائیل میں توحید ذات و صفات باری کے اعتقاد
کی طرح قیامت اور جزا و سزا کا اعتقاد بھی پھیلتا گیا چنانچہ حضرت یحییٰ
اور حضرت عیسےٰ کی بعثت کے زمانہ میں ایک فرقہ کے سوا جو صدوقی
کہلاتا تھا۔ یہودی علی العموم حیات بعد الموت اور جزا و سزاے اُخروی
کے قائل تھے۔ گو کہ اُس کی کیفیت میں مختلف الرّاے تھے۔ یعنی فَرِیسی
فرقہ کے لوگ عذاب و ثواب کو جسم اور جان دونوں سے متعلق سمجھتے تھے
اور اَسینی فرقہ والے (حضرت یحییٰ اسی فرقہ کے لوگوں میں سے
تھے) اُس کو صرف روحانی مانتے تھے۔ پس حضرت رُوح اللہ کے لئے
پہلے ہی سے یہ مسئلہ صاف تھا اور آپ کا اس مسئلہ کو ایسے طور پر بیان
کر دینا کافی تھا جو مذکورہ بالا فرقوں کے خیالات کا جامع یعنی روحانیت و
جسمانیت دونوں کو لئے ہوے ہو۔ چنانچہ انجیل کے تقریباً ہر ایک صفحہ سے
ہمارے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور صاف صاف ظاہر ہوتا ہے۔
کہ جناب ممدوح نے جو کچھ اُس باب میں فرمایا ہے وہ دونوں فرقوں کے

نوٹ بنی اسرائیل کا قیام مصر میں اتنے عرصہ تک رہا کہ خواہ مخواہ خیال ہوتا ہے کہ اُن میں بھی آخرت
اور عذاب و ثواب اُخروی کا عقیدہ شایع ہو گا مگر نہایت تعجب ہے کہ توریت مقدس اس خیال سے
بالکل خالی ہے۔ مؤلف عفی عنہ

خیالات کو ملحوظ رکھکر فرمایا ہے۔ مثلاً انجیل متی کے پانچویں اور بائیسویں
باب میں منقول ہے کہ مومنین آخرت میں خدا تعالیٰ کے دیدار سے مشرف
ہوں گے۔ اور یہ کہ وہ فرشتوں کی مانند ہوں گے۔ یعنی بھوک پیاس
اور اور خواہشہائے نفسانی سے مبرا ہوں گے۔ مگر اسی کتاب کے آٹھویں
باب میں لکھا ہے کہ "بہتیرے پورب اور پچھم سے آئیں گے اور ابرہام
اور اسحاق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہت میں
بیٹھینگے۔ اور بادشاہت کے فرزند (یعنی غیر ایماندار بنی اسرائیل)
باہر کے اندھیرے میں ڈالے جائیں گے وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا"
اور تیرہویں باب میں لکھا ہے "اور انہیں آگ کے تنور میں ڈالدیں گے
وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا"۔ اور پچیسویں باب میں ہے "تب بادشاہ
(یعنی حضرت مسیح) انہیں جو اسکے داہنے ہیں کہیگا آؤ میرے
باپ کے مبارکو اور اس بادشاہت کو جو بنائے عالم سے تمہارے لئے
تیار کی گئی ہے میراث میں لو۔ اور بائیں طرف والوں سے بھی کہیگا اے
ملعونو میرے سامنے سے چلے جاؤ اس ہمیشہ کی آگ میں جو ابلیس اور
اسکے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے"۔ اور اسی کتاب کے چھبیسویں
باب کی انتیسویں آیت اور انجیل لوقا کے تیرھویں باب کی انتیسویں
اور بائیسویں باب کی تیسویں آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ "اہل بہشت حضرت
روح اللہ اور اور انبیا علیہم السلام کے ساتھ بیٹھکر ایک میز پر کھائیں اور
پیئنگے اور انگوری شراب پینے کو ملیگی"۔ اور اسی انجیل کے سولہویں باب کی

چوبیسویں اور پچیسویں آیتوں سے "اہل جہنم کا آگ میں جلنے کے علاوہ پیاس کے عذاب میں مبتلا ہونا بھی ثابت ہوتا ہے" اور مکاشفہ کے نویں باب کی چوالیسویں اور اڑتالیسویں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "دوزخ میں آگ کے علاوہ سانپ بھی ہوں گے" مقدس یوحنا نے بہشت و دوزخ کی جو تصویر اپنے مکاشفات میں دکھائی ہے اُسکا بھی یہی حال ہے۔ کہ مادیت اور روحانیت دونوں رنگوں سے رنگی ہوئی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "اُسنے مجھے کہا کہ ہو چکا۔ میں اَلفا اور اُمیگا ابتدا اور انتہا ہوں۔ اُسکو جو پیاسا ہے آبِ حیات کے چشمہ سے مفت پینے دونگا۔ پر ڈرنے والوں اور بے ایمانوں اور نفرتیبوں اور خونیوں اور حرامکاروں اور جادوگروں اور بت پرستوں اور سب جھوٹوں کا حصہ اُسی جھیل میں ہوگا جو آگ اور گندھک سے جلتی ہے۔ یہ دوسری موت ہے۔ اور ایک اُن سات فرشتوں میں سے جن کے پاس وہ سات پیالے تھے جن میں پچھلی سات آفتیں بھری تھیں۔ میرے پاس آیا اور مجھسے کہا کہ ادھر آ میں تجھے دُلہن یعنی بّرے (حضرت مسیح مراد ہیں) کی جورو دکھاؤنگا اور مجھے روحانی طور پر ایک بڑے اور اونچے پہاڑ پر لے گیا اور شہر بزرگ یروشلیم کو آسمان پر سے خدا کے پاس سے اُترتے دکھایا اُسمیں خدا کا جلال تھا اور اُس کی روشنی سب سے بیش قیمت پتھر کی مانند اُس یشم کی سی تھی جو بلور کی طرح شفاف ہو۔ اور اُسکی بڑی اور اونچی دیوار تھی اور اُسکے بارہ دروازے اور دروازوں پر بارہ فرشتے اور لکھے

ہوے نام تھے جو بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں کے ہیں۔ پورب
کو تین دروازے اُتر کو تین دروازے دکھن کو تین دروازے اور
پچھم کو تین دروازے۔ اور شہر کی دیوار کی بارہ نیویں اور اُن پر برّے
کے بارہ رسولوں کے نام تھے۔ اور جو مجھسے بول رہا تھا اُسکے ہاتھ میں
سونے کی ایک جریب تھی۔ تاکہ شہر اور اُسکے دروازوں اور اُسکی دیوار کو
ناپے اور شہر چوکونا بنا ہے اور اُسکی لمبان اتنی ہے جتنی اوسکی چوڑان اور
اُسنے شہر کو جریب سے ناپ کر ساڑھے سات سو کوس پایا۔ اُسکی لمبائی
اور چوڑائی اور اونچائی یکساں تھی۔ اور اُس نے دیوار کو ناپا اور ایک سو چوالیس
ہاتھ پایا آدمی کے ناپ کے موافق جو فرشتہ کا تھا۔ دیوار یشم کی بنی تھی
اور شہر خالص سونے کا شفاف شیشہ کی مانند تھا۔ اور شہر کی دیواروں
کی نیویں ہر طرح کے جواہر سے آراستہ تھیں۔ پہلی نیو یشم کی۔ دوسری
نیلم کی۔ تیسری شبچراغ کی۔ چوتھی زمرد کی۔ پانچویں عقیق کی چھٹی
لعل کی۔ ساتویں سنہرے پتھر کی۔ آٹھویں فیروزہ کی۔ نویں
زبرجد کی۔ دسویں یمانی کی۔ گیارہویں سنگ سبلی کی۔ بارہویں
یاقوت کی تھی۔ بارہ دروازے بارہ موتی تھے۔ ہر دروازہ ایک ایک
موتی کا۔ اور شہر کی سڑک خالص سونے کی تھی شفاف شیشہ کی مانند۔
* * * اور اُس نے آب حیات کی ایک صاف ندی بلور کی طرح شفاف
جو خدا اور برّے کے تخت سے نکلتی تھی مجھے دکھائی اور اُس شہر کی سڑک
کے بیچ اور ندی کے وار پار زندگی کا درخت تھا جو بارہ دفعہ پھلتا اور ہر مہینے

میں اپنا پھل دیتا ہے۔ اور درخت کے پتے قوموں کی شفا کے واسطے
ہیں۔ اور پھر کوئی لعنت نہوگی۔ اور خدا اور برّے کا تخت اُسمیں ہوگا۔ اور
اُسکے بندے اُسکی بندگی کرینگے۔ اور اُسکا مُونہہ دیکھینگے۔ اور اُسکا نام اُنکے
ماتھوں پر ہوگا۔ اور وہاں رات نہوگی۔ اور وہ چراغ اور سورج کی روشنی کے
محتاج نہیں کیونکہ خداوند خدا اون کو روشن کرتا ہے۔ اور وہ ابدالآباد بادشاہت
کرینگے"۔

مگر محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس قوم میں مبعوث ہوئے
اُسکی حالت بنی اسرائیل کی حالت سے بالکل مختلف تھی۔ وہ انسان
کے وجود کو ایک درخت یا ایک جانور کے وجود سے زیادہ نہیں سمجھتے
تھے اور خیال کرتے تھے کہ وہ پیدا ہوتا ہے اور بڑھتا ہے اور ایک حد پر پہنچکر
تنزل پکڑتا ہے اور مرجاتا ہے جس طرح کہ کوئی ادنیٰ جانور مرجاتا ہے۔
اور جانوروں ہی کی مانند بالکل نیست و نابود ہوجاتا ہے۔ وہ نفس ناطقہ یا
روح کے وجود سے قطعاً بیخبر تھے اور یہہ سمجھتے تھے کہ انسان کا خون بجز انسان
کی سانس کے اور کچھ نہیں اور روح محض ایک ہوا اُسکے جسم کے اندر ہے
اُنکا عقیدہ تھا کہ مقتول آدمی کے سر میں سے ایک چھوٹا سا پرند جانور پیدا ہوتا
ہے اور جبتک کہ اُسکا بدلہ نہیں لیا جاتا (یعنی اُسکے قاتل کو قتل نہیں کیا جاتا) یہ
جانور اُسکی قبر پر یہہ کہکر چیختا رہتا ہے "اِسْقُوْنِیْ اِسْقُوْنِیْ" یعنی مجھے
پانی پلاؤ پانی پلاؤ۔ اُنکا یہہ بھی عقیدہ تھا کہ مُردہ کی ہڈیاں گل گلاکر آخرکار یہہ
جانور بنجاتی ہیں۔ اس عجیب جانور کو وہ صَدٰی اور ھَامَہ کہتے تھے اور

ایسے احمق تھے کہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ جانور بڑھکر ایک اُلو کی برابر ہوجاتا ہے
دیکھو لبید شاعر اپنے ممدوح کے مرثیہ میں کہتا ہے ؎

فَلَبِسَ النَّاسُ بَعْدَكَ فِي نَفِيرٍ	وَمَا هُمْ غَيْرُ أَصْدَاءٍ وَهَامِ

"انکو مطلقاً اِسکا خیال نہ تھا کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی بھی
ہوگی۔ اور انسان کو اُس سب سے بڑے بادشاہ کی عدالت میں حاضر ہونا
اور اپنے اعمال وافعال کا جواب دینا پڑے گا جسکی سلطنت ازلی وابدی
ہے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب آخرت اور جزا وسزا کا نام سنتے تو نہایت متعجب ہوکر
کہتے "أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا" (قرآن مجید
سورۂ بنی اسرائیل) "أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَدِينُونَ"
(سورۂ صافات) "أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ أَوَآبَاؤُنَا
الْأَوَّلُونَ" (سورۂ واقعہ) "أَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ"
سورۂ سجدہ) "أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً"
سورۂ نازعات) یعنی۔ کیا جب ہوجائیں گے ہم چند ہڈیاں
اور ریزہ ریزہ۔ کیا ہم پھر اُٹھائے جائیں گے نئے پیدا ہوکر؟۔
کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے۔ کیا بدلہ دیئے
جائیں گے (یعنی اعمال کی جزا وسزا ہم کو دیجائے گی)؟ کیا جب ہم مرجائینگے
اور ہوجائیں گے مٹی اور ہڈیاں۔ کیا ہم پھر اُٹھائے جائینگے؟ کیا ہمارے اگلے
باپ دادا بھی (اُٹھائے جائینگے)؟ کیا جب ہم زمین میں گم ہوجائیں گے۔
(یعنی گل گلا کر مٹی ہوکر اُس میں ملجائینگے) تو کیا ہم ایک نئی پیدائش میں آئینگے؟

کیا ہم لوٹائے جائینگے پچھلے پاؤں؟ کیا جب ہم ہونگے ہڈیاں گلی ہوئی؟
اور بڑے اصرار سے کہتے تھے "اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا
نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ" (سورہ انعام) اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی وَمَا
نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ (سورہ دخان) مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ
نَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ" (سورہ جاثیہ) یعنی۔ یہ زندگی کچھ نہیں
مگر صرف یہی دنیا کی زندگی اور ہم پھر اُٹھنے والے نہیں۔ یہ موت
(یعنی روحانی موت) کچھ نہیں۔ مگر یہی پہلی (یعنی دنیا کی) موت
اور ہم پھر زندہ کئے جانے والے نہیں۔ یہ زندگی (یعنی مرکر پھر جینا)
بالکل نہیں۔ مگر ہماری یہی دنیا کی زندگی۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔
اور صرف زمانہ ہی ہم کو مارتا ہے (نہ اور کوئی) اور کمال نادانی سے یہ
بیہودہ حجت پیش کرتے تھے "اِئْتُوْا بِاٰبَآئِنَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ"
(سورہ جاثیہ و دخان) یعنی ہمارے پرکھوں کو لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ اور
اسی پر اکتفا نہ کرتے تھے۔ بلکہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے واقف نہ تھے اُنکو بطور ایک اعجوبہ کے یہ کہا کرتے تھے "هَلْ نَدُلُّكُمْ
عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ"
(سورہ سبا) یعنی۔ کیا ہم تمکو ایک ایسا شخص بتائیں جو تم کو یہ بتائے
کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ کئے جا چکے ہوگے (یعنی تمہارا ذرہ ذرہ مٹی
میں ملچکا ہوگا) تو تم بیشک نئے سرے سے پیدا ہوگے" اور پھر
اُن سے پوچھتے تھے "اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ" یعنی

آیا اُسنے خدا پر بہتان باندھا ہے یا اسکو جنون ہے؟ (جو ایسی خلاف
عقل بات کہتا ہے) غرضکہ وہ صرف اس جسم اور اس ہیئت کذائی ہی کو
انسان جانتے تھے۔ نفسِ ناطقہ یا روح کے وجود کے قائل نہ تھے
اور نہ اُسکے افعال اور نہ اُسکی ذمہ داریوں سے واقف تھے۔ اور اسی وجہ
سے یہ سمجھتے تھے کہ جب آدمی مرگیا اور مٹی میں اور پانی پانی میں اور
ہوا ہوا میں ملگئی اور جسم سڑگل کر معدوم ہوگیا۔ تو عذاب و ثواب کیسا
اور کس پر۔ اب ہر ایک شخص سمجھ سکتا اور غور کرسکتا ہے کہ جن لوگوں کے
خیالات ایسے پست اور تنگ و تاریک ہوں۔ اور اُنہوں نے پشت ہا پشت
سے انہیں خیالات میں نشو و نما پائی ہو اُنکو یہہ یقین دلانا کہ اس جسم خاکی
کے اندر ایک ایسی چیز بھی ہے جو فنا ہونے والی نہیں۔ اور وہ اپنے
افعال و اعمال کی جواب دہ اور ذمہ دار ہے۔ اور پھر عذاب و ثواب
کو جو عقلی اور روحانی حقیقتیں ہیں اُنکے ذہن نشین کرنا کس قدر مشکل کام
تھا۔ لیکن اُس اُمّی مگر فطرت اللہ کے سب سے بڑے واعظ کے فضل و
کمال کو دیکھنا چاہیئے جس کا نام نامی محمدؐ ہے کہ اُسنے اپنی اُمت کی لوگوں
کی ناقابلیت کی وجہ سے اس باریک و دقیق مسئلہ میں حضرت کلیم کی
طرح سکوت اختیار نفرمایا۔ اور نہایت آسان اور عام فہم دلیلوں اور تمثیلوں
سے اُسکو لوگوں کے ذہن نشین کیا۔ اور جزا و سزا کی حقیقت کو ایسے فصیح و
بلیغ اور مؤثر و دلنشین طریقوں اور پیرایوں میں بیان فرمایا کہ بہشت و دوزخ
کو گویا آنکھوں سے دکھا دیا۔ اور اس طرح پر ایک ایسی مردہ دل قوم میں جو

بقول سر ولیم میور "روحانیت کے اعتبار سے خدا جانے کسقدر مدت
سے بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی" اپنے کلام جان بخش سے حیات
ابدی کی ایک تازہ روح پھونکدی - چنانچہ رودلف صاحب جو ایک نامدار
جرمن مورخ ہین لکھتے ہین کہ "شادی و غم - عشق و محبت و ہمت و شجاعت
کے وہ عظیم الشان اظہارات جنکی کچھ خفیف سی صدائیں اب ہمارے کان
میں آتی ہیں محمد کے زمانہ میں پوری پوری آواز رکھتے تھے اور محمد
کو سب سے زیادہ فصیح و بلیغ لوگون سے صرف برابری ہی کرنی نہیں پڑی
تھی بلکہ اُنپر فوق لیجانا پڑا تھا - اور اپنے کلام کی فصاحت و بلاغت کو
اپنے دعوی رسالت کی دلیل گردانا پڑا تھا محمد کے پیشتر کے شعرانے
عاشقانہ اشعار بہت کہے تھے - چنانچہ عنترہ نے جسکے عشق کا حال ایک
بہت مشہور داستان میں لکھا ہے - اور امرءالقیس نے جس کو محمد
نے پیشوائے شعرائے عرب مگر ہمارے اہل جہنم بتایا ہے - نہایت
عالی اور آبدار مضامین عشقیہ نظم کئے - اور شراب و کباب اور معشوقان
ماہوش و سیمین تن کی تعریف میں فصاحت و بلاغت کے دریا
بہا دیئے - مگر محمد نے عاشقانہ مضامین نظم نہیں کئے - نہ کوئی
عاشقانہ غزل کہی - نہ اس دنیائے فانی کے رنج و راحت - نہ عرب
کی شمشیر آبدار و شتر بے مہار - نہ عرب کے رشک و حسد اور خواہش انتقام
نہ کسی قوم و قبیلہ کے آبا و اجداد کی شجاعت و جوانمردی نظم کی - نہ کوئی ایسا
مضمون بیان کیا جس سے معلوم ہو کہ اُسکے نزدیک وجود بشر کی کوئی حقیقت

ہی نہیں اور انسان کے لیے مطلقاً فنا ہو جانا ہی ہے۔ الغرض اُسنے
لوگوں کو شعر و سخن نہیں سکھایا۔ بلکہ اسلام سکھایا۔ اور کیونکر سکھایا کہ
زمین و آسمان کو شق کر کے جنت و نار کو مجسم کر کے دکھا دیا* حق تو اجسکا نتیجہ
یہ ہوا کہ وہی ہیچ کے اندھے عرب جنکو صرف یہ دنیا ہی سوجھتی تھی اور
آیندہ کے حال سے بالکل بیخبر تھے اپنی اپنی استعداد و قابلیت کے موافق
مدارج ایمان و ایقان اور اذعان و عرفان میں ایسے ترقی کر گئے اور نور معرفت
سے اُنکی آنکھیں ایسی روشن ہو گئیں کہ بعض نفوس عالیہ۔ قیامت اور جو کچھ
کہ اُس عالم میں پیش آنے والا ہے۔ اُسکو اسی عالم میں دیکھنے لگے۔ چنانچہ
امام العرفا و سید الاوصیا حضرت علی مرتضی علیہ التحیہ والثنا نے جو
خلیفۂ برحق اور مظہر اتم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و
حکمت* اور ایمان و معرفت کے ہیں علانیہ کہدیا "لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ

---

*۔ دیکھو رسالہ کوارٹرلی ریویو جلد ۱۲۷۔ نمبر ۲۵۴ لندن ۱۸۶۹ء مؤلف

* حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا" یعنی فرمایا رسول خدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے کہ من شہر علم علیم درست" و "اَنَا دَارُ الْحِکْمَتِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا" یعنی فرمایا
آنحضرت نے کہ میں حکمت الہیہ کا گھر ہوں اور علیؑ اوسکا دروازہ ہے (دیکھو کتاب مشکوٰۃ و
جامع ترمذی وغیرہ باب مناقب علیؑ علیہ السلام۔

جناب مقدس مرتضوی کے فضائل و کمالات کا اعتراف نہ صرف اُن کے کفش بردار مومنوں
اور مسلمانوں ہی کو ہے۔ بلکہ مخالفوں اور غیر مذہب والوں نے بھی بڑے شد و مد سے اُسکا اعتراف کیا ہے
دیکھو ہائی کورٹ بمبئی کے فاضل جج مسٹر جسٹس آرنولڈ نے ایڈووکیٹ جنرل بنام محمد حسن خوجہ

مَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا" یعنی اگر یہ حجاب جسمانی اُٹھ جاوے تو بھی میرا یقین
کچھ نہیں بڑھنے کا۔ یعنی خدا کے وجود اور احوال آخرت کی نسبت جو یقین اور
اطمینان قلبی اور لوگوں کو اس دنیا سے گزرنیکے بعد حاصل ہوگا وہ مجھکو اسی
عالم میں حاصل ہے۔ اور آپ کے اصحاب میں سے ذِعْلِبْ نامی
ایک شخص نے جو یہ سوال کیا کہ "ھَلْ رَاَیْتَ رَبَّکَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ"
یعنی۔ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے یا امیر المومنین" تو آپ نے
فرمایا "اَفَاَعْبُدُ مَا لَا اَرٰی" یعنی پھر کیا میں اُسکی پرستش کرتا ہوں جسکو
دیکھتا نہیں۔ اور جب اُسنے عرض کیا کہ "کَیْفَ تَرَاہُ" یعنی آپ
اُسے کیونکر دیکھتے ہیں۔ تو غایت درجہ کی تنزیہ و تقدیس اور حکمت و معرفت
سے بھرا ہوا یہ جواب دیا "لَا تُدْرِکُہُ الْعُیُوْنُ بِمُشَاھَدَۃِ الْعِیَانِ
وَلٰکِنْ تُدْرِکُہُ الْقُلُوْبُ بِحَقَائِقِ الْاِیْمَانِ" یعنی۔ آنکھیں خدا کو
کھلم کھلا نہیں دیکھ سکتیں مگر دل ایمان کی حقیقتوں سے اُسکو دیکھ لیتے ہیں
یعنی جب انسان کا دل ماسوی اللہ کی کدورتوں سے پاک و صاف ہوکر
آئینہ کی مانند مجلے و شفاف ہوجاتا ہے۔ یہانتک کہ اُسکو اپنے وجود سے
بھی ذہول اور بیخبری ہوجاتی ہے۔ تو نور جلال و جمال الٰہی اُسمیں چمکنے لگتا ہے
اور انسان میں اور خدا میں کوئی پردہ اور حجاب نہیں رہتا۔ اور وہ ایمان و

کے مشہور مقدمہ میں جو ایک نہایت عالمانہ فیصلہ لکھا تھا اُسمیں یہ لکھا ہے "الغرض علیؑ کی
شہادت سے سب مسلمانوں میں ایک تہلکہ عظیم پڑگیا۔ علیؑ کو سب لوگ دل سے دوست رکھتے
تھے اور وہ اسی قابل تھے۔ اُس زمانہ میں بھی جبکہ شجاعان عرب شہرہ آفاق تھے۔ عمرو غلام آل ابوطالب

معرفت کے اُس درجہ کو پہنچ جاتا ہے جسکو رویت اور دیدار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ایک ایسا روحانی مکاشفہ حاصل ہو جاتا ہے کہ گویا خدا کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ فَلِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ ؎

حجاب و پردہ ندارد نگار سرکش ما	تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

پس محدث جلیل محمد بن اسمٰعیل بخاری اور مسلم نے جو جریر بن عبد اللہ سے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ عِیَانًا" یعنی۔ بیشک قریب ہے کہ تم اپنے پروردگار کو ظاہر طور پر دیکھو گے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ "اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ ھٰذَا الْقَمَرَ" یعنی۔ جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو قریب ہے کہ اُسی طرح اپنے پروردگار کو دیکھو گے اور ایسی ہی اور چند روایتیں جو رویت کے باب میں کتاب مشکوٰۃ میں منقول ہیں اگر صحیح ہوں تو اُنکا مدعا بھی یہی مکاشفہ روحانی ہے جو کامل المعرفت مومنین کو عالم آخرت میں نہایت اتم و اکمل طور پر حاصل ہوگا۔ نہ اور کچھ۔ کیونکہ رویت بمعنی رویت بصری تو عقلاً ناممکن ہے۔ اور نص صریح قرآنی اور حدیث صحیح نبوی کے بھی برخلاف ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے "لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ" یعنی۔ یہ ظاہر کی آنکھیں اُس کو (یعنی ذات مقدس الٰہی کو) نہیں

اسد اللہ الغالب اُنکا لقب تھا۔ اور اشجع العرب اُن کو کہتے تھے۔ شجاعت حکمت۔ ہمت عدالت۔ سخاوت اور زہد و تقوی میں علیؑ کا عدیل و نظیر تاریخ عالم میں کمتر نظر آتا ہے (ماخوذ از لارپورٹ بمبئی جلد دوازدہم) مؤلف عفی عنہ

دیکھ سکتیں۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جیسا کہ
مشکوٰۃ کے اسی باب مین بروایت مسلم آنحضرت کے خادم خاص
ابوذر سے منقول ہے۔ کہ انہوں نے آپسے عرض کیا کہ ھَلْ رَاَیْتَ رَبَّکَ
یعنی۔ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ نُوْرٌ
اَنّٰی اَرَاہُ" یعنی خدا تو نور ہے میں اسکو کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ یعنی بقول
طیبی شارح مشکوٰۃ "نور اسکا حجاب ہے۔ کیونکہ نور کا کمال دیکھنے کا مانع
ہوتا ہے" جیسے آفتاب کا نور جو خدا کی مخلوقات میں سے ایک ادنیٰ
مخلوق ہے۔ اسکی ذات کی رویت کا مانع ہے۔ پس خدا جو نور اور روشنی
کا بھی خالق ہے اسکو یہہ ظاہری آنکھیں کیونکر دیکھ سکتی ہیں۔ وَمَا
لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ"

ہمارے اس بیان کے پڑھنے کے بعد ہر ایک منصف مزاج شخص
(اگر کوئی ایسا شخص ہو) یہہ فتویٰ دینے میں تامل نکریگا کہ جس کتاب کی تعلیم
روح کو ایسی ترقی دینے والی اور نتیجے ایسے عظیم الشان و معجز ہیں کہ اگر اُن کو
ابرائے اکمہ و احیائے موتی سے تعبیر کیا جائے تو مبالغہ نہیں ہے۔
اور جو لطافت زبان و حسن بیان کے اعتبار سے اپنی نوع میں یکہ و یگانہ
اور کامل تر و اعلیٰ تر ہے۔ وہ کسی ایسے وجود کا کلام نہیں ہو سکتی جو
خود ہی اپنی فطرت میں ناقص و عاجز اور مرکب عن الخطاء والنسیان ہو
بلکہ اسکا مصدر وہی کامل الذات اور ہمہ قدرت ہستی ہونی چاہئے جو تمام
زمین و آسمان۔ اجرام و اجسام۔ ارواح و اشباح۔ کی خالق۔ اور اندھیرے

کہ اجالا۔ اوحیا سے کو اندھیرا یعنی معدوم کو موجود۔ موجود کو معدوم۔ زندوں کو مردہ اور مردوں کو زندہ کر دینے پر قادر ہے۔ کیونکہ کامل شے کا صدور کامل ہی سے ہو سکتا ہے ناقص سے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بشپ جلد لٹن جو ایک عالم و فاضل شخص تھا کہتا ہے کہ "یونانی توریت اور انجیل سے بالکل جہالت اور وحشیانہ پن ظاہر ہوتا ہے۔ اور جملہ عیوب سے جنکا کسی زبان میں پایا جانا ممکن ہے بھری ہوئی ہیں۔ مگر ہم کو از روے فطرت کے خود بخود یہ توقع ہوتی ہے کہ الہامی زبان کا سلیس و لطیف اور عمدہ و پر اثر ہونا چاہیے اور اُسکا عام کلام کی قوت اور اثر سے بھی متجاوز ہونا ضرور ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی چیز ایسی نہیں ہو سکتی جسمیں کسی قسم کا نقص ہو۔ خلاصہ یہ کہ ہم کو افلاطون کی سی لطافت اور سسرو کی سی بلاغت کا متوقع ہونا چاہیے" اور اسی اصول پر مبنی ہے وہ دعویٰ جو قرآن مجید کی اُن آیتوں میں کیا گیا ہے جو ہم اپنی اس کتاب کے شروع میں لکھ آئے ہیں۔ اور جن میں سے ایک آیت یہ ہے۔ "قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا"

عرب جاہلیت دیوؤں اور خبیث ارواحوں کو مانتے تھے تمام خیالی اور وہمی اور فرضی صورتیں جو بیابانوں یا پرانی مسمار و منہدم عمارتوں میں اُنکو نظر آتیں (جنکی کہ تنہا آدمی کے خیال میں اکثر صورت بنجاتی ہے) اُن سب کو مختلف قسم کی خبیث ارواحیں تصور کرتے تھے۔ نیک اور بد

جنّات میں عقیدہ رکھتے تھے۔ اُن کی مختلف صورتیں اور شکلیں مقرر کی تھیں
اور مختلف نام رکھے تھے۔ اُن کے نزدیک بعض جنّات نصف جسم انسان
کا سا اور نصف جسم روحانی رکھتے تھے۔ اُن کو جنگلوں اور پہاڑوں میں انسانوں
سے مخفی رہنے والے جانتے تھے۔ اور شریر اور زبردست و قوی ہیکل لمبا
تڑنگا خیال کرتے تھے۔ اور اُن کی پرستش کرتے تھے۔ اُن میں جنوں کے
وجود کا یقین ایسا پھیل گیا تھا کہ یہ سمجھتے تھے کہ ہر ایک جنگل میں جن رہتے
ہیں۔ چنانچہ جب سفر کو جاتے یا شکار کے لئے کسی جنگل میں اُترتے تو اُس
جنگل یا میدان کے جنوں کے سردار سے پناہ مانگتے اور کہتے "اَعُوْذُ
بِعَظِیْمِ هٰذَا الْوَادِیْ" اُنہوں نے عبقر کو نامی ایک خیالی شہر
قرار دے رکھا تھا اور سمجھتے تھے کہ اُس میں بہت کثرت سے جن رہتے ہیں
اور ہر ایک عمدہ و عجیب چیز کو اس خیال سے اُسکی طرف منسوب کرتے تھے
کہ گویا وہ جنوں کی بنائی ہوئی ہے۔ غرضکہ وہ جنوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ
اور مشکل سے مشکل چیز کے بنا لینے پر قادر سمجھتے تھے۔ شعرا کا یہ اعتقاد
تھا کہ ایک ایک جن اُنکے اختیار میں رہتا ہے اور جس قدر بڑا شاعر
ہوتا ہے اُسی قدر زبردست جن اُسکا محکوم ہوتا ہے۔ دیکھو مُوسیٰ بن
جابر شاعر اپنی تغزل میں کہتا ہے "وَمَا نَفَرَتْ جِنِّیْ وَمَا فَلَّ
صَبْرِیْ" یعنی میرا جن بدک نہیں گیا اور نہ میرا سوہان ہی بیکار ہو گیا ہے
پس خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کے الہامی اور ربانی الاصل ہونے کے
دعوے کو موکد کرنے کے لئے اپنے رسول کو فرمایا کہ (بعض کافر جو یہ کہتے

ہیں کہ ہم چاہیں تو قرآن کی مثل لا سکتے ہیں" تو اُن سے کہدے کہ آؤ ہی تو کیا اگر جن بھی اور جن کو تم اپنے خیال میں جنیں و جنان سمجھتے ہو تمام جن و انس مل کر لئے متفق ہو جائیں تو بھی کوئی ایسا کلام نہ لا سکیں گے جو سراسر حقیقت و معرفت اور علم و حکمت و مکارم اخلاق و اصول عامہ سیاست سے بھرپور اور حسن بیان و لطافت زبان و بلاغت میں قرآن کی مانند ہو" اور تاریخ گواہ ہے کہ عرب جاہلیت باوجود اُس غایت مرتبہ کی عداوت و مخالفت کے جو بانی اسلام علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام سے رکھتے تھے۔ اور اُس اعلیٰ و اکمل درجہ کی دستگاہ کے جو فصاحت و بلاغت میں اُنکو حاصل تھی۔ اور اُس انتہا کی حد و کد اور اصرار و استبداد کے جو آنحضرت کے دعوی رسالت کی تکذیب اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی تردید میں کرتے تھے قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی چھوٹی سورہ کی مانند بھی نہیں لا سکے۔ اور اُن کا وہ سب سے بڑا اور نامی گرامی شاعر جو اَنا و لاغیری کا دم بھرتا تھا۔ اور جسکا نام لبید تھا سورہ بقرہ کی چند آیتوں کو پڑھکر بے اختیار چلا اُٹھا کہ خدا اور اُس شخص کے سوا جسپر وحی نازل ہوتی ہو کوئی انسان ایسا کلام نہیں کر سکتا۔ اور فوراً شرک و بت پرستی کو چھوڑ کر خدا پرست مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ جارج سیل صاحب اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "یہ بات علی العموم مسلم ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں جو جملہ اقوام عرب میں شریف ترین و مہذب ترین قوم ہے انتہا کی لطیف اور پاکیزہ زبان میں لکھا گیا ہے۔ لیکن اور زبانوں کی بھی کسی قدر آمیزش ہے۔ گو وہ آمیزش بہت ہی قلیل ہے

وہ لاکلام عربی زبان کا نمونہ ہے۔ اور زیادہ پکے عقیدہ کے لوگوں کا یہ
قول ہے اور نیز اس کتاب سے بھی ثابت ہے کہ کوئی انسان اس کا
مثل نہیں لاسکتا (گو بعض فرقوں[۵۱] کی مخالفت رائے ہے) اور اسی
واسطے اُسے لازوال معجزہ قرار دیا ہے جو مُردہ کے زندہ کرنے سے
بڑھکر ہے۔ اور تمام دنیا کو اپنے ربانی الاصل ہونے کا ثبوت دینے کے
لئے اکیلا کافی ہے۔ اور خود محمدؐ نے بھی اپنی رسالت کے ثبوت کے
لئے اسی معجزہ کی طرف رجوع کیا تھا اور بڑے بڑے فصحاے عرب کو
جو ہمارے کہ اُس زمانہ میں اس قسم کے ہزارہا آدمی موجود تھے جن کا بعض بعض
شغل اور حوصلہ تھا کہ خلاف تحریر و عبارت آرائی کی لطافت میں لاجواب
فایق ہوجائیں) علانیہ کہلا بھیجا تھا کہ اسکے مقابلہ کی ایک سورہ ہی بنا دو۔
اس بات کے اظہار کے واسطے کہ اس کتاب کی خوبی تحریر کی اُن ذی لیاقت
لوگوں نے فی الواقع تعریف و توصیف کی تھی جنکا اس کام میں بمقتضا علم
ہے بخیال بیشمار مثالوں کے ایک مثال کو بیان کرتا ہوں۔ لبید بن ربیعہ
عامری جو محمدؐ کے زمانہ میں سب سے بڑے زبان آوروں میں سے
تھا اُسکا ایک قصیدہ[۵۲] خانہ کعبہ کے دروازہ پر چسپاں تھا (یہ رتبہ نہایت
اعلیٰ التصنیف کے لئے دعویٰ تھا) اور کسی شاعر کو اُسکے مقابل میں کسی اپنی

۵۱ بعض فرقوں کی بجگہ بعض شخصوں کہنا مناسب تھا۔ مؤلف عفی عنہ

۵۲ مشہور و معروف قصاید "سبعہ معلقہ" میں سے چوتھا قصیدہ وہی ہے جسکا ذکر
مسٹر سیل نے اپنے اس بیان میں کیا ہے۔ مؤلف عفی عنہ

تصنیف کے پیش کرنے کی جرأت نہوتی تھی۔ لیکن جبکہ تھوڑے ہی عرصہ
کے بعد قرآن کی دوسری سورہ (بقرہ) کی آیتیں اُسکے مقابلہ میں لگائی گئیں
تو خولید (جو اُس زمانہ میں مشرکین میں سے تھا) شروع ہی کی
آیت پڑھکر بحر تحیر میں غوطہ زن ہوا۔ اور فی الفور مذہب اسلام قبول کرلیا اور
بیان کیا کہ ایسے الفاظ صرف نبی ہی کی زبان سے برآمد ہوسکتے ہیں۔"
اور متصلاً لکھتے ہیں کہ "قرآن کا طرز تحریر عموماً خوشنما اور رواں ہے بالخصوص
اُس جگہہ کہ جہاں وہ پیغمبرانہ وضع اور توریتی جملوں کو نقل کرتا ہے وہ مختصر
اور بعض مقامات میں مبہم ہے۔ اور ایشیائی ڈھنگ کے موافق پُر
حیرت صنعتوں سے مزین۔ اور روشن اور پر معنی جملوں سے مُزین
ہے۔ اور اکثر جگہہ اور علی الخصوص اُس مقام پر جہاں کہ اللہ تعالیٰ
کی عظمت اور اوصاف کا بیان ہے نہایت عالی مرتبہ اور رفیع الشان ہے"
پس مسٹر گبن کا یہہ لکھنا کہ "آنحضرت جوش مذہبی یا خود پسندی کی
تحریک سے اپنی رسالت کی صداقت کو اپنے قرآن کی خوبی پر منحصر کرتے ہیں
اور دلیری کے ساتھہ یہہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انسان اور ملائک دونوں میں
سے کوئی تو اُسکے ایک صفحہ کی مانند بنادے۔ اور پھر خود ہی بڑے زور
سے یہہ کہتے ہیں کہ ایسا بے نظیر کلام صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے
ہوسکتا ہے"۔ اور نیز یہہ کہنا کہ "یہہ دلیل نہایت استحکام کے ساتھہ
ایک موعقیدت عرب کی طرف خطاب کی گئی ہے جس کی طبیعت وجد
میں آکر ایمان لے آئے اور کان خوش آیند الفاظ کو سنکر مسرت اندوز ہونیکے

لئے موزون - اور جسکی بے علمی انسانی ذہانت کے ایجادوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے" صریحًا تاریخ سے چشم پوشی کرنا ہے - کیا اُن ہزارہا فصحاء بلغامیں جنکا بقول مسٹر سیل "محض یہ شغل اور حوصلہ تھا کہ طرز تحریر اور عبارت آرائی کی لطافت میں لایق و فایق ہو جائیں" کوئی بھی ایسا نہ تھا؟ جو ایک ایسے شخص کا کہ جو نہ کسی مکتب میں بیٹھا - نہ کسی اُستاد سے پڑھا - اور نہ کسی شاعر سے شعر کہنا سیکھا - مقابلہ کرتا اور قرآن کی طرز کے چند چھوٹے چھوٹے فقرے لکھکر اُسکے اس بڑے دعوے کو جو مسٹر گبن کے نزدیک "جوش مذہبی یا خود پسندی کا نتیجہ تھا" رد کر دیتا - اور اسطرح سے اپنی قوم اور اپنے خداؤنکو اُس آفت سے بچا لیتا جو آخر کار اُس ناصح امین کی بات نہ ماننے سے جو نہایت دلسوزی و ہمدردی اور جانبی کے جوش سے صرف اُن ہی کے بھلے کی خاطر انکو نصیحت کرتا تھا اُن پر پڑی - اور جبکہ باوجود اُسکے بار بار کے اس دعوے کے کوئی فصیح سے فصیح اور بلیغ سے بلیغ اُسکی تردید نہیں کر سکا اور وہ لوگ لفظی مقابلہ کو چھوڑ کر تیر و شمشیر کے ساتھ مقابلہ پر مجبور ہوئے تو صاف ثابت ہے کہ یہہ ایک ربانی کرشمہ تھا جس نے تمام فصحا و بلغاے عرب کو قرآن کے مقابلہ میں ناچار اور عاجز کر دیا تھا اور خدا کا یہہ فرمانا بالکل سچ تھا اور ہے کہ "قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ (الی آخر الآیۃ)

عیسائی مصنفوں نے جنمیں سے ایک سر ولیم میور بھی ہیں بڑی جد و جہد کے بعد اپنے نزدیک قرآن مجید میں یہہ عیب نکالا ہے کہ اُسکے قصص و احکام و بیانات میں بے ربطی ہے چنانچہ گبن استہزاء

لکھتا ہے کہ "یورپ کا کاؤ قرآن کے قصص اور مواعظ اور بیان کی
بے انتہا ناموزون بے ربطی کو جس سے شاذ ہی کوئی تصور یا خیال پیدا ہوتا
ہے اور جو کبھی تو ایسا پست ہے کہ گویا زمین پر لوٹتا ہے اور کبھی ایسا بلند ہے
کہ گویا بادلوں کے پار ہو جاتا ہے بے صبری کے ساتھ پڑھتا ہے" اور
اگرچہ اوس نے اسکی وجہ نہایت انصاف سے خود ہی بیان کر دی ہے کہ
"طرز بیان کی فصاحت و بلاغت ترجمہ کے ذریعے سے یورپ کے
کاؤ تک نہیں پہنچ سکتی" مگر ہم پر فرض ہے کہ اسکو کسیقدر تفصیل کے
ساتھ بیان کریں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جاوے کہ مخالفین کے بیانات میں
کہانتک سچائی ہے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید اپنی اصل مُوْرِثی اور دِلْرُبا صورت میں فرنگستان
میں نہیں پہنچا۔ بلکہ اُس شکل میں وہاں پہنچا ہے جسکا خاکہ مسٹر گاڈفرے ہگنس
نے عمدہ طور پر ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ "اگر عبرانی کتب مقدسہ
کا ترجمہ اس طرح پر شایع کیا جاوے کہ ہر لفظ قابل تبدیل متین
اور شایستہ معنی سے ذلیل اور غیر مہذب معنی میں بدل دیا جاوے۔ اور
ہر آیت کا مضمون کسی جوڑ توڑ اور ناقابل برداشت غلط ترجموں اور غلط تاویلوں
کے ساتھ مصنف پر معیوب معنی ہونے کا ذریعہ بنایا جاوے۔ اور ایک
بیقدر اور خراب شرح اُسکے ساتھ لگا دی جاوے تو اُس ذریعہ کا کسی قدر تصور
بندھ سکتا ہے کہ جسکی وساطت سے قرآن کی اشاعت یورپ میں ہوئی"
اور چند اور مشہور و معروف عیسائی مصنفوں نے بھی اسکی تائید کی ہے۔

چنانچہ مانشیو (مسیواری جو ایک فرانسیسی مترجم قرآن ہے
مانشیو ڈوایر (یہ شخص گورنمنٹ فرانس کی طرف سے مصر میں کانسل
تھا اور زبان عربی دیکی جانتا تھا) کے ترجمہ کی نسبت لکھتا ہے کہ "اگر
قرآن جو تمام ایشیائی ملکوں میں عبارت کے کمال اور قوت خیالات کے
مجد و اجلال میں اعلیٰ مرتبہ پر ہے ڈوداؤ کے ترجمہ میں ایک نامرتب
اور سست و بے مزہ بیان کہ جس سے طبیعت دق ہو جاوے معلوم ہو
تو یہ الزام اُس طرز پر لگانا واجب ہے جو ڈوداؤ نے اس ترجمہ میں
اختیار کی۔ یہ کتاب زبور داؤد کی مانند جدا جدا آیتوں میں ہے۔ یہ طرز
تحریر جو نبیوں نے اختیار کی اس غرض سے تھی کہ نثر میں زندہ خیالات
اور نظم کے استعارے اور محاورات بیان میں آسکیں۔ ڈوداؤ نے
بلالحاظ متن کے سب آیتوں کو ملا دیا۔ اور اُن کو ایک بیان مسلسل کر دیا۔ اور
اس مصیبت کے رفع کرنے کو نکمی تفسیرین اور ہیچکارہ عبارتیں بیچ میں ملا دیں
جس سے اسکے خیالات کی شان اور عبارت کی فریبندگی بالکل جاتی
رہی اور اصل کی تعریف ناممکن ہو گئی۔ اس ترجمہ سے کوئی نہیں خیال
کر سکتا کہ قرآن عربی زبان میں وحید و فرید ہے"

اور اسی ترجمہ کی نسبت سیل صاحب لکھتے ہیں کہ "اسکے ہر صفحہ میں
غلطیاں ہیں۔ اور اکثر تبدل اور حذف و زیادتی کی ایسی خطائیں ہیں جو اس
قسم کی تصنیف میں معاف و معذور نہیں ہو سکتیں"

قرآن مجید کا ایک اور ترجمہ جو فادر لیوئیس مراکشی نے کیا اور حال المتن

مع حاشیہ چھاپا گیا۔ اُسکی نسبت مانٹیور سیواری" لکھتا ہے کہ "اس
فاضل راہب نے جس نے چالیس برس ترجمہ اور تردید کرنے میں صرف
کئے صحیح طریقہ کا برتاؤ کیا۔ یعنی متن کے موافق آیتوں کی تقسیم کی مگر ترجمہ
لفظی کر ڈالا۔ اسنے قرآن کے مضمون کو نہیں بیان کیا۔ بلکہ اُسکو لاطینی
وحشی زبان میں پریشان کر دیا ہے۔ اور گو اصل عبارت کی سب خوبیاں
اس ترجمہ سے جاتی رہیں۔ تاہم اس ترجمہ کو ڈوریر کے ترجمہ پر ترجیح ہے"
مراکشی نے جو ایک نہایت متعصب شخص تھا ایک رسالہ بھی اسلام
کی تردید میں اس ترجمہ کے ساتھ چھاپا تھا۔ اُسکے طرز استدلال کی نسبت مسٹر
سیل لکھتے ہیں کہ "جو حاشیے اِسنے لگائے وہ تو بڑے فائدے
کے ہیں۔ مگر اسکی تردید جسکی وجہ سے کتاب کی ضخامت بہت بڑھگئی۔
وہ بہت ہی کم یا کسی کام کی نہیں۔ کیونکہ اکثر ناکافی اور گاہ گاہ گستاخانہ ہے"
پہلا انگریزی ترجمہ جو مسٹر الگزنڈر راس نے کیا وہ ڈوریر کے
ترجمہ کا ترجمہ ہے اور اسلئے وہ خرابی اسمیں بھی ہے جو ڈوریر کے ترجمہ
میں ہے۔ البتہ دوسرا ترجمہ جو مسٹر جارج سیل نے کیا کسیقدر اچھا ہے
مگر وہ عیب جسکی شکایت سیواری نے کی ہے اور جسنے لطف مناسبت
وارتباطِ آیات کو کھو دیا۔ جس کے باعث سے پڑھنے والوں کو "ایک بے مزہ
پھیکی اور الجھاؤ کی تقریر معلوم ہوتی ہے" اُس میں بھی موجود ہے
یعنی آیتوں کی تفریق نہیں کی اور تمام کتاب کو ایک بیان مسلسل
کر دیا ہے۔

غرضکہ اس قسم کے ترجموں[۵] کے ذریعہ سے قرآن مجید یورپ میں پہنچا ہے اور مسلمانوں کو تو خدا نے توفیق ہی نہیں دی کہ خود دوسری زبانوں میں ترجمہ کرتے اور مختلف ملکوں میں شایع کرتے۔ اور اسطرح پر قرآن مجید کا اصلی

[۵] فہرست مندرجہ ذیل سے یہ ظاہر ہوگا کہ بارہویں صدی عیسوی سے لیکر اس وقت تک یورپ کی کس کس زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہے۔

شمار	مترجم کا نام	زبان	سنہ
(۱)	رابرٹ روٹن این سس	لاطن	۱۱۴۳ء
(۲)	انڈریا اراوابنی	اطالیہ	
(۳)	جوھانس انڈریاس	ایروگوتین*	۱۵۰۰ء
(۴)	انڈریہ ڈورایر	فرنچ	۱۶۰۰ء
(۵)	الگزنڈر راس	انگریزی	
(۶)	لیوئیس مراکشی	لاطن	۱۶۹۸ء
(۷)	جارج سیل	انگریزی	۱۷۳۴ء
(۸)	میگرلن	فرنچ	۱۷۷۲ء
(۹)	سیواری	فرنچ	۱۷۸۳ء
(۱۰)	واھل	جرمن	۱۸۲۶ء
(۱۱)	گارسن ڈی ٹاسی	فرنچ	۱۸۲۹ء
(۱۲)	کاسمرسکی	ایضاً	۱۸۴۰ء
(۱۳)	المان	جرمن	۱۸۴۰ء
(۱۴)	جے۔ ایمرراڈویل۔ بی۔ اے	انگریزی	۱۸۶۱ء

* ایروگوتین اسپین کے ایک [illegible] کہتے ہیں یعنی منسوب بہ ایروگوتیا مولف

حسن وجمال لوگوں کو دکھاتے مگر بقول سعدی کہ ع "حاجتِ مشاطہ نیست
روے دلارام را" اُسنے خود ہی اپنے روے روشن سے نقاب
اُٹھاکر وہ ربّانی تجلی کی کہ اُن ہی لوگوں میں سے جو اُسکے مخالف اور منکر
تھے حقیقت بیں اہل نظر کو اپنا والہ وشیدا کرلیا اور وہ ہزار دل سے اُسکے
خداداد حسن وجمال اور فضل وکمال پر فریفتہ ہوگئے اور بے اختیار اُنکی زبان
پر آگیا کہ وہ از سر تا پا صداقت اور ہر قسم کے اوصاف کا معدن ومخزن
ہے۔ چنانچہ مسٹر طامس کارلائل مرحوم جو اس صدی کے
نہایت مشہور ومعروف فضلا میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ "میرے
نزدیک قرآن میں سچائی کا جوہر اُسکے تمام معنی میں موجود ہے جسنے
اُسکو وحشی عربوں کی نظر میں بیش بہا کردیا تھا۔ سب سے اخیر یہہ کہا
جاسکتا ہے کہ یہہ کتاب یعنی قرآن سب سے اول اور سب سے اخیر جو
عمدگیاں ہیں وہ اپنے میں رکھتا ہے اور ہر قسم کے اوصاف کا بانی
ہے بلکہ دراصل ہر قسم کے وصف کی بنا صرف اُسی سے ہوسکتی ہے"*
مسٹر گاڈفرے ہیگنس جو وہ بھی علم وفضل اور بے تعصبی وانصاف
پسندی میں بڑے عالی رتبہ شخص ہیں لکھتے ہیں کہ "وہ مسیحؑ کی انجیل کی
طرح قرآن غریب آدمی کا دوست اور غمخوار ہے۔ بڑے آدمیوں کی
ناانصافی کی ہر جگہہ مذمت کرتا ہے۔ وہ آدمیوں کی باعتبار مدارج کے توقیر
نہیں کرتا۔ یہہ امر اُسکے مصنف کی (خواہ وہ عرب کے نامی پیغمبر محمدؐ ہوں خواہ

* دیکھو کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ - لکچر دوم - مؤلف عفی عنہ

اُنکے خلیفہ عثمان) لازوال نیکنامی کا باعث ہے کہ اُسمیں ایسا ایک
بھی حکم نہیں بتلایا جاسکتا ہے کہ جسمیں پولٹیکل خوشامد و رو داری کیطرف ذرا سا
بھی میل ہو جیسا کہ دلیبٹ منسٹر ریویو میں منصفانہ رائے دیگئی ہے کہ "اگر خود مختا
وجابر ایشیائی فرماں رواؤں کو اُنکے ارادہ سے کوئی چیز کبھی روک سکتی ہو تو وہ
غالباً قرآن کی ایک بے تکلف آیت کسی ذی جرأت واعظ کی زبانی ہوگی"

مسٹر جان ڈیون پورٹ جو یہ بھی ایک بڑے عالم اور غیر متعصب
شخص ہیں فرماتے ہیں کہ "منجملہ اُن بہت سی اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کے جو
قرآن کے لئے واجب طور پر باعث فخر و ناز ہو سکتی ہیں دو خوبیاں نہایت
بیّن ہیں۔ یعنی اول تو اُسکا وہ سوداباند اور ہیبت و رعب سے بھرا ہوا احرز بیان
جو ہر ایک مقام پر جہاں خدا تعالیٰ کا ذکر یا اوسکی ذات کی طرف اشارہ ہے
اختیار کیا گیا ہے۔ اور جسمیں خداوند عالم کو اُن جذبوں اور اخلاقی نقصوں سے
منسوب نہیں کیا جو انسان میں پائے جاتے ہیں۔ دوسرے اُسکا اُن تمام
خیالات و الفاظ اور قصوں سے مبرا ہونا جو فحش اور خلاف اخلاق اور
نامہذب ہوں حالانکہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ یہہ عیوب توریت
وغیرہ کتب مقدسہ یہود میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ فی الحقیقت
قرآن اِن سخت عیوب سے ایسا مبرا ہے کہ اوسمیں خفیف سی خفیف
ترمیم کی بھی ضرورت نہیں اور اول سے آخر تک پڑھ جاؤ تو اُس میں کوئی
بھی ایسا لفظ نہ پاؤ گے جو پڑھنے والے کے چہرہ پر شرم و حیا کے
آثار پیدا کرے۔ قرآن میں ذات باری کی تعریف نہایت مشرح اور صاف ہے

اور جو مذہب اُسنے اپنی ان خوبیوں کے ساتھ قایم کیا ہے وہ وحدانیت
الٰہی کا نہایت پختہ اور شدید یقین ہے۔ اور بجاے اسکے کہ اللہ تعالیٰ
کو فلسفیانہ طور پر صرف ایسا مسبب الاسباب مان لیا جاے جو اس عالم کو
مقررہ قوانین پر چلاکر خود ایسی شان و عظمت کے ساتھ الگ ہے کہ اوس
تک کوئی شے نہیں پہونچ سکتی۔ قرآن کی رو سے وہ ہر وقت حاضر و
ناظر ہے۔ اور اوسکی قدرتِ کاملہ ہمیشہ اس عالم میں عامل اور متصرف ہے
علاوہ ازیں اسلام ایسا مذہب ہے جسکے اصول میں کوئی امر متنازع فیہ
نہیں اور چونکہ اوسمیں کوئی ایسا معما نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آسے اور زبردستی
قبول کرنا پڑے اسلیے وہ لوگوں کے خیالات کو ایک سیدھی سادی اور
ایسی پرستش پر قایم رکھتا ہے جو تغیر پذیر نہیں ہے حالانکہ تیز و تند اور
اندھا دھند جوش مذہبی نے پیروان اسلام کو اکثر اوقات آپے سے باہر
کر دیا ہے۔ اور سب سے اخیر بات یہ ہے کہ مذہب اسلام ایسا مذہب
ہے کہ جس نے ولیوں۔ شہیدوں اور تبرکات اور تصویروں کی پرستش
اور ناقابل فہم باتیں اور حکیمانہ باریکیاں اور راہبوں کی تجرید و تعذیب نفس
بالکل خارج کر دی گئی ہے۔ چنانچہ اسلام میں ایسے ثبوت موجود ہیں جن پر
خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے بانی نے ماہیت اشیا اور اس
زمانہ کی قوموں کی حالت اور نیز اس امر کی کہ مسائل مذہبی عقل سے کیونکر مطابق
ہو سکتے ہیں ایک دیرینہ اور عمیق غور کے بعد اپنے مذہب کی بنا ڈالی ہے
اور اسوجہ سے یہ کچھ محل تعجب نہیں ہے کہ اسلامی طور کی پرستش اہل کعبہ

کی بت بندگی اور صابئین کی پرستش اجرام فلکی اور زردشتیوں کی آتش پرستی پر غالب آگئی"

قرآن مجید کے تبدیل مضامین و تفنن بیان کی نسبت کہ جو سر ولیم میور کی مخالفانہ و متعصبانہ نگاہ میں "گوبخنے والی۔ اور سامعہ خراش۔ ابتر خام بے سری مکرر بیانی۔ طول کلام۔ الجھاوٹ۔ نہایت خام و مہمل" معلوم ہوتی ہے مسٹر دوش لکھتے ہیں کہ "اُن تبدیلات مضامین میں جو مثل برق کے تیز و طرار ہیں اس کتاب کی ایک نہایت بڑی خوبصورتی پائی جاتی ہے۔ اور گوئٹھے (ایک مشہور ترین جرمن فاضل ہے) کا یہ قول بجا ہے کہ جسقدر ہم اُسکے قریب پہنچتے ہیں یعنی اُسپر زیادہ غور کرتے ہیں وہ ہمیشہ دور کھچتی جاتی ہے یعنی زیادہ اعلیٰ معلوم ہوتی ہے۔ وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہے پھر متعجب کرتی ہے اور آخر کار فرحت آمیز تحیر میں ڈالدیتی ہے"

پس دیکھو کہ ایک ہی شے مختلف آنکھوں کو کیسی مختلف نظر آتی ہے سعدی علیہ الرحمہ نے سچ کہا ہے ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد	عیب نماید ہنرش در نظر

اور یہی مورخ اپنے آرٹیکل کے ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ "ہم دفعتاً از راہ ترجیح اس عجیب کتاب کی ماہیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جسکی اعانت سے عربوں نے سکندر اعظم کے جہان سے بڑا جہان اور دولۃ الکبریٰ کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت فتح کرلی اور جسقدر زمانہ کہ سلطنت روم کو اپنی فتوحات کے حاصل کرنے میں درکار ہوا تھا اُسکا

دسواں حصہ بھی اُنکو نہ لگا۔ ایسی کتاب جسکی اعانت سے جملہ بحی ساہ میں بھی
لوگ بحیثیت سلاطین یورپ میں آئے تھے۔ جہاں کہ اہل فنیشیا (شام و فلسطین)
تاجروں کی حیثیت سے اور یہود پناہ گیروں یا قیدیوں کی طرح پر آئے تھے۔ یہی لوگ
مع ان پناہ گیروں کے یورپ کو انسانیت کی روشنی دکھانیکے لئے آئے تھے یہی
لوگ جسکو تاریکی چھا رہی تھی۔ یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندہ کرنے اور اہل مغرب اور
اہل مشرق کو فلسفہ طب ہیئت اور نظم لکھنے کا خوشنما اور دلچسپ فن سکھانے اور علوم مفیدہ
کی بنا ڈالنے اور ہم لوگوں کو غرناطہ (گرنیڈا) کی تباہی کے دن پر ہمیشہ کیلئے رلانیکو آئے تھے"
ریورینڈ راڈویل صاحب اگرچہ قرآن مجید کی نسبت چند بے اصل
اور غلط الزامات قایم کرتے ہیں۔ مگر اسپر بھی خلاف توقع ان کے قلم
سے ایسا کچھ نکل گیا ہے جسکو آنحضرت اور قرآن مجید کا گویا معجزہ کہنا چاہیے۔
چنانچہ فرماتے ہیں کہ "محمد کی زندگانی کا مدعا توحید الٰہی کا اعلان کرنا تھا
اور وہ بیشک اسمیں کامیاب ہوگیا۔ جسقدر کہ نہایت صحیح تاریخی واقعات
پر نظر کرنے سے ہمکو محمد کی سیرت سے اصلی واقفیت حاصل ہوتی ہے
اسیقدر مرا کنشی۔ پریڈو اور دیگر مصنفین کی سخت کلامی اور بد زبانی
سے غلط ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ کہنا حقیقت الامر کے زیادہ تر قریب
ہوگا کہ وہ بیشک ایک اعلیٰ درجہ کا شخص تھا۔ اگرچہ کچھ نقص بھی رکھتا تھا۔
اور ایک سچا واعظ تھا۔ اگرچہ غلطی میں پڑا ہوا تھا۔ مگر اوسکی بہت سی ناملایموں
اور نقصوں کی وجہ اُسکے زمانہ کی حالت تھی۔ اور ضرور ہے کہ جس مذہب کا
وہ اصل بانی تھا اُسمیں سچائی اور نیکوئی کے اصول بھی ہوں ورنہ یہ معمّا

حل ہونا مشکل ہے کہ اوسکی تعلیم کا اثر جسکو بے شبہ اُسکے پیروؤں کے
فتحمند ہتھیاروں نے بہت تیز کردیا اس وقت تک کہ تقریباً بیرہ صدیاں
گزر چکی ہیں ہمارے زمانہ کے پندرہ کروڑ آدمیوں میں جو کل دنیا کے چھٹے
حصہ سے زیادہ ہیں کس طرح قائم رہا۔ یہہ بھی مان لینا ضرور ہے کہ قرآن
نے جس طور پر خدا کی ذات کی تعریف بلحاظ اُسکی وحدانیت اور تمام جہان
کا پروردگار اور عالم الغیب اور قادر مطلق ہونیکے بیان کی ہے اُسکے لئے
وہ نہایت اعلیٰ درجہ کی تعریف کا مستحق ہے اور یہہ بھی مان لینا واجب ہے
کہ قرآن کو صرف خدا ے واحد پر نہایت پرجوش اور گہرا یقین ہے۔ اور
گوکہ اُسمیں بیہودہ تخیلات اور کہانیاں بھی ہیں اور طفلانہ آداب و رسوم
مذہبی کی بھی تعلیم کرتا ہے۔ اور ظلم و جور اور غلامی و تعدد ازواج کی بھی اجازت
دیتا ہے۔ مگر باوجود ان باتوں کے اُس میں ایک نہایت اعلیٰ درجہ
کی عمیق سچائی ہے جو ایسے الفاظ میں بیان کی گئی ہے جو باوجود
اختصار کے قوی اور کثیر الدلالۃ اور ملہمانہ حکمت سے بھرے ہوے
ہیں اور اُسنے ثابت کردیا ہے کہ اوسمیں ایسے اصول موجود ہیں جن پر نہایت
قوی قومیں اور گو مستقل اور قیام پذیر بادشاہتیں تو شاید نہیں۔ مگر ملک
فتح کرنے والی سلطنتیں ضرور قائم ہوسکتی ہیں۔ اگرچہ اسلام بہت
سی باتوں کے لحاظ سے ایک ناکامیابی ہے لیکن یہہ زیادہ تر قرآن
ہی کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ایک بے آب و علف جزیرہ نما کے باشندے
جنکے افلاس کی برابری صرف اُنکی جہالت ہی کرسکتی تھی نہ صرف ایک

نئے مذہب کے پُرجوش اور سچے پیرو بنگئے بلکہ عُمر کو اور بہت سے اور
لوگوں کی طرح اُسکے بزور شمشیر پھیلانے والے ہوگئے - وہ لوگ
مملکتوں کے بانی اور شہروں کے آباد کنندہ اور (جتنے کتب خانے
اُنہوں نے خراب کئے تھے اُن سے زیادہ) کتب خانوں کے جمع کرنیوالے
ہوگئے - اور فسطاط - بغداد - قرطبہ (کارڈووا) اور دہلی کو
وہ قوت ہوئی کہ عیسائی یورپ کو کپکپا دیا - اور اس طرح سے قرآن

+ چند سال ہوئے کہ اِس الزام کی تردید میں دو نہایت محققانہ نوٹ پرچہ تہذیب الاخلاق
سنہ ۱۲۹۱ ہجری میں چھپے تھے جنمیں سے ایک تو ہمارے محترم و دوست مولوی چراغ علیخان
بہادر مخاطب بہ اعظم یار جنگ سلمہ اللہ تعالیٰ عمدہ دار سرکار آصفیہ حیدرآباد
کے پرزور قلم کا نتیجہ تھا - اور دوسرا اخبار پائنیر الہ آباد کے قابل ایڈیٹر کی تحقیق و تدقیق
کا ثمرہ - جو اخبار پائنیر مطبوعہ آٹھویں اکتوبر ۱۸۷۵ء سے نقل کیا گیا تھا - جنکو دلچسپ سمجھکر ہم بلفظہ
یہاں لکھدینا مناسب سمجھتے ہیں -

مولوی چراغ علیخان صاحب بہادر لکھتے ہیں کہ وہ معلوم نہیں
مصنف نے (یعنی مسٹر ڈریپر نے) کس حادثہ پر اشارہ کیا ہے - لوگوں
کے ذہن اسکیطرف جائینگے کہ اسکندریہ کے کتب خانہ کی ویرانی جو عمرو بن
العاص کے ہاتھ سے خلیفہ ثانی کے حکم سے ہوئی - مگر اہل یورپ میں اب تو یہ
عام رائے ہے کہ یہ قصہ دروغ محض اور بے بنیاد ہے چیمبرس کے - انسائکلوپیڈیا
جلد اول میں اسکندریا کے کتب خانہ کے بیان میں لکھتا ہے کہ "متعصب
عیسائیوں کے ایک گروہ نے بسرکردگی ایک بشپ تھیافلس حملہ کرکے سنہ ۳۹۱ء

جسمیں یہ وسیع قوت پائی جاتی ہے اور جسمیں ایسے اصول ہیں کہ جو
اس قوت کے ظہور کا منبع ہیں - اس قابل ہے کہ اوسکی قدر ہمیشہ بلحاظ
ایک مجموعہ قوانین اور سلسلہ تعلیم مذہبی کے اُن تبدیلیوں کے اندازہ
سے ہونی چاہیے جو اُنے اُن لوگوں کی عادات و اعتقادات میں کیں
جنھوں نے اسکو طوعاً خواہ کرہاً قبول کیا" وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

تین سو اکاونوے عیسوی میں جو پیڑسرا پس کے بتخانہ کو ڈھا دیا اور غالباً وہاں کے
علمی خزانہ یعنی کتب خانہ کو بھی برباد کیا - اور یہ اسوقت میں ہوا کہ کتب خانہ کی تباہی شروع
ہوئی - سنہ ۶۳۲ چھ سو بتیس عیسوی میں عرب کے ہاتھوں سے خلافت عمر میں - وہ قصہ جسمیں
یہ ہے کہ عربوں کو بہت سی کتابیں جو چھ مہینے تک حمام گرم کرنے کے لئے کافی ہوں وہاں
مل گئی تھیں سخریہ کے طور پر مبالغہ بیان کیا گیا ہے مورخ اروسیوس جسنے اس مقام
کو بعد ازاں کہ عیسائیوں نے اسے خراب کر ڈالا تھا ملاحظہ کیا لکھتا ہے کہ "اُسنے اسوقت
کتب خانہ کی صرف خالی الماریاں دیکھیں" مسلمانوں میں تاریخی واقعات میں تسامح
اور مساہلت بہت ہوئی ہے اسوجہ سے بے تکے اڑجاتے ہیں - شاید اس قصہ کی ابتدا
عبد اللطیف (ولادت سنہ ۶۲۷ھ) (وفات سنہ ۶۲۳ھ) صاحب تاریخ مصر
سے ہوئی ہو اسکے بعد ابو الفرجیوس (ولادت سنہ ۱۲۲۶) (وفات سنہ ۱۲۸۲ھ) عیسائی مورخ
(مبنی اسقف) کے ذریعہ سے بہت شہرت ہوئی اور احمد المقریزی القاہری (ولادت
سنہ ۱۳۶۰) (وفات سنہ ۱۴۴۲ھ) اور ابن خلدون وغیرہ مورخوں نے متقلدانہ نقل کیا - مکاریوطی
کیوس مصری بطریق اسکندریہ (ولادت سنہ ۸۷۶ھ) (وفات سنہ ۹۴۰ھ) اور
جارج المکاسین مصری مورخ (ولادت سنہ ۱۲۲۳ھ) (وفات سنہ ۱۲۷۳ھ) ان

اب ہم اپنے دوست مسٹر گبن سے جو یہ کہتا ہے کہ "اگر قرآن کی تحریر استعداد انسانی سے بڑھکر ہے تو ھومر کی ایلیڈ اور دی ماستھینز کی فیلپکس کس برتر عقل کی طرف منسوب کرنی چاہیئے" یہ سوال کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ کیا ھومر اور دی ماستھینز کے زمانہ کے یونانیون نے اپنی زبان کو ایسی ترقی دی تھی اور اُسمیں ایسا کمال بہم پہنچایا تھا جیساکہ صاحبِ قرآن علیہ وآلہ صلوات الرحمٰن کے زمانہ کے اہل عرب نے اُسکو ترقی دی تھی اور اوسمیں کمال بہم پہنچایا تھا؟ اور کیا ھومر اور دی ماستھینز نے اپنے کسی ایسے دعوے کے اثبات کے لئے جیساکہ صاحبِ قرآن کا دعوی رسالت و نبوت تھا اپنی ایلیڈ یا فیلپکس کو دلیل گردانا تھا؟ کیونکہ

دونوں عیسائی قدیم و جدید مورخوں اور ملک اسماعیل ابوالفدا (ولادت ۱۲۷۳ء) (وفات ۱۳۴۱ء) مسلمان مورخ اور نیز اوروں نے اس امر کا ذکر نہیں کیا۔ اور اڈورڈ گبن (ولادت ۱۷۳۷ء) (وفات ۱۷۹۴ء) اور الگزنڈر ھمبولٹ جرمن مورخ نے بڑی قوت سے انکار کیا ہے (دیکھو تاریخ روم جلد ششم صفحہ ۳۳۶ مطبوعہ ۱۸۶۲ء۔ اور جلد دویم کتاب کاسمس صفحہ ۵۸۲ مطبوعہ ۱۸۶۴ء) مجھے ایک حیرت ہے کہ جبکہ کتب خانۂ اسکندریہ ۶۳۲ء میں جلگیا تھا تو نسخہ کوڈکس اسکندریہ جو قبل ہجرت کا لکھا ہوا کہلاتا ہے کیونکر بچ رہا ہوگا! — انتہی

صاحب اخبار پائنیر لکھتا ہے کہ "ٹولمی سوٹر اور اُسکے جانشین فیلا ڈلفس نے مقام بروشیم میں جو اسکندریہ کے امیروں کے رہنے کی جگہ تھی بادشاہی محل کے پاس ایک کتب خانہ قائم کیا جسمیں چار لاکھ کتابیں تھیں اور ٹولمی بادشاہون نے مقام سراپیم میں ایک دوسرا کتب خانہ بھی بنایا تھا

معجزہ کے لئے تحدی یعنی معارضہ کا طالب ہونا شرط ہے) اور قوم کو
مخاطب کرکے علانیہ یہ کہا تھا کہ اگر تمام جن وانس متفق ہوجائیں تو بھی
کوئی ایسی کتاب نہ لاسکینگے جیسی کہ اُیلیڈ یا فیلیکس ہے؟ اور کیا
اُنکی قوم کے لوگوں کو اُن سے اُس درجہ کی عداوت ومخالفت اور اُن کے
دعوے کی تردید وتکذیب میں جدوکد اور اصرار وا ستبداد تھا۔ جیسا کہ صاحب
قرآن کی قوم کو اُس سے عداوت ومخالفت اور اُسکے دعوے کی تردید و
تکذیب میں جدوجہد اور اصرار وانکار تھا؟ اور کیا اُنکا کوئی نامی گرامی ذی
وحید شاعر اُیلیڈ یا فیلیکس کی چند سطریں پڑھکر بے اختیار بول اُٹھا تھا
کہ "اُس شخص کے سوا جسپر وحی نازل ہوتی ہو کوئی شخص ایسا کلام نہیں کرسکتا"

جسمیں تین لاکھ کتابیں تھیں۔ پس اِن دونوں کتب خانوں میں بادشاہوں کی جمع کی ہوئیں
سات لاکھ کتابیں تھیں مگر ذی فہم آدمی اِن کتابوں کی تعداد کو زیادہ سمجھکر نیز ورکچھ لکھا جائیگے
اِن ہی کتب خانوں کے لئے ٹولمی فیلاڈلفس کے حکم سے توریت وزبور اور صحف
انبیا کا عبری زبان سے ستر عالموں کی نگرانی میں یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تھا جو سپٹواجنٹ
کہلاتا ہے۔ جب جولیس سیزر نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا اُسوقت مقام بروشیم بالکل
جلگیا۔ اور پہلا کتب خانہ بھی تمام وکمال اُسکے ساتھ برباد ہوگیا۔ اِس نقصان کے دور کرنے کو
مارک انٹنی نے کلیوپاترا کو وہ کتابیں دیدیں جو پرگیمہ بادشاہ پرگمس نے جمع کی تھیں۔
اور جو تعداد میں دو لاکھ تھیں۔ غالباً یہ کتابیں بروشیم میں رکھی گئیں۔ سنہ عیسوی کی پہلی تین
صدیوں تک بروشیم میں اسکندریہ کے علم وہنر کا چرچا رہا مگر کہتے ہیں کہ شہنشاہ اورلین
کے عہد میں دوسری دفعہ یہ کتب خانہ برباد ہوا مگر جو بات کہ مشہور ہے وہ یہ ہے

اور پھر کسی طرح کے اجبار و اکراہ یا ترغیب و تحریص کے اپنا دیرینہ و آبائی
عقیدہ چھوڑ کر ھومر یا دی ماستھنیز کے قول پر ایمان لے آیا تھا؟ اور
کیا اُنکی قوم کے فصحا و بلغا ایلیڈ یا فیلپکس کے زبانی اور لفظی معارضہ
و مقابلہ سے عاجز آکر اپنے خداؤں کے بچانیکے لئے تیر و شمشیر کے
ساتھ مجادلہ و مقاتلہ پر مجبور ہوے تھے؟ اور کیا اُن کی ان کتابوں میں
توحید ذات و صفات باری کے باب میں ایسی بے نظیر و عقل انسانی
سے بڑھکر تعلیمیں ہیں جیسی کہ قرآن میں ہیں اور جنکا اعتراف آپکو بھی ہے؟
اور کیا اُن کی یہہ کتابیں اپنے مقصد و مدعا میں ایسی کامیاب ہوئی ہیں
جیساکہ قرآن کامیاب ہوا؟ اور کیا اُن میں ایسی طاقت و قوت ہے

کہ آریلین کے عہد کے بعد سرا پیم کا کتب خانہ اسکندریہ کا خاص کتب خانہ ہوگیا
تھا۔ عیسائی مذہب نے ایک دوسرا صدمہ علم کو پہنچایا۔ یعنی تھیوفلس اسکندریہ
کے بشپ نے جو جیروم کا دوست اور کریسا سٹم کا دشمن تھا سرا پس کا مندر جلا دیا
اور کتب خانہ بھی ضایع ہو جانے سے نہ بچا۔ تھیوفلس کے بھتیجے سینٹ سرل نے
کہ وہ بھی اسکندریہ کا بشپ تھا ھائے پیشیہ کا ایسا تعاقب کیا کہ اوسکی خوفناک
موت ہوئی۔ اور جو کچھ یونانی فلسفہ اسکندریہ میں باقی تھا۔ وہ سب اُسکے ساتھ برباد
ہوگیا۔ چند وصلیاں جنکو ٹولمی بادشاہ اور ریمینز بادشاہ پرگمس نے جمع کیا تھا اہل عرب
کے ہاتھ سے برباد ہونے کو باقی رہگئی تھیں۔ جب فیلاڈلفس نے کتابیں جمع کیں اُس زمانہ
سے قریب ایکہزار برس کے عرصہ گزرا تھا کہ سیزر نے نصف سے زیادہ کتابیں جلادی تھیں۔ اسکندریہ
کے حاکموں کے زمانہ میں باقی کتابیں سب منتشر و برباد ہوئیں۔ جو بقیہ

جو قرآن کی طرح ایک جہان کے جہان کو ہر ایک طرح کی مخلوق پرستی
اور ضلالت و گمراہی سے نکالکر تیرہ سو برس سے زیادہ عرصہ تک نہایت
مضبوطی و صدق دل کے ساتھ اپنی پیروی پر قایم رکھ سکیں اور اُنکی تعلیم
ابتک اُسی زور و قوت کے ساتھ کام کر رہی ہو جیسا کہ قرآن کی پاک و مقدس
تعلیمیں دنیا کے مختلف حصوں میں کام کر رہی ہیں۔ اور ہر روز صدہا بلکہ
ہزارہا آدمی بلا کسی قسم کے خوف یا طمع اور لالچ کے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر
اُس کا اتباع قبول کرتے جاتے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے اور ایلیڈ صرف
ایک فصیح نظم اور فیلپکس صرف چند بلیغ پیچیدہ اور تقریریں ہیں جنکا مدعا
یونانیوں کو ٹراے والوں کی لڑائی کے لیے ابھارنا یا فیلپ بادشاہ مقدونیہ کے

تھیں اُنکے برباد کرنے کا خلیفہ عمر نے حکم دیا۔ لیکن اگر کل سات لاکھ کتابیں عرب
کے فتحیاب کے مذہبی جوش سے برباد ہوئی ہوں تو بھی اُن لوگوں کی راے کیقدر
بے دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کسی چیز کے سیکھنے کی ترغیب دینا جب تک کہ اوسکے
ساتھ انکی مذہبی کتابوں کی تعلیم بھی شامل نہ ہو مشکل ہے کروسیڈرز یعنی عیسائی مذہب کے
جہادیوں نے ٹرپولی کا کتب خانہ جسمیں تیس ملین یعنی تیس لاکھ کتابیں تھیں جلادیا
اسپین کے لوگوں نے میکسیکو میں امریکا والوں کی تصویری تحریرات کے انبار کے
انبار جلادیے۔ کارڈینل زمینیز نے گرینڈا یعنی غرناطہ میں اسی ہزار عربی زبان کی
قلمی کتابیں جلادیں باایں ہمہ یورپ میں دنیوی علوم کی کچھ بھی حقارت نہیں ہوئی اور نہ
عرب والوں نے اسکو حقیر سمجھا۔ بیشک خلیفہ عمر کو کتابوں کی کچھ پروا نہ تھی اور نہ اوسکو
لکھنے پڑھنے میں کچھ تو غل تھا۔ مگر اوسی کا نائب عمرو جس نے مصر کو فتح کیا

خلاف پر آمادہ کرنا تھا تو میرے معزز دوست آپکا یہ لکھنا کہ " اگر قرآن
کی تحریر استعداد انسانی سے متجاوز ہے الی آخرہ " اُن فضایل بیچگانہ
سے بیخبری اور ناواقفی کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے جو قرآن مجید کی ذات
مقدس کے لئے گویا بمنزلہ روح رواں ہیں - اور جو اُسکا اپنے طرز میں یکہ و
یگانہ اور کامل النوع اور الہامی الاصل ہونا ثابت کرتے ہیں - اور جو ہمنے مذکورہ
بالا آیہ شریفہ کی تفسیر میں مشروحًا بیان کر دیئے ہیں پس جو کتاب اون اوصاف
کمال کی جامع ہو اور اُسکے آثار و نتایج ایسے حیرت انگیز و دایم الاثر اور عظیم الشان
ہوں جیسے کہ قرآن مجید کے آثار و نتایج ہیں تو میرے معزز دوست
وہ صرف اپنی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے قرآن کے دعوے
یکتائی و بے مثلی اور من اللہ ہونے کو رد نہیں کر سکتی - خواہ وہ ہومر کی

جان فلوپونس کا بڑا دوست تھا جو صرف و نحو کا مشہور عالم تھا اور اسی بات سے ثابت
ہوتا ہے کہ بعض اہل عرب کی طبیعت آزاد خیالوں کی طرف ابتدا ہی سے راغب تھی - اُنہوں
نے محمد کے دین کو جسمیں خدا کی وحدانیت سے قبول کیا اور کعبہ کی بت پرستی کو چھوڑا
اور علم ادب اور فلسفہ کی راستی کو کامیابی کے ساتھ دریافت و تلاش کرتے گئے - ابتدا میں
خلیفہ علی اور معاویہ علم ادب کے معین و مددگار ہو چکے ہیں - یونانی حکما کی کتابوں
کا سریانی زبان میں ترجمہ ہوا اور یہی لوگ علم کیمیا و علم ہیئت و نجوم و علم جبر و مقابلہ
کے بانی تھے - اسکندریہ کی چند کتابیں جلنے سے علم کو جو کچھ نقصان پہنچا تھا اُسکو انہوں نے
پورا کر دیا - کہتے ہیں کہ خلیفہ مامون کئی سو اونٹ بغداد سے قلمی کتابوں کے
لاد کر لایا تھا اور شہنشاہ میکل سے قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں سے ایک کتب خانہ

ایلیڈ یا دی ماستھنیز کی فیلپکس ہی کیوں نہو۔ افسوس! تم زندہ نہیں ہو اگر زندہ ہوتے اور مجھسے قرآن مجید کے ان فضائل خمسہ کی حقیقت کو سمجھ لیتے تو مجھے تمہاری بے تعصبی و حق پسندی سے یقین ہے کہ تم اُسکے الہامی اور ربانی الاصل ہونے کو ضرور تسلیم کرتے۔ اور پھر مخالفین اسلام سے مخاطب ہوکر اونچی آواز سے یہہ کہتے "لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا"

اِس موقع پر کہ اسلام کی دائم الاثر و غیر منقطع اور روز افزوں تاثیرات کا ذکر آگیا ہے ہم اُس مضمون کو نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے جو مسٹر انزاک ٹیلر

لیا اور ٹولمی کے ایک رسالہ (یعنی علم ہیئت کی مشہور کتاب مجسطی) کا جو ان ہی کتابوں میں تھا عربی زبان میں ترجمہ کیا[1] قاہرہ کے فٹی نیٹ کتب خانہ میں ایک لاکھ کتابیں تھیں۔ منجملہ اُن کے صرف علم ہئت و نجوم و علم طب کی کتابوں کا شمار چھ ہزار پانسو تھا۔ اسپین کے خلیفوں کے بڑے کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں تھیں اور علاوہ اسکے اندلوسیا میں ستر عام کتب خانے تھے۔ بخارا کے ایک سلطان نے عرب کے ایک حکیم کو طلب کیا۔ لیکن اُس حکیم نے بدیں وجہ جانے سے انکار کیا کہ اونکی کتابیں لیجانے کو چار سو اونٹ بھی کافی نہوتے۔ تمام اہل عرب کی سلطنت میں تاتار سے لیکر اسپانیہ تک سے

[1] یہہ غلطی ہے بطلیموس کی اس کتاب کا ترجمہ خلیفہ مامون کے باپ ہارون رشید کے وزیر یحیٰی بن خالد برمکی نے عربی زبان میں کرایا تھا۔ لاطینی زبان کا ترجمہ جو یورپ میں شایع ہوا وہ اسی عربی ترجمہ کا ترجمہ تھا۔ مؤلف عفی عنہٗ

سے جو مشہور و معروف فضلاے یورپ سے ہیں اور کینن کا عہدہ رکھتے ہیں۔ جو بشپ وغیرہ کی طرح ایک اعلیٰ مذہبی عہدہ ہے قصبہ وولورہیمپٹن کی چرچ کانگریس کے روبرو افریقہ میں اسلام کی ترقی کی بابت پڑھا تھا۔ اور جو اخبار سینٹ جیمس گزٹ لندن مطبوعہ آٹھویں اکتوبر ۱۸۸۸ء میں چھپا تھا اور نیز وہ چٹھی جو صاحب موصوف کے بیان کی تائید میں مسٹر جوزف طامسن نامی ایک سیاح افریقہ نے چودھویں نومبر سنہ مذکور کو لندن ٹائمس کے اڈیٹر کے نام لکھی تھی۔

کینن ٹیلر نے اپنے آغاز کلام میں یہ بیان کیا کہ وہ مجھکو یہ اقرار کرنا چاہیے کہ اسلام دنیا کے ایک بڑے حصہ پر بطور ایک واعظ مذہب کے بہ نسبت مذہب عیسوی کے زیادہ تر کامیاب ہے۔ نہ صرف بت پرستی سے اسلام پر ایمان لانے والے بہ نسبت عیسائی مذہب پر ایمان لانے والوں کے

قائم کئے گئے یورپ میں پہلا مدرسہ طب کا بمقام سلرنو اہل عرب نے قائم کیا۔ اور اہل عرب ہی نے بمقام سیول علم ہیئت و نجوم کے متعلق ستاروں کے دیکھنے کو پہلے پہل رصد خانہ بنایا۔ تمام زمانہ متوسط کی جہالت و تاریکی کے وقت صرف اہل عرب ہی کا ذہن متحرک رہا۔ پس یہ کہنا بڑی جہالت اور زاد تعصبیت کا ثبوت ہے کہ اہل عرب نے اسکندریہ میں پانچ لاکھ سے زیادہ کتابیں جلا دیں اور اسلئے وہ دنیوی علوم کے مخالف رہے۔ اُنہوں نے کتابیں ہرگز نہیں جلائیں۔ بلکہ جسقدر قبول کیا جاتا ہے اُس سے بہت زیادہ مسلمان علم کے موید ہوے ہیں"۔ انتہی کلامہ

مؤلف عفی عنہ

زیادہ تر ہیں بلکہ مذہب عیسائی بعض ملکوں میں درحقیقت اسلام کے
سامنے سے ہٹتا جاتا ہے۔ اور مسلمان قوموں کو معتقد بنانے کی کوششیں
ظاہرا بالکل ناکامیاب ہوتی ہیں۔ اور صرف یہی نہیں کہ ہم اپنا وہاں قدم
نہیں جما سکتے ہیں بلکہ ہم اپنے آپکو بچانے میں بھی ناکامیاب ہوتے ہیں
مذہب اسلام اسوقت مراکو سے جاوا تک اور زنگبار سے چین تک
پھیلا ہوا ہے۔ اور وسط افریقہ میں بجد تیزی سے پھیلتا جاتا ہے
وہ ساحل وار بحر روم سے خط استوا تک پھیلا ہوا ہے۔ اور بڑی
تیزی سے جنوب کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ ہندوستان میں یورپین
شائستگی جو ہندو مذہب کو دور کر رہی ہے وہ اسلام کے لئے
ایک رستہ تیار کر رہی ہے۔ ساڑھے پچیس کروڑ میں سے پانچ کروڑ آدمی
ہندوستان میں اسوقت مسلمان ہیں اور افریقہ میں آدھے سے
زیادہ۔ مذہب عیسوی اپنی گرفت میں خوب مضبوط نہیں ہے۔ اور
ہندوستان اور افریقہ میں اسلام کے سامنے سے ہٹتا جاتا ہے
اور جمیکا میں حبشی جو کہ صرف نام کے عیسائی ہیں اوبی ایزم[۱] کو قبول کرتے
جاتے ہیں۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ افریقہ کی ایک قوم جو کہ ایکدفعہ
اسلام قبول کر لیتی ہے پھر کبھی بت پرستی اختیار نہیں کرتی اور نہ عیسائی مذہب
کو قبول کرتی ہے"

کینن ٹیلر نے آگے اس امر کی آزمایش کے طور پر کہ اسلام کے
اصولوں میں ایسی کیا بات ہے کہ جو اسکو نئے معتقد بنانے اور اُن کو

[۱] بھوت پریت اور خیالی چیزوں کی پرستش کو اوبی ایزم کہتے ہیں مؤلف عفی عنہ

اُسپر قائم رکھنے کی عجیب طاقت دیتی ہے یہہ بیان کیا کہ ذیل اقرار
کرنا چاہئے کہ اگرچہ اسلام اعلیٰ درجہ کی مہذب قوموں کے بالکل ناموافق
ہے۔ مگر وہ وحشی قوموں کے مہذب بنانے اور ترقی دینے کی بہت
زیادہ قابلیت رکھتا ہے۔ وہ ترقی کی جانب ایک قدم ہے۔ لیکن
بہت زیادہ اونچا قدم نہیں ہے۔ مذہب عیسائی بہت ہی زیادہ
روحانی اور بہت ہی زیادہ عالیشان ہے۔ اسلام نے تہذیب پھیلانے
میں مذہب عیسائی سے بہت زیادہ کوشش کی ہے۔ میں اقرار کرتا
ہوں کہ میں مستریون کے بیانات سے کسی قدر بدگمان ہوں۔ لیکن
انگریزی عہدہ داروں یا اور سیاحوں کے جو پادری نہیں ہیں مثل
ٹن پوپ ہیتسی۔ گیلٹن۔ پال گریو۔ طامسن۔ ریڈ کے علمی نتائج کے
بیانات کو ملاحظہ کرو جبکہ اُسکو یعنی اسلام کو ایک حبشی قوم نے قبول
کیا ہے۔ بت پرستی۔ جنات پرستی۔ مخلوق پرستی یعنی جاندار اور غیر
جاندار چیزوں کی پرستش۔ مردم خواری۔ انسانی قربانی۔ اطفال کشی
جادوگری فوراً دور ہوجاتی ہیں۔ باشندے کپڑے پہننے لگتے ہیں۔
نجاست کی جگہہ صفائی ہوجاتی ہے اور وہ ذاتی شرف اور سلف رسپکٹ
حاصل کر لیتے ہیں۔ مہماں نوازی ایک مذہبی فرض ہوجاتا ہے۔ اور شراب خواری
بہت کم رہ جاتی ہے۔ اور جوا متروک ہوجاتا ہے۔ عیسائی کے ناچ اور
عورت مرد کے ناجائز میل جول بند ہوجاتے ہیں۔ عورتوں کی پاکدامنی
نیک خصلت خیال کیجاتی ہے۔ محنت کاہلی کی جگہہ حاصل کر لیتی ہے ذاتی

اختیار کی جگہہ قانون دخل کرلیتا ہے۔ انتظام اور پرہیزگاری پھیل جاتی ہے
خاندانی خصومتیں اور جانوروں اور غلاموں پر بیرحمی کا امتناع ہوتا ہے۔ انسانیت
اور مہربانی اور یگانگی کا خیال سکھلایا جاتا ہے۔ کثرت ازواج اور
بندہ گری ٹھیک طور سے ترتیب دیجاتی ہے۔ اور انکی برائیاں
کم کیجاتی ہیں۔ کل دنیا میں اسلام سب سے زیادہ قومی گروہ شراب نہ
پینے والوں کا ہے اور بمقابلہ اُسکے یورپ کی ترقی سے گویا شراب
خواری اور گنہگاری کا پھیلاؤ اور اُس جگہہ کی قوم کا تنزل مراد ہے۔ حالانکہ
اسلام کسی کم درجہ کی تہذیب نہیں پھیلاتا۔ جس میں پڑھنے اور لکھنے کا علم
عمدہ لباس پہنا۔ ذاتی صفائی۔ راست گوئی اور سلف رسپکٹ (شرف ذاتی)
شامل ہیں۔ اُسکے برائی روکنے اور تہذیب پھیلانیکے اثر بے حد
عجیب ہیں" انتہی قولہ

کیتن ہیلر اگرچہ بالطبع عیسائی مذہب کو سب سے زیادہ سچا اور
عمدہ مذہب خیال کرتے ہیں تاہم اُنہوں نے اسلام کی نسبت جو نہایت
عجیب وغریب اعترافات کئے ہیں ہم اُنکے لئے اُن کے نہایت دلی
شکرگزار ہیں۔

کیتن ہیلر نے اپنے اس مضمون کے مشتہر ہونے کے بعد لنڈن
ٹائمس کے اڈیٹر کو جو ایک چٹھی لکھی تھی اُس میں یہہ لکھا تھا کہ "میرا
وہ پہلا فقرہ جسپر بہت اعتراض ہوے ہیں یہہ ہے کہ "ایشیا اور
افریقہ میں مذہب اسلام بطور ایک واعظ مذہب کے بہ نسبت

عیسائی مذہب کے زیادہ کامیاب ہے اور ہماری کوششیں مسلمانوں کو
عیسائی بنانے میں بے سود ثابت ہوئی ہیں" میں اولاً اپنی بحث ہندوستان
سے شروع کروں گا جہاں کے باشندوں کی نسبت تقریباً صحیح اطلاع
ہمارے سامنے موجود ہے۔ اٹھارہ سو اکہتر ۱۸۷۱ء کی مردم شماری کے درمیان
یعنی دس برس میں ہندوستان کے مسلمانوں کی آبادی میں جو
زیادتی ہوئی ہے وہ قریب بانوے لاکھ چالیس ہزار کے ہے۔ یعنی قریب
پچیس فیصدی کے حساب سے۔ اُس قدرتی زیادتی کو جو معمولاً پیدائش کی
زیادتی اور موت کی کمی سے ہوتی ہے اگر ہم محسوب نہ کریں تو وہ نومسلم جو ہندو
اور عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کرتے ہیں اُنکی تعداد قریب
چھ لاکھ سالانہ کے ہے۔ مسلمانوں کے ہاں تنخواہ دار واعظ نہیں ہیں اور
نہ کوئی اُن میں بڑی جماعت اس قسم کی ہے۔ جو اپنے مذہب کے پھیلانے
میں کمربستہ ہو۔ پس یہ بڑی تعداد نومسلموں کی کچھ تو پُرجوش مسلمانوں کی
بالانفراد کوششوں اور کچھ مذہب اسلام کی حقیقی کششوں کا نتیجہ ہے
برخلاف اسکے عیسائیوں کو باوجود اُس تمام رعب و داب کے جو اُن کو
ایک ہم مذہب گورنمنٹ کے ہونے سے حاصل ہے۔ اور باوجود اُس رقم
کثیر اخراجات کے جو مشنری سوسائیٹیوں پر صرف ہوتی ہے کل تعداد
اُن نئے عیسائیوں کی بڑی کھینچا تانی سے دسواں حصہ نومسلموں کی تعداد کا ہے"
اِس سے آگے کینن ٹیلر نے اپنے اِس بیان کی تفصیل کی ہے
جو غیر ضروری سمجھکر چھوڑ دی گئی ہے۔

مسٹر جوزف طامسن لکھتے ہیں "چونکہ مینے مشرقی اور متوسط
اور مغربی افریقہ میں مختلف طور کے حالات دیکھے بھالے ہیں جہاں
کہ مینے مذہب عیسوی اور مذہب اسلام کو حبشیوں کے ساتھ ملا ہوا دیکھا
ہے اس لئے میں اپنے خیالات کے سُننے جاننیکا استحقاق رکھتا ہوں
آپ کے بعض کارسپانڈنٹوں نے یہہ بیان کیا ہے کہ "مشرقی افریقہ
اور وادی نیل میں تم مذہب اسلام کو اُسکی سچی رنگتوں میں بردہ فروشی اور
ذلت اور جبر کے تمام طریقوں کے ساتھ ملا ہوا دیکھتے ہو" اِس سے
زیادہ بے بنیاد بیان خیال میں نہیں آسکتا۔ میں بلا تامل یہہ بات کہتا
ہوں (اور میں مشرقی اور وسط افریقہ کے حالات کے ایک زیادہ تر وسیع
تجربہ کی رو سے بہ نسبت اُسکے جیسا کہ آپ کے کسی کارسپانڈنٹ کو حاصل
ہے گفتگو کرتا ہوں) کہ اگر بردہ فروشی ترقی پر ہے تو اُسکا سبب یہہ ہے
کہ مذہب اسلام ان ملکوں میں جاری نہیں کیا گیا ہے۔ اور اسکی سب سے
زیادہ قوی وجہ یہہ ہے کہ مذہب اسلام کے شایع ہونے سے یہہ مراد ہوتی کہ
بردہ فروشی کا السداد لازم آتا۔ حبشیوں کو مذہب اسلام کا وعظ اس
وجہ سے نہیں کیا جاتا ہے کہ مسقط کے عرب اپنے غلاموں کے
پکڑنیکے مقامات کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اسکے برخلاف عمل کرنیسے
وہاں کے باشندوں کو مثل مسلمان بھائیوں کے سمجھنا پڑتا جہاں کہ اُن کو
غلاموں کے پکڑنے کی امید تھی۔ اسی طریقہ میں آپ یقین کرلیں کہ ہمارے
بہت سے عیسائی تاجر اپنی تجارت کے مقامات میں اپنے مذہب کے

مشنریوں کے داخل ہونے کی نسبت نہایت سخت مزاحمت کرتے
اگر یہہ بات ثابت نہوتی کہ دیسی باشندوں میں مذہب عیسوی کا اعتقاد
"جُلین" شراب کے صرف کثیر کے ساتھ کچھ تناقض نہیں رکھتا ہے۔ لیکن
بعض اوقات کسی قوم کے مذہب کی نسبت مغالطہ کا ہونا جبکہ وہ بخوبی سمجھ
میں نہ آسکے آسان ہے۔ علاوہ اسکے بڑے فخر کے ساتھ یہہ اشارہ کیا گیا ہے
کہ "محمدؐ کا مذہب براعظم افریقہ کے مشرقی حصہ میں نہیں پھیلتا ہے"
یہہ بالکل صحیح ہے یعنے ابھی ایک قوی وجہ بیان کی ہے۔ اور ایک
دوسری اہم وجہ بھی موجود ہے۔ اسلام مثل مذہب عیسوی کے ایک
غیر قوم کے ذریعہ سے دیسی باشندوں میں پھیلایا جاتا ہے۔ اور یہہ
ایک ایسی قوم ہے جو ہر طرح پر اُن سے برتر ہے اور جو اُنکو وحشی آدمی قرار
دیتی ہے۔ سقط کے عرب اور حبشی کے درمیان ایک وسیع کھاڑی ہے
اور وہ اُسکے عبور کرنیکے واسطے کوشش نہیں کرتا ہے۔ اور حبشی اُس
قوم سے اس طرح پر علیحدہ ہونے کی وجہ سے اُسکے مذہب یا اُسکے طریقوں
کے سیکھنے کے واسطے کوشش نہیں کرتا ہے لیکن جس حالت میں کہ
میں بلاتامل اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ مشرقی وسط افریقہ میں بروہ فروشی
اسوجہ سے ترقی پر ہے کہ وہاں مذہب اسلام جاری نہیں ہے تو میں اسی
طرح دعوی کے ساتھ یہہ بات کہتا ہوں کہ اس مذہب نے جسکو لوگ اسقدر
بُرا بھلا کہتے ہیں وہاں ایک بڑا فائدہ پہنچایا ہے۔ یعنی اُسنے شراب کی
تجارت کو پھیلنے نہیں دیا ہے۔ زنجبار میں سُلطان اس تجارت کو نہیں

روک سکتے ہیں۔ کیونکہ عیسائی قوموں نے تجارت کے باب میں کسی قید
کے قائم کرنے کی نسبت اعتراض کیا تھا۔ مگر خوش قسمتی سے سلطان ممدوح
کو اپنے خاص ملک میں ابتک اپنے مذہب کے قواعد کے جاری کرنیمیں
زیادہ تر اختیار رہا ہے۔ اور اس طرح پر اُنہوں نے اُن کالے آدمیوں کی بداخلاقی
کے روکنے میں جو بہ آسانی بہک جاتے ہیں بڑی مدد دی ہے۔ مگر چونکہ
اب جرمنی کی "شائستگی کے بہنما" اس ملک میں وارد ہونے لگے ہیں اسلئے
اس بات کا دیکھنا باقی ہے کہ یہہ حالت کب تک قائم رہیگی۔ اب مغربی افریقہ
اور وسط سوڈان کی طرف جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہم وہاں بالکل اسکے
برخلاف حالت دیکھتے ہیں۔ یعنی یہاں اسلام بطور ایک زندہ جاندار قوت
کے جاری ہے۔ اور اپنے ابتدائی زمانہ کے جوش اور مستعدی سے بھرا ہوا ہے
اور نیز وہ اُس قسم کی عجیب کامیابی کے ساتھ جو اُسکے ابتدائی زمانہ میں پائی جاتی
تھی اور شخصوں کو اپنا معتقد بناتا ہے۔ یہاں اُسکا وعظ برابر صحرا لیبون کے
بازاروں میں اور وادی نائیگر کی ذلیل مردم خوار قوموں میں کیا جاتا ہے
جس ناواجب طریقہ میں مذہب عیسوی کے حامی بردہ فروشی کی برائیوں کو
مذہب اسلام کے ذمہ لگانیکے واسطے کوشش کرتے ہیں اُسکے ساتھ
وہ بذریعہ قوت اور زور کے اُس کامیابی کی نسبت جو اسلام کو مغربی وسط
افریقہ میں حاصل ہوئی ہے اصلی واقعات کو چھپاتے ہیں!!! چونکہ وہ
کسی خوبی کو بجز اسکے جو انکو مذہبی ذریعوں سے معلوم ہوا ور کسی خوبی کو نہیں
پہچان سکتے ہیں اسلئے وہ افریقہ کے باشندوں کے حق میں اُنکی ترقی کو بطور ایک ہولناک

مصیبت اور آفت کے قرار دینا چاہتے ہیں - وہ بیان کرتے ہیں (جیسا کہ بچپن
سے اُنہیں سکھلایا گیا ہے) کہ مذہب اسلام صرف آگ اور تلوار کے
ذریعوں سے شایع ہوسکتا ہے - وہ نہایت خوشی سے اُس غریب خوف زدہ
حبشی کی تصویر کھینچتے ہیں جو سر بزانو کھڑا ہوتا ہے اور اُسکے پیچھے اُس کے
جھونپڑے میں آگ لگی ہوتی ہے - اور اُسکی عورتوں اور بچوں کو جنگی گروہوں
میں پھانسی لگی ہوتی ہے خونخوار آدمی غلام بنانیکے لئے کھینچتے پھرتے ہیں
اور ایک شیطان صورت مسلمان برہنہ شمشیر لئے ہوئے اُسکے سر پر کھڑا ہوتا
ہے - اور یہہ بات کہتا ہے کہ وہ دو موت قبول کرے یا قرآن" یہہ ایک
پرانا خیال اسبات کا ہے کہ مذہب اسلام کس طرح پر جاری کیا جاتا ہے
اور میں خیال کرتا ہوں کہ یہہ ایک ایسا خیال ہے جو پچھلی نسلوں سے چلا آتا
ہے - خوش قسمتی سے مجھکو بطور خود اور مختلف طریقہ میں حالات کے مشاہدہ
کرنے کا ایک موقع حاصل ہوا ہے - متوسط سودان اور مغربی سودان
میں مذہب اسلام کی سب سے بڑی فتوحات صلح جو اور سادہ ذریعوں سے
حاصل ہوئی ہے - یعنی زمانہ گزشتہ میں فلانی گلہ بانوں کے ذریعہ سے
اور زمانہ حال میں مستعد اور اولوالعزم حنایا بنیوپ کے تاجر کے ذریعہ سے
بارہویں صدی کے قریب سے گلہ بان اپنے مذہب کو جھیل چیغ سے
بحر انظلانطک تک پھیلانے میں مصروف رہے اور اسکا نتیجہ یہہ ہوا ہے
کہ پچھلی صدی کے خاتمہ پر تمام ملک میں چھوٹی چھوٹی مسلمانی جماعتیں قائم
ہوگئیں - وہ بت پرستی کی اطاعت ترک کرنے اور خدا کی وحدانیت کا اعلان

کرنیکے واسطے صرف ایک رہنما کے محتاج تھے چنانچہ اس صدی کے شروع
میں فودیو رہنما پیدا ہوا۔ اور ایک نہایت قلیل عرصہ میں مذہب اسلام ملک کے
ایک وسیع حصہ میں بطور حکمران مذہب کے جاری ہوگیا۔ اور اُسنے وحشی قوموں
میں ایسا جوش پیدا کیا جس سے نہایت حیرت انگیز نتیجے پیدا کئے ہیں پچھلے
برسوں میں مذہب اسلام کی اشاعت کا خاص ذریعہ جیسا کہ میں سابق میں
بیان کرچکا ہوں قوم حنایا بیوپ کا تاجر رہا ہے۔ یہ حبشی تاجر اپنے کام کے
تقدس کی بدولت ہر ایک قوم میں اپنے خاص گھر سے سیکڑوں میل کے فاصلہ
کے اندر گھس جاتا ہے۔ اور وہ وحشی بت پرست کے ساتھ اُسیطرح ملتا ہے
جیسے کہ خاص اپنی نسل کے آدمی کے ساتھ۔ اور وہ اُسی مکان میں سوتا ہے
اور وہیں کھانا کھاتا ہے۔ وہ ہر ایک مقام پر اپنا مذہب ساتھ لیجاتا ہے۔ اور
اُسکی خاص خوبیاں خارج از قیاس اور پُر فضیلت مسائل کے باعث سے
تاریک نہیں ہوتی ہیں۔ وہ اُسی قدر مسائل جانتا ہے جنکو اُسکا بت پرست
بھائی سمجھ سکتا ہے یا اُنکی پیروی کرسکتا ہے۔ یہ تاجر ایک مہینہ یا چھ مہینے
یا سال بھر وہاں رہتا ہے۔ اور اس عرصہ میں لوگ اُس کے عمدہ کپڑوں
کی نہایت تعریف کرتے ہیں۔ اور اوسکی تقلید کرنا شروع کرتے ہیں
وہ کوئی بات ایسی نہیں دیکھتے ہیں جسکے حاصل کرنے کی اُنکو توقع نہوسکے
اور اُسکے مذہب میں کوئی بات ایسی نہیں ہوتی ہے جسکو وہ نہ سمجھ سکتے ہوں
اس طریقہ میں شائستگی اور اسلام کے بیج جابجا بیشمار وحشی قوموں میں پڑ گئے
ہیں۔ یہانتک کہ ملک میں سیکڑوں کارخانوں کی آواز برابر گونجتی ہے۔ اور

صبح اور دوپہر اور شام کو کلمۂ اسلام بلند ہوتا ہے۔ اور ہزارہا سابق میں پتھروں کے روبرو جھکتے تھے وہ اب خدا کے روبرو جھکتے ہیں۔ اور وہ ہونٹ جو ایک بھائی کے گوشت کے مزہ سے خوش ہوتے تھے اب اوسکی عظمت اور رحم کے تسلیم کرنے میں مصروف ہیں۔

اگر اسلام ہمیشہ اس قسم کے پُرامن ذریعوں سے جاری نہیں کیا گیا ہے تو اسمیں تعجب کی بات کیا ہے؟ کیا ہمکو قریب اٹھارہ صدی کے اس بات کے سیکھنے کیواسطے درکار نہیں ہوئی ہیں؟ کہ ہم کو اور شخصوں کو زبردستی اپنا مذہب قبول کرانے کا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے۔ پس کیا تعجب ہے اگر سرگرم حبشی مذہب کے جاری کرنے والے بعض اوقات اپنے غیر معتقد اور پُرضد بھائیوں میں اپنے مذہب کی برکتیں زبردستی جاری کرنا چاہیں"۔ انتہی قولہٗ

اب ہم قرآن مجید کی اخلاقی اور تمدنی تعلیمات کا ذکر کریں گے اور دکھائینگے کہ اوسکی تعلیم بمقابلہ انجیل کی تعلیم کے انسان کی حالت کو ترقی دینے میں کسقدر زیادہ کامیاب ہوئی ہے۔ اور چونکہ ان دونوں مقدس کتابوں کے باہمی تفوق کے دکھانیکے لئے ضرور ہے کہ اُن دو مختلف قوموں کی حالت کو بیان کیا جاے جنمیں ابتداءً انکا وعظ کیا گیا اسلئے ہم بنی اسرائیل اور عرب جاہلیت کا یکے بعد دیگرے ذکر کرینگے گو کہ اس پچھلی قوم کی حالت کسیقدر پہلے بھی بیان کیجا چکی ہے۔

پس واضح ہو کہ جس قوم میں جناب ابن مریمؑ کو وعظ کرنے کا

موقع ملا وہ ایک ذی علم اور تربیت یافتہ قوم تھی اور اُسمیں بڑے بڑے
عالم اور فلاسفر موجود تھے۔ مثلاً پولوس مقدس جنکو افلاطون کے
فلسفہ میں بڑا عبور تھا وغیرہ وغیرہ۔ وہ توحید ذات وصفات باری اور
قیامت اور جزا و سزائے اُخروی کے قائل اور معتقد تھے۔ اور شریعت
موسوی کو شریعت الٰہیہ مانتے تھے گو کہ اُنکی اخلاقی حالت بہت خراب
ہوگئی تھی۔ اور اُنہوں نے شریعت میں بہت سی بدعتیں داخل کردی تھیں
اور اُن کے افعال و اعتقادات نہایت درجہ بگڑ گئے تھے۔ یہانتک کہ اُنکے
علما کی ایسی مثل ہوگئی تھی جیسے اندھوں کو اندھا رہنما ہو۔ اُن میں ریاکاری
مکاری اور غرور اس درجہ کو پہنچگیا تھا کہ جن لوگوں کو نہ گنہگار سمجھتے اُن کے ساتھ
کھانا کھانا معیوب جانتے تھے۔ اور اس سے غافل تھے کہ "مستحق کرامت
گناہگار انند" وہ لوگوں کے دکھانیکو رستوں میں اور عبادت گاہوں
میں تُرھی بجا کر خیرات دیتے تھے تاکہ لوگ اُنکی تعریف کریں۔ اسی طرح
عبادت گاہوں اور رستوں کے سرے پر کھڑے ہوکر عبادت کرتے
تھے تاکہ لوگ اُنکو بزرگ جانیں۔ سب کام ریاکاری سے کرتے تھے
اپنی پوشاک بڑی بزرگانہ طور کی بناتے تھے۔ اپنے گلوبندوں میں اپنی
تعریف لکھواتے تھے۔ مجلسوں میں صدر نشینی اختیار کرتے تھے۔ رستہ میں
لوگوں سے سلام کے منتظر رہتے تھے۔ اور یہہ بات چاہتے تھے کہ لوگ
اُنکو "ربی ربی" کہکر پکاریں۔

ظاہر کی صفائی اور نہانے دھونے میں جسکا حکم باطنی صفائی

کا خیال[۵۱] پیدا کرنیکے لیے حد سے زیادہ مصروف رہتے تھے۔ مگر باطنی صفائی اور دلی پاکیزگی جو شریعت کا اصل مدعا تھا اُس سے بالکلیہ ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ (افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ کے بھی اکثر مقدسین اسی قسم کے اوصاف سے موصوف ہیں الا ماشاء اللہ) اُنہوں نے اپنی بداستعمالی سے شریعت کو قابل اعتراض بنا دیا تھا اور ایسے قسی القلب اور بیحروت ہوگئے تھے کہ ایک ذرا سے قصور مثلاً ہنڈیا میں زیادہ نمک ڈالدینے پر بدمزہ ہوکر بیوی کو گھر سے نکال دیتے تھے۔ نکاح و طلاق کو ایک ذریعۂ عیاشی بنا لیا تھا یعنی جو عورت پسند آئی اُس سے نکاح کر لیتے اور جب دوسری اُس سے اچھی دیکھتے تو پہلی کو چھوڑ دیتے اور اوسکو پکڑ لیتے تھے۔ اور اس طرح پر نکاح کی علت غائی یعنی باہمی غمگساری اور تسکین اور محبت و اخلاص اور امور خانہ داری میں تعاون اور پیدائش و افزائش نسل جو عورت اور مرد کے جوڑا پیدا کرنیوالے کا اصل مقصود ہے اُسکو کھو دیا تھا۔ ہر بات پر بلا ضرورت بلکہ دغا دینے کے ارادہ سے قسمیں کھاتے اور اس طرح پر خدا کے نام مقدس کی بے تعظیمی کرتے تھے۔ غرضکہ ایک ایسا زمانہ آگیا تھا کہ کوئی ایسا شخص پیدا ہو جو لوگوں

[۵۱] اسلام میں غسل و طہارت اور عبادت خصوصاً فرض عبادت کے وقت وضو کرنے اور عیسائیوں میں عیسائی بننے کے وقت پانی سے اصطباغ لینے کا حکم اسی اصول پر مبنی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ متعصب عیسائی اسلام پر اعتراض کرنیکی غرض سے اسکو اوہام اور طفلانہ آداب و رسوم مذہبی سے تعبیر کرتے ہیں اور اپنی آنکھ کے شہتیر کو تو بھول جاتے ہیں اور دوسروں کی آنکھ میں سے تنکا نکالنا چاہتے ہیں وان ھذا الشئی عجاب۔ مؤلف عفی عنہ

کو باطنی و روحانی پاکیزگی و نیکی سکھاے اور اُن کے اِن اخلاق و عادات
رزیلہ کی اصلاح کرے۔ پس اگرچہ حضرت روح اللہ اُن میں آے اور
اپنے اخیر دم تک مکارم اخلاق کی تعلیم میں جو اغلب مقصود آپکی بعثت کا
تھا آپ نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مگر اُس قوم پر اُسکا کچھ اثر نہوا اور اُنہوں نے
اپنی بدطینتی و بدبختی سے اُسکی قدر نہ جانی۔ اور جس بے ادبانہ و بیرحمانہ طریقہ سے
آپ سے پیش آئے وہ ہر کسی کو معلوم ہے۔ مگر عبداللہ کا بیٹا اور آمنہ
کا جایا (دل و جانم فداے نامش باد) جس قوم میں مبعوث ہوا اونٹ کی
طرح اُسکی کوئی بھی کل سیدھی نہ تھی۔ وہ سخت جاہل اور بے علم تھے۔
خداے حیّ و قیوم کی جگہ بے حس و بے جان بتوں اور مخلوق و محسوس
بلکہ موہوم اور خیالی چیزوں کو پوجتے تھے۔ قیامت اور جزا و سزا کے
مُنکر تھے۔ کسی شریعت اور قانون کے پابند نہ تھے۔ بلکہ صرف اپنی ہی
آزادانہ مرضی کے موافق کاربند ہوتے تھے۔ مکارم اخلاق اور حسن معاشرت
کا تو سایہ تک اُنپر نہ پڑا تھا۔ یہانتک کہ بدکاری اور زناکاری جیسے فعل قبیح
سے نادم نہوتے تھے۔ اور اپنے اِن افعال ذمیمہ کو ہر طرح کی غیر مہذب نظم
میں مشتہر کرتے اور اُسپر فخر کرتے تھے۔ قصیدوں کی تشبیب کے اشعار میں
دولتمند اور امیروں کی لڑکیوں اور بہنوں اور عورتوں کا حال نام لے لیکر بیان
کرتے۔ اور ہر طرح کے عیبوں کو علانیہ اُن کی طرف منسوب کرتے تھے
اور مرد ہی نہیں بلکہ عورتوں کا بھی یہی حال تھا۔ اُن میں اکثر ایسی تھیں کہ
فاحشہ ہونے کی نشانی کے طور پر اپنے گھر کے آگے ایک اونچی جھنڈی

گاڑے رکھتیں اور "ذوات الاعلام" یعنی جھنڈیوں والیاں کہلاتی تھیں۔
لونڈیوں کو جو "قینات" کہلاتی تھیں اس غرض سے ناچنا اور گانا بجانا
سکھاتے تھے کہ حرامکاری کے ذریعہ سے اپنے آقاؤں کے لئے مال و
دولت کمائیں اور وہ حرامکاری کی مجاز ہی نہ تھیں بلکہ اس فعل قبیح کے لئے
مجبور کیجاتی تھیں۔ قمار بازی سب لوگوں کا بلا استثنا ایک نہایت مرغوب
کھیل تھا۔ اور قمار بازی کے مشہور مقامات میں دور دراز مسافت سے
لوگ آنکر جوا کھیلتے تھے۔ شراب کے بدرجہ غایت مشتاق تھے اور نشہ
میں آکر بدمستیاں کرنے اور خون خرابوں تک نوبت پہنچا دینے کے عادی
تھے۔ انسان کا خون پانی سے زیادہ بیقدر تھا۔ اور بغیر تاسف کے ہر روز
بہا کرتا تھا! سرقہ رہزنی اور غارتگری یہ تو گویا روزمرہ کی باتیں تھیں۔ خون خواہی
اور انتقام کی انکو ایسی چاٹ تھی کہ کسی ایک شخص کے ظلماً قتل کئے جانیکی وجہ
سے قبیلے کے قبیلے سالہا سال تک کٹا مرا کرتے تھے! قساوت اور
کینہ پروری اس درجہ کو پہنچگئی تھی کہ مرد تو مرد عورتیں اپنے مقتول دشمنوں کا
خون مزہ لے لیکر پیتیں! اور اُن کا دل و جگر نکالکر دانتوں سے چباتیں!
اور ناک کان اور اعضائے تناسل کو کاٹ کر اور تاگے میں پرو کر کمال
بے شرمی سے زیور کی طرح گلے اور ہاتھوں میں پہنتیں اور اُسپر فخر کرتی تھیں
ریوڑ کے ریوڑ جوروؤں کے رکھتے تھے جنمیں بلا تکلف باپ کی منکوحہ
عورتیں بھی بطور میراث شامل ہوتی تھیں! طلاق کی خانہ برانداز رسم بھی انمیں
بڑے زور سے جاری تھی۔ مگر اتنی بات میں یہ جنگلی اسرائیل سے بڑھے

ہوے تھے کہ اکثر طلاق دیکر بھی عورت کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ یعنی
طلاق کے بعد عورت تو رسم مروجہ کے موافق ایک مدت معینہ تک
نکاح ثانی کی مجاز نہ تھی۔ مگر مرد اُسکو پھر اپنی زوجیت میں لے لینے کا مختار تھا
اور انقضاے مدت سے پہلے عورت کو پھر زوجیت میں لے لیتا اور پھر
طلاق دے دیتا تھا! اور اس بار بار کی طلاق اور رجعت سے کبھی تو یہ غرض
ہوتی تھی کہ عورت کسی دوسرے مرد سے ازدواج نہ کرسکے جو شوہر سابق
کی ذلت کا باعث ہو۔ اور کبھی یہ کہ بیچاری تنگ و مجبور ہو کر مہر میں سے
کچھ چھوڑ دے۔ غرضکہ عورتوں کو کسی قسم کی آزادی اور حقوق حاصل نہ تھے
اور وہ فی الواقع نہایت خراب اور ذلیل حالت میں تھیں۔ یتیم لڑکوں اور لڑکیوں
کی حالت بھی نہایت قابل رحم تھی اُنکے ولی اُنکا مال کھا لیتے یا اچھے کی جگہ
بُرا بدل دیتے یا اُن کے بالغ ہونے سے پہلے ہی بیجا طور پر خرچ کرڈالتے
تھے۔ یتیم لڑکیوں کا یہ حال تھا کہ اگر خوبصورت ہوتیں تو بلوغ سے پہلے
ہی اُن سے نکاح کر لیتے اور اس حیلہ سے اُن کے مال پر بھی متصرف ہوجاتے
تھے۔ اور اگر بدصورت ہوتیں تو اُنکو شادی کرنے سے اس غرض سے
روکے رہتے تھے کہ وہ کنواری ہی چل بسیں! اور اُنکا مال اُنکو وراثت
میں ملجاے! سب سے زیادہ پُر وحشت اور ہولناک رسم جسکے تصور سے
رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اُنمیں یہ جاری تھی کہ معصوم بچیوں کو بتوں پر بھینٹ
چڑھاتے تھے۔ اور غریب بے زبان لڑکیوں پر یہ آفت تھی کہ سسرا
کہلانے کی شرم یا افلاس کے ڈر سے کبھی تو پیدا ہوتی ہی کا گلا گھونٹ دیتے

یا زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اور کبھی پہاڑ پر سے لڑھکا کر اور کبھی پانی میں ڈبو کر مار ڈالتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ذبح کر ڈالتے تھے اور کمبخت سنگدل باپ کے بیرحم ہاتھوں کو اپنے لخت جگر کے حلقوم نازک پر چھری پھیرنے میں کچھ بھی رکاوٹ نہوتی تھی اور وہ ننھی سی جان نہایت محبت بھری آنکھوں سے بے درد باپ کا مونہہ تکتی اور معصوم اور تتلاتی زبان سے "یا ابت یا ابت" کہتی ہوئی زندگی سے گزر جاتی تھی!!! لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ نہایت بدسلوکی سے پیش آتے تھے۔ اُن سے سخت سے سخت محنتیں کرواتے اور بُرے سے بُرا کھانا اور ناقص سے ناقص کپڑا اُن کو دیتے تھے۔ اور اُن کے نزدیک اُنکی حقیقت بھیڑ بکری سے زیادہ نہ تھی اور اسکا کچھ خیال نہ تھا کہ وہ بھی ہمارے ہمجنس خدا کے بندے ہیں۔ اُن کے آزاد کر دینے پر بھی اُنکی ملکیت کا استحقاق اپنے لئے باقی سمجھتے تھے۔ اور اس استحقاق کے فروخت کر دینے کے بھی مجاز تھے۔ اور مشتری اُن پر اپنی ملکیت قائم کرتا تھا اور اس طرح سے وہ بدبخت ہمیشہ کی آزادی سے بالکل محروم تھے۔ پس خدا نے اپنی مجسم رحمت کو جسکا نام پاک توریت میں محمدؐ مصطفےٰ اور انجیل میں احمدؐ مجتبےٰ* ہے نہ صرف اس قوم بلکہ تمام دنیا کی قوموں کی ہدایت و اصلاح حال کے لئے بھیجا اور جیسا کہ اُس پرانے اور عظیم الشان پیغمبر (موسیٰؑ) کو خدا نے فرمایا تھا کہ "تجھ میں سے تیرے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے تجھسا نبی قایم

* دیکھو کتاب خطبات احمدیہ کا خطبۃ البشارات ۱۲ مؤلف عفی عنہ

کرونگا اور اپنا کلام اُسکے مونہہ میں دونگا۔ اور جو کچھ میں اُس سے کہونگا وہ اُسے کہدیگا* (دیکھو توریت کتاب پنجم آیت ۱۵-۱۸) اپنا کلام پاک اُسکے مونہہ میں ڈالا۔ اور اُسنے اپنے منصب عالی کے عظیم ترین و مشکل ترین کام کو ایسے کامل و اکمل طور پر انجام دیا جسکی کوئی نظیر اور مثال تاریخ عالم میں نہیں پائی جاتی۔ اُسنے اپنے پر تاثیر و معجزانہ وعظ سے ایک قابل حیرت قلیل عرصہ میں ملک کے ملک کو خداشناس و خدا پرست بنا دیا۔ مخلوق و محسوس چیزوں کی پرستش کو چھڑایا اور ایک غیر محسوس و ہمہ قدرت و ہمہ صداقت ہستی کی عبادت کا بیج دلوں میں بویا۔ اور نجات کا مدار صرف اسی پر ایمان لانے اور یقین رکھنے کو بتایا۔ اور نہ صرف اُسی ملک کو مادہ پرستی کی ناپاکی و نجاست سے پاک و صاف کیا بلکہ جہانتک اُسکے وعظ کی آواز پہنچی اوسکی تاثیر سے مختلف مذاہب کے لوگوں میں یہہ پاک و منور خیال پیدا ہوگیا کہ مخلوق پرستی نہایت ناپاک خصلت اور سخت مُہلک روحانی مرض ہے۔ اُسنے قیامت اور جزا و سزا سے لوگوں کو آگاہ کیا اور یہہ فرما کر "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" انسان کا اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار و جواب دہ ہونا بتایا۔ اور جن اعمال و افعال پر جزا و سزا مقرر ہے وہ ایک ایک کر کے اُنکو بتاے اور اُن کے اکتساب و اجتناب کے نتیجوں کو اِن دو مختصر مگر نہایت پُر حکمت جملوں میں سمجھا دیا۔ "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" یعنی بے شبہہ وہ شخص مراد کو پہنچگیا جسنے اپنے نفس کو بُرے خیالوں اور بد جذبوں یعنی

* یعنی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (سورہ والنجم) ۱۲ مؤلف

اخلاقی اور شرعی گناہوں سے پاک وصاف کیا۔ اور بیشک وہ ٹوٹے میں
پڑا جسنے اُسکو بُری خواہشوں اور خراب وزشت اعمالوں کے گڑھے میں ڈالکر
میلا کچیلا کردیا۔ اور اُس فلاح ومُراد کی حقیقت وماہیت یہ کہکر اُن کو بتائی
قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُّ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا
اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ" یعنی خُدا تعالیٰ نے فرمایا
ہے کہ طیار کی ہے میںنے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز
جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سُنی اور نہ کسی انسان کے دل میں
اُسکا خیال گزرا ہے۔ اور نیز یہہ فرماکر وہ "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَھُمْ
مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ" یعنی کوئی نہیں جانتا کہ کیا
اُنکے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے اُسکے بدلے جو وہ کرتے
تھے۔ اور چونکہ انسان خواہ کیسا ہی تربیت یافتہ کیوں نہو طبعًا بجز اُن چیزوں
کے کہ جنکا ادراک اُسنے بذریعہ اپنے حواس خمسۂ ظاہری کے کیا ہو کسی چیز کو
نہیں سمجھ سکتا اور نہ اُسکا خیال اُسکے دل میں آسکتا ہے۔ خصوصًا کسی
راحت یا کلفت کا خیال جو کیفیات کے مقولہ سے ہیں اور جنکا بیان
کیا جانا ناممکن ہے۔ اسلئے مجبورًا اُسنے اپنے سے پہلے آنے والوں
کے طریقہ پر اُس مراد ونامرادی کو جسکا دوسرا نام بہشت ودوزخ ہے
ایسے عمدہ وبے نظیر اور دل پر اثر کرنے والی تشبیہوں اور تمثیلوں کے پیرایہ
میں بیان کیا جو تربیت یافتہ ونا تربیت یافتہ لوگوں کے (خواہ وہ گرم
ملک کے رہنے والے ہوں خواہ سرد ملک کے) فہم ومذاق کے

یکساں موافق ہے۔ اُسنے قوانین سیاست واصول اخلاق کا ایک ایسا
کامل وگراں قدر مجموعہ لوگوں کے ہاتھوں میں دیا کہ ویسا کامل تر مجموعہ پہلے
کوئی نہ تھا چنانچہ ارکھارٹ صاحب مورخ لکھتے ہیں کہ دو اصول شرع اسلام
میں سے ہر ایک اصل کو دیکھئے تو فی نفسہ ایسی عمدہ اور موثر ہے کہ شارع
اسلام کے شرف وفضیلت کو قیامت تک کافی ہے۔ اور اُن سب
اصول کے مجموعہ سے ایک ایسا انتظام سیاست قائم ہوگیا ہے۔ جسکی
قوت ومتانت کے سامنے اور سب انتظامات سیاست ہیچ ہیں۔
ایک شخص کی حین حیات اور وہ بھی ایسا شخص جو ایک جاہل۔ وحشی
تنک مایہ وکم ظرف قوم کے قابو میں تھا وہ شرع اُن ممالک میں شایع ہوگئی
جو سلطنت قاہرہ روم کبیر سے کہیں عظیم و وسیع تھیں۔ جب تک اس
شرع میں اسکی اصل کیفیت باقی رہی اُسوقت تک کوئی چیز اُسکا مقابلہ نہ کرسکی"
اِس مجموعہ کی کمال خوبی اور من اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہوسکتی ہے
کہ وہ عام اہل تصنیف کی کتابوں کے طرز واسلوب پر جو ہر ایک مضمون کو
ایک ترتیب کے ساتھ بیان کیا کرتے ہیں نہیں ہے۔ بلکہ حسبطرح اُسکے
اعلیٰ وپاک مضامین کا القا بذریعہ وحی وقتاً فوقتاً حسب ضرورت اور موقع
کے ہوتا رہا اُسیطرح جمع کردیئے گئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُسکے مواعظ
واحکام کسی ایک سورہ یا اُن سورتوں کے کسی حصہ میں مجتمع نہیں ہیں۔ بلکہ
ایسی وضع اور صورت میں ہیں کہ اگر اُسکا کوئی ایک صفحہ بلا قصد وبلا تعین مقام
کھولکر پڑھا جائے تو پڑھنے اور سننے والوں کو اُسکے ہر مقام اور ہر مضمون

سے اخلاق وحسن معاشرت کے اعلیٰ اصولوں میں سے کوئی نہ کوئی اصول
ضرور پڑھنے اور سننے میں آتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اس قول کی تصدیق مسٹر
چیمبر کی رائے سے ہوتی ہے جو اُسنے اپنی انسائیکلوپیڈیا میں لکھی ہے کہ
"مذہب اسلام کا وہ حصہ بھی جس سے اُسکے بانی کی طبیعت صاف صاف
معلوم ہوتی ہے نہایت کامل اور غایت درجہ کا موثر ہے۔ اس سے ہماری
مراد اوسکی اخلاقی نصیحتیں ہیں۔ یہ نصیحتیں کسی ایک یا دو یا تین سورتوں
میں مجتمع نہیں ہیں بلکہ اسلام کی عالیشان عمارت (قرآن مجید) میں
سلسلۃ الذہب کی مانند ملی جلی ہیں۔ ناانصافی۔ جھوٹ۔ غرور۔ انتقام
غیبت۔ استہزا۔ طمع۔ فضول خرچی۔ حرامکاری۔ خیانت اور بدگمانی
کی سخت مذمت کی گئی ہے اور اُنکو قبیح اور بے دینی بتایا ہے۔ اور بمقابلہ
اُنکے خیراندیشی۔ فیضرسانی۔ پاکدامنی۔ حیا۔ بردباری۔ صبر۔ تحمل۔ کفایت
شعاری۔ سچائی۔ راستبازی۔ عالی ہمتی۔ صلح پسندی۔ حق دوستی اور
سب پر بالاتوکل برخدا اور انقیاد امر الٰہی کو سچی ایمانداری کی اصل و بنیاد اور
مومن صادق کا اصلی نشان قرار دیا ہے" اِس مقدس مجموعے کے بانی
کا کمال علم وحکمت اس سے ظاہر ہے کہ اُسنے انسان کو اخلاق کے
ایک سب سے بڑے اور جامع اصول سے ان دو جملوں میں مطلع کر دیا۔
کہ "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِاِمْرِءٍ مَا نَوٰی" * یعنی اعمال کی خوبی
یا برائی صرف عمل کرنے والے کی نیت کی خوبی یا برائی پر موقوف ہے
اور جن مکارم اخلاق کو اُس سے پہلے آنے والوں نے لمبی لمبی تقریروں

* صحیح بخاری

اور عبارتوں میں بیان کیا تھا اُسنے انکو ان دو لفظوں میں بیان کر دیا کہ "تخلقوا
باخلاق اللہ" یعنی اپنے میں وہ صفات و عادات پیدا کرنے کی
کوشش کرو جو خدا کی صفات و عادات ہیں" مثلاً عفو و رحم۔ حلم و حیا
جود و عطا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اُسنے ہر ایک طرح کی بدکاری اور حرامکاری سے لوگوں کو روکا اور
اُسکی جگہ عفت و پاکدامنی اور حیا اُنکو سکھائی اور یہ کہکر کہ "الحیاء من الایمان"
حیا کو جزو ایمان بتایا۔ اور حرامکاری ہی سے نہیں روکا بلکہ حرام نظر کو بھی سخت
گناہ اور شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر اور لعنت کا کام کہا۔
اُسنے لونڈیوں کو حرامکاری پر مجبور کرنے کی سخت ممانعت کی اور حکم دیا کہ اگر
وہ عفت سے رہنا چاہیں تو حرامکاری کے لئے اُن پر جبر نہ کرو۔

اُسنے جوے اور شراب کا جن کی بُرائیاں بدیہی ہیں سخت امتناع کیا
خصوصاً شراب کا جو درحقیقت تمام اخلاقی بُرائیوں اور فتنہ و فساد اور اسراف
و فضول خرچی اور کئی قسم کی سخت بیماریوں کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اور یہ وہ پاک
احکام ہیں جو نہ توریت میں پائے جاتے ہیں نہ انجیل میں۔ چنانچہ
سر ولیم میور جو ایک دیندار عیسائی ہیں۔ اور جبتک کہ بالکل ناقابل انکار
بات نہو اسلام کے حق میں گواہی نہیں دے سکتے اپنی کتاب لائف آف محمد
میں ارقام فرماتے ہیں کہ "مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے
کہ اُسمیں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں
پایا جاتا" مسٹر گاڈفرے ہگنس لکھتے ہیں کہ سوروخون نے بیان

کیا ہے کہ محمدؐ کے زمانہ کے پیشتر اہل عرب میخواری اور قمار بازی کے
نہایت عادی تھے۔ مگر اُن کے دو حکموں کی وجہ سے شراب و قمار بازی
کا رواج قطعًا موقوف ہو گیا۔ گو کہ اُنکو ذریعہ شہوت رانی اپنے رفقا کا الزام
لگایا گیا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ تقویٰ اور پرہیزگاری برائے نام ہی نہیں
معلوم ہوتی بلکہ مے نوشی اور قمار بازی ایسے کبیرہ جرم قرار دیئے گئے ہیں
جو معافی کے لایق نہیں۔ اور جنکی بیخ کنی ایک دم سے کر دی گئی۔ اُن
کے پیروؤں کی کل شہوات نفسانی اور تعصب اور عادات کی بندش کر دیگئی
ہے۔ ضرور ہے کہ سبکو ترک کریں ورنہ اُن کے تابع نہیں ہو سکتے" وہ
لکھتے ہیں کہ "گبن درست کہتا ہے کہ "جس عیش و عشرت سے دل
للچاے اُسکی تکلیف دہندہ قیدوں کو بلاشبہ رندوں اور منافقوں نے
اُٹھا دیا ہے۔ مگر اُس واضح قانون پر جسنے کہ اُسکو بنایا یقیناً انصاف کی رو
سے اس بات کی تہمت نہیں ہو سکتی کہ اُسنے اپنے مُریدوں کو اُنکی شہوات
نفسانی کی اجازت دینے سے فریب دیا" فی الحقیقت میرے نزدیک
فرنگستان کی کیا ہی خوش قسمتی ہوتی۔ اگر بموجب حکم الٰہی دین عیسوی میں
بھی اُنکی ممانعت ہو جاتی" پھر تھوڑا سا آگے چلکر لکھتے ہیں کہ "میری راے
ناقص اور خیالات محدود کے بموجب اگر شراب اور قمار بازی وغیرہ کی
ممانعت انجیلوں میں پائی جاتی تو انسان کی خوشی کچھ کم نہو جاتی اور اگر حضرت
عیسیٰ اپنے علم غیب سے جو بزعم لوگوں کے اُنکو حاصل تھا اور جسکا محمدؐ
کو دعویٰ نہ تھا مُنشی چیزوں کی ممانعت کر دیتے بجز اُن صورتوں کے کہ

جنمیں وہ دوا کے طور پر ضروری ہوں تو اُس سے کچھ بُرائی زیادہ نہو جاتی"
اُسنے خون ناحق کی سخت ممانعت فرمائی اور اُسکی سزا رسم جاہلیت کے
برخلاف قاتل ہی کا قتل کیا جانا قرار دیا اور اس نامنصفانہ دستور کو کہ قاتل کو
چھوڑکر کسی دوسرے شخص کو اور غلام کے بدلے آزاد کو اور عورت کے عوض
مرد کو اور ایک مرد کی جگہہ دو مردوں کو مارتے تھے مٹا دیا اور حکم دیا کہ "اگر کسی
آزاد شخص نے آزاد کو مارا ہے تو وہ آزاد ہی مارا جائیگا اور اگر غلام نے غلام
کو قتل کیا ہے تو وہ غلام ہی قتل کیا جائیگا۔ اور اگر کسی عورت نے عورت
کو مارا ہے تو وہ عورت ہی ماری جائیگی"، اور چونکہ زمانہ جاہلیت میں بے انتہا
خون ہوتے تھے اور بدلا لینے کے لئے بڑی بڑی خونریز لڑائیاں ہوتیں
اور سالہا سال تک قائم رہتی تھیں جنکی وجہ سے قومیں اور قبیلے متفرق اور
ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے اور کوئی امید اتحاد مذہبی و اتفاق قومی اور
ملکی کی اُن سے نہیں ہو سکتی تھی اُن جھگڑوں کے مٹانے کی غرض سے
وہ معاہدے جو قصاص سے بری ہونے کی بابت قرار پائے تھے
جائز رہنے دیئے جس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ تمام ملک میں اِس سرے سے اُس
سرے تک امن و امان اور صلح و آشتی کی برکتیں پھیل گئیں۔ اور انتقام
و خونخواہی کی چاٹ طبیعتوں سے ایسی محو و معدوم ہو گئی کہ جانی دشمن بھائیوں
سے زیادہ دوست بنگئے اور عداوت و کینہ جوئی کے عوض محبت و ہمدردی
اور تفرق و علیحدگی کی جگہہ اتفاق قومی و اتحاد ملکی قائم ہو گیا جو انسان کے دل پر
ایک ایسے ربّانی اور معجزانہ تصرف کی مثال ہے کہ جسکا حاصل ہونا بڑی سے

بڑی سلطنتوں کی سالہا سال کی ملکی تدبیروں اور کوششوں اور کروروں روپیہ کے صرف سے بھی تقریباً ناممکن بلکہ محال ہوتا ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے آنحضرت کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ " (سورۂ انفال) یعنی خدا نے اُن کے دلوں میں الفت ڈالدی اگر تو تمام دنیا کے مال و دولت کو خرچ کر ڈالتا تو بھی اُن کے دلونکو نہ ملا سکتا ولیکن خدا نے اُن میں ملاپ کردیا " اور مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا " اُذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا " (سورۂ آل عمران) یعنی یاد کرو خدا کے فضل کو جو تم پر ہوا جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے۔ پس الفت ڈالدی تمہارے دلوں میں پھر اُسکی نعمت (اسلام) سے گویا تم کو دشمن سوے تھے مگر جب اُٹھے تو گویا بھائی بھائی تھے " چنانچہ گبن لکھتا ہے کہ " اُسنے (آنحضرت نے) مسلمانوں میں نیکی اور محبت کی ایک روح پھونک دی۔ آپسمیں بھلائی کرنے کی ہدایت کی۔ اور اپنے احکام اور نصیحتوں سے انتقام کی خواہش اور بیوہ عورتوں اور یتیموں پر ظلم و ستم ہونیکو روک دیا۔ قومیں جو کہ اعتقاد میں مخالف تھیں فرماں برداری میں متفق ہوگئیں۔ خانگی جھگڑوں میں جو بہادری بیہودہ طور سے صرف ہوتی تھی نہایت مستعدی سے غیر ملک کے دشمن کے مقابلہ پر مائل ہوگئی "

اُسنے سرقہ اور رہزنی اور غارتگری کی قباحتوں اور نقصانوں سے

لوگوں کو آگاہ کیا اور اُسکے عوض حلال اور جائز ذریعوں سے روزی حاصل
کرنیکے فوائد انکو سمجھائے اور اسکا ایسا اثر ہوا اور ان جرائم کی بُرائی یہانتک
اُن کے دلوں میں بیٹھ گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ایک
روز بطور بشارت عام کے فرمایا "مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُسْتَیْقِنًا
بِہٖ قَلْبُہٗ دَخَلَ الْجَنَّۃَ" یعنی جس شخص نے دلی یقین کے ساتھ یہہ
کہا کہ خدا کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے وہ بہشت میں جا داخل ہوا
تو آپکے خادم ابوذر نے زنا اور سرقہ کو نہایت سخت اور ناقابل عفو گناہ
سمجھکر تعجب کے طور پر عرض کیا کہ "وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ یَا
رَسُوْلَ اللّٰہِ" یعنی خواہ زنا اور چوری کا بھی مرتکب ہوا ہو۔؟ تو آپنے
فرمایا "وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ" یعنی خواہ زنا اور چوری بھی کی ہو" اور
جب وہ تین دفعہ پوچھتا ہی چلا گیا تو آخر میں آپ نے فرمایا "وَاِنْ
زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ" یعنی اگرچہ زنا بھی کیا ہو اور
اور سرقہ کا بھی مرتکب ہوا ہو۔ دل سے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہنے والا
ضرور داخل بہشت ہوگا۔ خواہ ابوذر راضی ہو یا نہو" اِس حدیث کا مدعا
کا مدعا یہہ نہ سمجھنا چاہیے کہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" پر یقین کر لینے کے
بعد کسی نیک کام کے کرنے یا بُرے کاموں سے بچنے کی ضرورت
نہیں ہے۔ بلکہ یہہ مطلب ہے کہ شرک کے سوا کوئی گناہ خواہ وہ زنا یا سرقہ
ہی کیوں نہو ناقابل معافی نہیں ہے اور خدا کے فضل سے اُمید ہے
کہ ہر ایک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر دل سے یقین رکھنے والا ضرور نجات پائیگا

جیسا کہ خود خدا نے فرمایا ہے "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" یعنی بیشک خدا نہیں معاف کرتا (اس گناہ کو) کہ اُسکے ساتھ (کسی مخلوق کو) شریک کیا جاوے اور معاف کر دیتا ہے اُسکے سوا (تمام گناہوں کو) جسکے چاہتا ہے۔

اُسنے ایک ایسے زمانہ میں کہ مجوسیوں نے قوانین نکاح کو بالائے طاق رکھا ہوا تھا اور قرابت کے پاس و لحاظ کو خواہ وہ کیسی ہی قریب کیوں نہ ہو بالکل نظر انداز کر دیا تھا یہانتک کہ اُن کے نزدیک بیٹے کو اُسکی ماں ایسی ہی مباح تھی جیسے باپ کو اوسکی بیٹی یا بھائی کو اوسکی بہن اور یہودیوں میں ازدواج کی کوئی حد مقرر نہ تھی بلکہ انبیاے بنی اسرائیل خصوصاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی نظیر پر جو بقول مسٹر ہیگنس خدا کی دلی مرضی کے مطابق چلتے تھے اور جنکو خدا نے خاص اپنی شریعت کے احکام کی تعمیل کے لئے بنایا تھا" اور جو فی الحقیقت ایسے ہی تھے۔ یہہ رسم گویا ایک مسنون طریقہ تھا۔ اور جسکی ممانعت بقول صاحب موصوف "حضرت مسیح نے بھی اُن بیس انجیلوں میں سے جنکو اُنکے معتقدوں کے گروہ میں سے کسی نہ کسی نے اُن کے احکام کے قلمبند کرنیکے لئے لکھا تھا کسی ایک میں بھی نہیں فرمائی" اور اپنی خاموشی سے گویا ثابت کر دیا کہ آپکے نزدیک رسم مذکور بالکل جائز اور ناقابل ترمیم تھی اور ان رسوم کے باہم خلط ملط ہو جانیکا یہہ نتیجہ ہوا تھا کہ عرب جاہلیت بلا تعین حد جو رو میں رکھتے تھے اور اُن کی اخلاقی حالت یہانتک

بگڑ گئی تھی کہ میراث کے مال کی طرح باپ کی منکوحہ عورتوں پر تصرف کر لینے
کو اپنا حق سمجھتے اور اُنپر جبراً متصرف ہو جاتے تھے - اور تمام عورتیں بغیر
کسی امتیاز کے مردوں کی وحشیانہ خواہشوں کے پورا کرنیکا آلہ سمجھی جاتی
تھیں - بلکہ بعض قبائل یمن میں جو کسیقدر یہودی اور کسی قدر صابئی
یعنی ستارہ پرست تھے ایک عورت کے کئی کئی خصم ہوتے
تھے اور قدیم زمانہ کے ہندوؤں کی طرح یہہ رسم بھی بے تکلف جاری
تھی کہ جب عورت اپنی معمولی حالت کے بعد غسل سے فارغ ہوتی تو
کمبخت بے حیا شوہر اُسکو کہتا کہ فلاں شخص کو بُلا بھیج اور حمل کے آثار ظاہر
ہونے تک بڑی احتیاط کے ساتھ جورو سے کنارہ کش رہتا اور اس سے
یہہ غرض ہوتی کہ بچہ نجیب اور شریف شخص کے تخم سے ہو اور اسکو نکاح
استبضاع کہتے تھے اور اس سے بڑھکر یہہ رسم تھی کہ چند آدمی جو شمار
میں دس سے کم ہوتے اکٹھے ہو کر ایک عورت کے پاس جاتے
اور اُس سے ہم بستر ہوتے تھے - اور جب وہ بچہ جنتی تو اُن سب کو بلا
بھیجتی اور وہ سب کے سب بلا عذر حاضر ہوتے - اور وہ بچہ کو جس کے
سر تھوپ دیتی - اُسکو بلا عذر منظور کرنا اور اُسکی پرورش کا ذمہ دار ہونا پڑتا - اور
وہ بچہ ولد حلال سمجھا جاتا - اور ان سب پر طرّہ یہہ دستور تھا کہ جن
عورتوں کے گھروں کے آگے فاحشہ ہونے کی نشانی کے طور پر جھنڈے
گڑے رہتے تھے بہت سے آدمی اکٹھے ہو کر اُن میں سے کسی ایک
کے پاس جاتے اور نوبت بہ نوبت اُس سے ہمبستر ہوتے اور جب

وہ بچہ جنتی تو اُنکو اور کسی ایک قیافہ شناس شخص کو بلا بھیجتی اور وہ اُنمیں سے
اُسکو جسکا بچہ کہدیتا بغیر کسی طرح کی شرم وحیا اور حقارت و بے عزتی کے
خیال کے وہ اُسیکا فرزند کہلاتا۔ اور پیروان حضرت مسیح نے (اگر اُنکو آپکا
پیرو کہا جا سکے) ایک ایسا دستور اختیار کر رکھا تھا جو عقل و فطرت دونوں
کے برخلاف ہے یعنی رہبانیت و تجرد محض اور مرد و عورت دونوں
کو برابر یہی ہدایت تھی اور دونوں کے لئے اِسیکو نیکی سمجھا جاتا تھا۔ نہایت
خوبی اور کمال دانشمندی سے اصولِ اخلاق کو ملحوظ رکھکر ایک "ایسا عمدہ طریقہ
لوگوں کو سکھایا جو بلحاظ اپنی اصلیت کے نہایت کامل اور عقل کامل کے
بالکل مطابق اور انسان کی تندرستی و بہبودی اور حُسنِ معاشرت کی ترقی کا
نہایت عمدہ ذریعہ اور زن و مرد کی حالت زوجیت کے حق میں اور
دونوں کے لئے اُسکی تلخیوں کے دور کرنے میں نہایت ہی مفید ہے"
یعنی تجرد و رہبانیت کے برخلاف تاہل و تزوج کی تاکید رغبت دلائی
اور مزاوجت کے لئے نکاح کا ہونا ضروری قرار دیا۔ اور تمام اقوام ایشیا
علی الخصوص یہود یوں میں جو یہہ رسم جاری تھی کہ شوہر زوجہ کے عوض
میں اُسکے باپ کو ایک معین رقم ادا کرتا تھا اور جو ایک قسم کا خرید و فروخت
کا سا معاملہ تھا۔ اسکی ممانعت کی۔ اور نکاح کو ایک معاہدہ قرار دیا جو خود مرد
اور عورت کے اختیار و رضامندی سے وقوع میں آئے اور مہر کو صرف
زوجہ کا حق ٹھہرایا۔ اور اُن عورتوں کی تشریح کی جنکے ساتھ عقل و اخلاق
کی رو سے نکاح کر لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ اور چونکہ عورت نکاح کے

نتائج کے لئے محل ہے اسلئے اُسکو تو ایک سے نکاح کر لینے کے بعد
اور اُسکے فسخ ہونیکے قبل دوسرے سے نکاح کر لینے کی ممانعت کی تاکہ
صحتِ نسب اور قاعدۂ میراث میں جو باہم لازم و ملزوم ہیں اور جن پر
تمدن کے متعلق اکثر معاملات موقوف ہیں خرابی اور خلل واقع نہو۔ مگر
مرد کو جس کی حالت عورت کی حالت کے برخلاف ہے اور جس کے
ساتھ اور اقسام کے ایسے تمدنی امور متعلق ہیں جو عموماً عورات سے متعلق
نہیں ہیں خاص حالتوں میں مثلاً جبکہ عورت اپنے فطری فرائض
مزاوجیت کے ادا کرنے میں قاصر یا اوسکی اصل غرض (پیدائش اولاد)
کے ناقابل ہو ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ مگر ایک سے زیادہ چار
تک نکاح کر لینے کی اجازت دی۔ لیکن بے اعتدالی سے باز رکھنے کے
لئے جو ہمیشہ مدِ نظر اور بعض دفعہ خطرناک ہوتی ہے عدالت کی ایک ایسی شرط
لگا دی کہ جسکی کامل رعایت کے بغیر کوئی سچا دین دار اُس اجازت سے
فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ چنانچہ صحابۂ کرام بلکہ خود بانی اسلام صلیہ وآلہ الصلوٰۃ
والسلام کی سیرتِ مبارک پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس شرط
کا ایفا کس قدر مشکل اور اُسکی پابندی کسقدر ضروری ہے۔ اور جب ہم عرب
جاہلیت کی کثرت ازواج اور اُس طرز سلوک کا خیال کرتے ہیں۔ جو وہ اپنی
عورتوں کے ساتھ کرتے تھے۔ اور پھر اُس حالت پر غور کرتے ہیں کہ جو اسلام
کی بدولت اُنکی ہو گئی تو ہمارا دل ایک فخر آمیز تعجب سے بھر جاتا ہے
اور یقین ہوتا ہے کہ انسان کے دل پر اس قسم کا تصرف کہ جس نے اُنکی

حالت کو بالکلیہ منقلب کردیا بیشبہہ ربّانی تصرّف تھا چنانچہ منقول ہے
کہ حضرت علیؑ مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی یہہ کیفیت تھی کہ اپنی دو ۲ دو ازواج میں
سے ایک زوجہ کی نوبت کے دن دوسری زوجہ کے حجرہ میں وضو تک
نہیں کرتے تھے۔ اور مُعاذ بن جَبَل جو انصار میں سے
ایک صحابی ہیں اُن کی دو ۲ بیویوں نے جو مرض طاعون میں دفعتاً
قضا کی تو عدالت کے خیال سے اُنکو یہہ جرأت نہوئی کہ قرعہ ڈالنے
کے بغیر ایک کو پہلے اور ایک کو پیچھے دفن کریں۔ اور یہی طریقہ اور صحابۂ
کرام کا بھی تھا۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شرط
کی یہانتک رعایت فرماتے تھے کہ شدّت مرض میں بھی جس سے آخرکار
جان برنہو سکے ازواج مطہرات میں سے جس زوجہ کے گھر میں رہنے
کی باری ہوتی بعض صحابۂ کرام کے سہارے سے وہاں تشریف لیجاتے
تھے اور اسپر بھی جناب باری میں بکمال عجز و نیاز یہہ عرض کرتے رہتے
تھے کہ "اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِکُ وَلَا اَمْلِکُ"
یعنی خداوندا یہہ میری تقسیم ہے جسمیں میں اختیار رکھتا ہوں۔ پھر تو مجھکو
اُس امر میں ملامت نکر جو تیرے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں
نہیں +

اگر یہہ بیرحمانہ اور خلافِ فطرت طریقہ اختیار کیا جاتا کہ عورت کے کسی
مرض وغیرہ کی وجہ سے ناقابل معاشرت یا ناقابل اولاد ہونے کی

+ دیکھو تفسیر مجمع البیان۔ سورۂ نساء۔ تحت آیہ کریمہ وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا
مؤلف

حالت میں اُس سے قطع تعلق کے بغیر دوسری عورت جائز نہوتی یا
خاص حالتوں میں عورت کو استحقاقِ فسخ نکاح حاصل نہوتا تو مرد و عورت
دونوں کے حق میں نہایت قبیح اور مدبرین برائیوں کا باعث اور ایسے
نتائج کا منتج ہوتا جو تمدن و حسن معاشرت اور اخلاق تینوں کے لئے سم قاتل
ہیں۔ پس اِن تمام دقایق کو ملحوظ رکھکر فطری ضرورتوں کی حالت میں مرد کو
عدالت کی نہایت ضروری اور لازمی شرط کے ساتھ حسب موقع و ضرورت
ایک حد تک نکاح کر لینے اور عورت کو عدالت کے توسط سے اُسکے فسخ کرالینے
کی اجازت دینا نہایت ہی مناسب بلکہ ضروری تھا۔ جن لوگوں نے انسان
کی فطرت اور اُسکے مدنی الطبع ہونیکے لوازم اور ضروریات پر غور کیا ہے
وہ سمجھ سکتے ہیں کہ تمدن کے متعلق اور معاملات کی طرح ازدواج بھی ایک
ضروری اور فطری معاملہ ہے۔ اور یہ کہ اُسکے لئے کسی ایسے قانون کا ہونا
ضروری ہے جو فطرت کے مطابق اور تمدن و حسن معاشرت کے موافق ہو
اور اگر فطرت کے برخلاف یا ایسے نتائج کا منتج ہو جس سے تمدن و حسن معاشرت
کو ضرر یا نقصان پہنچے تو سمجھا جائیگا کہ اُسکا واضع فطرتِ انسانی سے
ناواقف تھا۔ اور وہ قانون اسکا مستحق نہوگا کہ تمام انسانوں کی حالت
کے (خواہ وہ گرم ملک کے رہنے والے ہوں یا سرد ملک کے) مناسب
سمجھا جائے۔ پس ہم فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ جو قانون اِس معاملہ
میں بانی اسلام علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو بتایا ہے
وہ فطرت انسانی کے بالکلیہ مطابق اور اپنی ٹھیک ٹھیک پابندی کیحالت

میں تمدن وحسن معاشرت کا موید اور کافۂ انام کی حالت کے یکساں
مناسب وموافق ہے۔ اور یہی دلیل اُسکے اُس حکیم علیم کی طرف سے
ہونے کی ہے جو زن ومرد کا خالق اور اُن کے مصالح اور ضروریات
زندگی کا جاننے والا ہے۔ یعنی اُس نے مرد کے لئے ایک ہی
عورت کی اجازت دی ہے جو فطرت کا مقتضا ہے۔ لیکن بعض
فطری ضرورتوں کی حالت میں ایک خاص اور لازمی شرط کے
ساتھ جس کی بجاآوری نہایت مشکل بلکہ قریب بہ محال ہے اس قانون
سے عدول کرنے کی بھی اجازت دی ہے جو درحقیقت عدول نہیں ہے
بلکہ قانون فطرت کے ایک دوسرے قاعدہ پر عمل کرنا ہے۔

بعض نامور عیسائی فاضلوں نے جو اس معاملہ میں اپنی رائیں لکھی
ہیں اُن کا اس موقع پر نقل کیا جانا خالی از فائدہ نہوگا۔

مسٹر ڈیون پورٹ صاحب مانٹسکیو کی رائے یوں نقل
کرتے ہیں کہ "گرم ملک میں عورتیں آٹھ نو یا دس برس کی عمر میں
نکاح کرنے کے لایق ہوجاتی ہیں۔ پس اُن ملکوں میں بچپن اور نکاح کے
لایق جوانی گویا ساتھ ہی ساتھ ہوتی ہے۔ بیس برس کی عمر میں وہ بڑھیا
ہوجاتی ہیں۔ پس اسلئے یہ ایک قدرتی بات ہے کہ اُن ملکوں میں
جبکہ کوئی قانون مانع نہو انسان ایک جورو کو طلاق دیکر دوسری جورو کرلے
اور تعدد ازدواج کا قاعدہ جاری کیا جاوے"

مسٹر ھیگنس صاحب لکھتے ہیں کہ "علم قوائے انسانی اور

علم طبعیات کے ماہرین نے بعض وجوہات ایسی دریافت کی ہیں
جو تعدّد ازواج کے واسطے بطور ایک عذر کے متصوّر ہو سکتی ہیں۔
اور گو ہم شمالی ملکوں کے سرد خون والے مینڈک کے سے مزاج کے
جانداروں سے متعلق نہیں ہو سکتے ہیں مگر بنی اسمٰعیل سے جو گرم ریگستان
کے رہنے والے ہیں متعلق ہو سکتے ہیں" علاوہ اس کے وہ
بیان کرتے ہیں کہ "دوسرڈ بلیو اوسلی صاحب کے مجموعہ
متضمن حالاتِ ایشیا صفحہ ۱۰۸ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ "ایشیا
کے گرم ملکوں کی تاثیر سے دونوں گروہ یعنی مرد و عورت میں ایک
ایسا اختلاف ہوتا ہے جو یورپ کی آب و ہوا میں نہیں ہے جہاں
دونوں برابر برابر اور بتدریج عالم ضعیفی کو پہنچتے ہیں۔ مگر ایشیا
میں صرف مرد ہی کو یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ ضعیفی میں بھی
قوی اور طاقتور رہتا ہے۔" اگر یہ بات سچ ہے تو بانی مذہب
اسلام کے لئے اس بات کی کہ اُنہوں نے متعدد جوروؤں کی
اجازت دی ایک بڑی وجہ تھی۔ اور یہ ایک کافی سبب اس بات
کا ہے کہ حضرت مسیح نے اس مضمون کی نسبت اپنی کوئی رائے
ظاہر نہیں کی۔ بلکہ اُس کو ملکوں کی گورنمنٹوں کے آئین پر چھوڑ دیا۔ کیونکہ
جو بات ایشیا کے واسطے مناسب ہوگی وہ یورپ کے واسطے نامناسب
ہوگی"

یہ رائیں جیسا کہ ظاہر ہے صرف امور طبعی کے لحاظ سے

دیگئی ہیں مگر قرآن مجید نے یہ اجازت صرف اِن امور ہی کے
لحاظ سے نہیں دی۔ بلکہ اُن فطرتی مقاصد و اغراض کے لحاظ سے
دی ہے جنکو ہم نے مشروحًا بیان کر دیا ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ
کی خاموشی سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ نے اِس معاملہ کو ملکوں کی
گورنمنٹوں کے آئیں پر اس خیال سے چھوڑ دیا کہ وجوبات ایشیا کیواسطے
مناسب ہوگی وہ یورپ کے واسطے نامناسب ہوگی بلا دلیل اور بعید
از قیاس ہے اور صحیح نتیجہ وہی ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔
یعنی آپ کے نزدیک رسم تعدد ازدواج کا ناقابل اعتراض و ناقابل ترمیم
ہونا۔ چنانچہ نہایت مشہور و معروف عالم جان ملٹن جو تعدد ازدواج کا
ایک مشہور حامی ہے بائبل میں سے بہت سی آیتیں نقل کرنیکے
بعد لکھتا ہے کہ "علاوہ اسکے خدا نے ایک تمثیلی صورت (صحیفہ
حزقیل) میں مسماۃ ان اھولا اور اھولیبا سے اپنا نکاح کرنا ظاہر کیا
ہے۔ اور یہ ایک ایسا طرز بیان ہے کہ اسکو خداوند تعالیٰ بالتخصیص
اس طوالت کے ساتھ ایک تمثیل میں بھی ہرگز اختیار نکرتا اور نہ درحقیقت
ایسی بات کا مرتکب ہوتا اگر وہ رسم جس کی دلالت اُس سے ہوتی ہے
فی نفسہ معیوب یا مذموم ہوتی۔ پس جس رسم کا امتناع انجیل میں بھی
کسیکو نہیں ہے وہ کیونکر معیوب یا مذموم خیال کیجا سکتی ہے۔
کیونکہ انجیل میں اُن ملکی آئینوں میں سے کوئی بھی منسوخ نہیں کیا گیا ہے
جو انجیل سے پیشتر جاری تھے" جان ملٹن یہ بھی کہتے ہیں

کہ "میں عبرانیوں کے خط کے تیرھویں باب کی چوتھی آیت سے
بہ از تعدد ازدواج پر اس طور سے استدلال کرتا ہوں کہ یہہ رسم یا تو نکاح جائز
ہے - یا مجبور ہے - یا زنا ہے - پس اُس مقدس رسول (پولوس)
نے کوئی چوتھی صورت تسلیم نہیں کی - پس میں یقین کرتا ہوں کہ
اُن بہت سے بزرگوں کی تعظیم و توقیر کے لحاظ سے جو کثیر الازواج تھے
ہر ایک شخص اُسکو مجبور یا زنا خیال کرنے سے باز رہیگا - کیونکہ خدا حرامکاروں
اور زانیوں کو سزا دیگا - حالانکہ اُن بزرگوں پر خدا کی خاص نظر تھی جیسا
کہ خود اُسنے فرمایا - پس اگر متعدد نکاحوں کا کرنا ٹھیک ٹھیک نکاح
ہو تو وہ جائز ہے - اسی حواری کا قول ہے کہ "سب میں نکاح کرنا بھلا
ہے اور بستر ناپاک نہیں" انتہی قولہ

مندرجہ ذیل رائیں بھی جو بعض غیر متعصب اور عالی حوصلہ عیسائی
مصنفوں نے اسلام کی تائید میں لکھی ہیں ملاحظہ طلب ہیں -

مسٹر طامس کارلائل مرحوم جو اس زمانہ کی دنیا میں ایک
نہایت مشہور شخص تھے اپنی کتاب ھیروز اینڈ ھیرو ورشپ
کے لکچر دوم میں لکھتے ہیں کہ "اسلام کے میل الی الشہوات کی نسبت
بہت کچھ تقریریں اور تحریریں ہوئی ہیں اور یہہ اعتراضات انصاف کی
حد سے بڑھکر ہیں - وہ اجازتیں جو ہم کو قبیح معلوم ہوتی ہیں اور
جنکی پروانگی نبی عربی نے دی وہ خاص اُنکی ایجاد نہ تھیں اُنہوں نے
ان باتوں کو عرب میں قدیم سے مروج اور غیر معیوب پایا - مگر اُنہوں نے

جو کچھ کیا وہ یہہ کیا کہ اُنکو روک دیا نہ صرف ایک ہی طرف سے بلکہ کئی پہلو سے"

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب (ایڈیٹر اے سلمہ اللہ تعالیٰ اگرچہ بالطبع عیسائیت کو اسلام پر ترجیح دیتے ہیں مگر تاہم جو کچھ اُنہوں نے اسلام کی تائید میں لکھا ہے وہ ہماری نہایت شکر گزاری کا مستحق ہے وہ لکھتے ہیں کہ "اسلام کی نسبت جو بات نہایت بار بار کہی جاتی ہے وہ یہہ ہے کہ اُسکے اس قدر کامیاب ہونے کی وجہ یہہ ہے کہ وہ ایک بڑی حد تک شہوات نفسانی کے پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر اس سے زیادہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ جس کے معنی گویا یہہ ہیں کہ ایک مذہب اپنی بد اخلاقیوں کی وجہ سے بھی دائمی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ میں یہہ نہیں کہتا کہ اسلام اپنی اخلاقی حالت میں کامل عیسائیت کے برابر ہے۔ کیونکہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عربوں کے لئے نئے خصائل وعادات تجویز نہیں کئے اور یہہ اُنکی دانائی تھی کیونکہ عربوں کے خصائل وعادات کو یکایک بدل دینا یا محو کر ڈالنا ممکن نہ تھا۔ سولن (ایک مشہور یونانی مقنن اور حکیم تھا) نے اپنے قوانین کی نسبت کہا ہے کہ "گو میرے قوانین ایسے نہیں ہیں جو بہترین کہے جا سکیں مگر البتہ وہ اتھینز کے لوگوں کی حالت کے لحاظ سے اُنکے لئے بہترین قوانین ہیں" اور اُسکا یہہ جواب عموماً صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔

موسیٰؑ نے عادات ورسوم ملکی مثل اختیارات سردار قوم

قتل عام۔ خونی دشمنیاں۔ تعدد ازدواج اور غلامی کو جیسا پایا ویسا ہی رکھا اور بجاے بالکل موقوف کرنیکے صرف اُن کی نہایت شدید بُرائیوں کی اصلاح کردی اور اسطرح پر بلا ارادہ کسی رسم کو تو پہلے سے زیادہ مستقل اور کسی کو ایسا کردیا جو آخر کار مٹ جاے۔

اِسی طرح مذہب عیسوی نے اپنے زمانہ کے کل قومی یا پولیٹیکل رسوم و دستورات کو ملیامیٹ نہیں کیا۔ مسیح نے صرف اسپر قناعت کی کہ اپنے پیروؤں کے دلوں میں نیک اصولوں کا بیج بودے تاکہ جب وقت آئے وہ قبیح رسوم و دستورات خود بخود مٹ جائیں۔ اُس نے یہہ ارادہ کرکے کہ میں بیج بوؤں اور لوگ اُسکا پھل کھائیں۔ اور میں محنت کروں اور لوگ اُس سے فائدہ اُٹھائیں۔ زمیں میں رائی کا بیج ڈالدیا جو کسی دن ایسا عظیم الشان درخت ہوجاے جس کی شاخیں دنیا پر چھا جائیں اور پتے قوموں کے لئے برکت ہوں۔ ایک نہایت عالیشان ضبط اور نفس کشی کے ساتھ یہہ خیال کرکے کہ میرا مذہب آیندہ زمانہ میں نہایت ترقی پائیگا مسیح نے اُس وقت خاص کا خیال چھوڑدیا اور سلطنت روم کی سخت بُرائیوں مثل فتوحات ممالک غیر ظلم ایمفی تھی ایٹر* اور غلامی کو جو اُسکی روح پر صدمہ پہنچاتی ہونگی بُرا بھلا نہ کہا۔ بلکہ ایسے

* یہہ تماشاخانے بیضوی شکل کے ہوتے تھے اور اسواسطے ایمفی تھی ایٹر یعنی بیضوی تماشاخانے کہلاتے تھے اُنکا عظم و شان اس سے سمجھ لینا چاہیے کہ ستائیس ہزار آدمی ان میں بیٹھ سکتے تھے۔ یہہ رومیوں کی سلطنت جمہوری کے اخیر زمانہ کی ایجاد تھے۔ سب سے پہلا تماشا دو سو ۲۰۰ برس قبل مسیح علیہ السلام کے

الفاظ کہے جن کے معنی غلطی سے یہ لگائے گئے کہ ہر حالت میں دوسروں
کی اطاعت واجب ہے۔ اور یہ کہ لوگوں کو قوانین ملک سے اطاعت
کے سوا اور کچھ سروکار نہونا چاہیئے۔ محمد بانی مذہب ہونے کے علاوہ
ایک مقنن اور مدبر بھی تھے۔ پس کیا وجہ ہے کہ جو عذرات ہم سولن
کے لئے جائز قرار دیتے ہیں اور جو تعریف کہ ہم شریعت موسوی
کے محدود احکام کی کرتے ہیں اسلام کے لئے اُن سے انکار
کیا جاوے۔ ذاتوں کی تفریق کے بعد تعدد ازواج فی الواقع سب
سے زیادہ خرابی پیدا کرنے والی رسم ہے جو ایک ایسی
قوم میں جاری رہ سکتی ہے جو اپنی ترقی کے ابتدائی درجوں کو طے
کر چکی ہو۔ اس سے محبت شہوات نفسانی کی ذلیل صفت میں منتقل ہو جاتی
ہے اور اس طرح سے مرد و عورت میں تمام روحانی تعلق منقطع ہو جاتا
ہے۔ یہ سوسائٹی کی بنیاد کو خراب کر دیتی ہے۔ کیونکہ خاندان ہی تمام

شہر روم کبیر مین ہوا تھا۔ ان میں بڑی بیرحمی کے ساتھ وحشی اور درندے جانور باہم لڑائے
جاتے تھے اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچگئی تھی کہ انعام حاصل کرنے کی غرض
سے لوگ باہم ہتھیاروں سے لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ یہ
لوگ گلیڈی ایٹر کہلاتے تھے اور اُنکے ساتھ وہ تمام خونخوار درندے بھی شامل کئے
جاتے تھے جو تماشے کی رونق بڑھانیکے لئے افریقہ اور ایشیا کے جنگلوں سے
پکڑ آتے تھے۔ سب تماشوں سے پیچھے گلیڈی ایٹروں کی لڑائی شروع
ہوتی تھی جو لڑائی سے پہلے سب کے سب ہم آواز ہو کر قیصر کو یوں سلام

پولیٹکل اور سوشیل نیکیوں کی اصل ہے۔ اگر محمدؐ اس بدرسم پر چھاڑو
پھیر دیتے تو وہ اُس بار احسان کو جو اُنکی طرف سے تمام ایشیائی دنیا
پر ہے دوگنے سے بھی زیادہ کر دیتے۔ لیکن میں نہیں خیال کر سکتا کہ
اگر بالفرض اُنکو اوسکی پوری پوری برائیاں معلوم بھی ہو جاتیں تب بھی
وہ ایسا کر سکتے۔ تعدد ازدواج ایک ایسی رسم ہے جو ایسے ایسے عمیق
اسباب سے پیدا ہوتی ہے کہ کوئی مصلح قوم خواہ کیسا ہی بڑا کیوں
نہو اُسکو اپنی زبان کے الفاظ یا قلم کی حرکت سے دور نہیں کر سکتا
بت پرستی کے دور کرنے میں جیسا کہ مینے پچھلے لکچر میں کہا ہے محمد
خاص عربستان میں ایک تاریخی نظیر وحدانیت الٰہی کے اعتقاد کی رکھتے
تھے اور ایک موجودہ مذہبی خیال بھی اُنکی تائید کے لیے موجود تھا
جسکی امداد سے فائدہ اُٹھانے میں اُنھوں نے کوتاہی نہیں کی۔ لیکن
رسم تعدد ازدواج کے منع کرنے میں اس قسم کی کوئی بیرونی امداد

کرتے تھے "مرحبا قیصر رومنے والے تجکو سلام کرتے ہیں" اور جب کوئی اپنے حریف کو
زخمی کر تا تماشائیوں کی طرف دیکھا کرتا "اسکے کاری زخم لگا" اور اُسکے مار ڈالنے یا چھوڑ دینے
کی اجازت چاہتا۔ چنانچہ تماشائی اپنا انگھٹا اوپر کو اُٹھاتے تو چھوڑ دینے کا اور نیچے کو کرتے تو
مار ڈالنے کا اشارہ سمجھا جاتا تھا۔ اور جبکہ مغلوب اگر اپنی گردن ضرب اخیر کے لیے پیش کرنے
میں تامل کرتا تو لعن وطعن سے نعرہ بلند ہوتا اور کوک پکار کر کہتے "لوہا حاصل کرو" یعنی لوہے کے
ہتیار کے سامنے جاؤ۔ اور تماشا دیکھنے سے لیکر ایک ادنی شخص تک کو بھی یہ خیال نہ آتا تھا
کہ یہ ہم کیا حرکت کرتے ہیں۔

مؤلف عفی عنہ

وہ نہیں پا سکتے تھے۔ کیونکہ عرب کے عالی خیال لوگوں میں بھی مطلق
کوئی خیال ایک عورت سے شادی کرنے کی تائید میں نہ تھا اور خود
عورتیں اپنی اس حالت پر ایسی ہی قانع تھیں جیسے کہ خداوند۔ پس مثل ایک
ٹھیٹ عرب کے محمدؐ نے تعدد ازواج کی رسم کو بطور ملک کی ایک
موجودہ رسم کے قائم رکھا مگر مصلح اور مقنن ہونے کی حیثیت سے بہت سے
قاعدے اُسکی برائیوں کے گھٹانیکے لئے بنا دیئے۔ لیکن اس بنا پر
یہ کہنا کہ اسلام رسم تعدد ازواج کا جواب دہ ہے اُسیقدر خلاف انصاف
ہے جسقدر یہ کہنا کہ مذہب عیسوی غلامی کا جواب دہ ہے۔ انجیل میں
بیشک کوئی صریح ممانعت غلامی کی نہیں ہے بلکہ اسکے برخلاف
اسمیں غلامی کو بطور ایک موجودہ رسم کے قبول کیا گیا ہے۔ اور رسولوں
نے مالکوں کے ساتھ نوکروں کے فرائض (جنکو اُنہنے غلاموں کے
سخت نام سے مخاطب کیا ہے) ایسی ہی صراحت سے بیان کیا ہے
جیسا کہ مالکوں کے فرائض کو اُن کے ساتھ۔ مگر اس بنا پر کوئی عیسائی یہ
قبول نہیں کریگا کہ اُسکے مذہب نے غلامی کو جائز رکھا ہے یا اُس کے
لئے ذمہ دار ہے۔ کیونکہ اُسکو یہہ ثابت کرنا کچھ مشکل نہو گا کہ جس درجہ کی
انسانیت کی تعلیم انجیل میں ہر مقام پر دیگئی ہے وہ غلامی کو ایک عرصہ دراز
تک قائم رکھنے کے ساتھ مطابقت نہیں کھاتی اور بداۃ اول تو فرداً فرداً
عیسائیوں اور پھر عیسائی قوموں کی حالت کی اُسے اس امر کے لئے
کافی ہے کہ غلامی کی موقوفی کو جیسا کہ آخر کار اُسنے اب کیا ہے حاصل کرے

پس غلامی عیسائیت کے صرف ساتھ ساتھ چلی آئی ہے۔ مگر اوسمیں
مل نہیں گئی جیسے دریاے آذو کا گدلا پانی دریاے رھون کے
صاف و شفاف پانی سے دونوں دریاؤں کے باہم ملجانے کے
بعد بھی دور تک ممیز چلا جاتا ہے۔ شاید یہہ بات تعجب انگیز معلوم ہوتی
ہے کہ عیسائیت اور غلامی ایک روز کے لئے بھی کس طرح اکھٹی رہیں
لیکن ہم کو تو حقایق سے بحث ہے اور یہہ امر محقق ہے کہ غلامی
بیشک عیسائیت کے ساتھ ساتھ رہی ہے بلکہ اُسنے عیسائیت
کی رو سے جائز ہونیکا دعویٰ اس اُنیسویں صدی تک بھی کیا ہے۔

بحیثیت ایک اخلاقی اور قانونی مجموعہ کے اسلام کا مقابلہ بہ نسبت
عیسائیت کے جیسا کہ میں نے اسوقت کیا ہے یہودیت کے ساتھ
کیا جانا زیادہ تر قرین انصاف ہے کیونکہ تہذیب و شائستگی۔ خصائل و
عادات اور قومیت کے لحاظ سے محمدؐ کے زمانہ کے عرب بہ نسبت
اُن قوموں کے جن پر عیسائیت اپنا اصل قبضہ کرنے والی تھی بنی اسرائیل
سے زیادہ تر مشابہ تھے۔ چنانچہ شریعت موسوی نے تعدد ازواج کو
روکنا تو کیا اُسپر کوئی حد بھی نہیں لگائی۔ ائمہ دین اور جج اور بادشاہ تمام
اِس رسم کے پابند تھے اور جو لوگ اُن میں زیادہ عالی رتبہ اور زیادہ تر
روحانی خیالات رکھتے تھے وہ بھی اس رسم کے باب میں اُن لوگوں
سے کچھ کم نہ تھے۔ وہ شخص جسکا خدا کا سا دل تھا (حضرت داؤد کیطرف
اشارہ ہے) اور وہ بادشاہ جسکی دانائی اور شان و شکوہ کے گیت

ابتک بہت سے مشرقی ملکوں میں گاے جاتے ہیں (یعنی حضرت
سلیمانؑ) اس رسم کے ایسے پیرو تھے کہ اُن سے وہ مسلمان سردار
بھی جنھوں نے قرآن کے قوانین کو توڑ ڈالا اور اپنی وحشیانہ خواہشیں
پوری کرنے اور شان و شکوہ ظاہر کرنے کی ہوس میں روایات کے معنوں
میں یہانتک تاویلیں اور کھینچ تان کی کہ وہ اپنی حد سے باہر ہوگئیں۔ بمشکل
سبقت لیجا سکتے ہیں۔ محمدؐ مشرقی سوسایٹی کی کُل رسموں کو نہیں
بدل سکتے تھے۔ البتہ جو کچھ اُن سے ہوسکا وہ اُنہوں نے کیا۔ کم سے
کم اُنہوں نے اتنا تو ضرور کیا کہ اس غیر محدود رسم کو محدود بنا دیا۔ اور نیز طلاق
کے باب میں جو سخت بے پروائی تھی اسکی بھی اصلاح کی" (انتہی قولہ)

ایزک پیٹر صاحب نے افریقہ میں مذہب اسلام کی نسبت
بحث کرتے ہوے قصبہ دولورھمپٹن کی چرچ گانگریس کے
روبرو اپنی راے حسب ذیل بیان کی کہ "دو بڑی عملی مشکلیں افریقہ
کو اعتقاد پر لانیکے لئے ہیں یعنی تعدد ازواج اور خانگی غلامی محمدؐ نے
اِنکی ممانعت نہیں کی جیسا کہ موسیٰؑ نے بھی نہیں کی تھی۔ یہہ ناممکن ہوتا
لیکن اُسنے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) اُنکی بُرائیوں کو ہلکا کر دینے
کی کوشش کی۔ غلامی مذہب اسلام کا کوئی جز نہیں ہے۔ وہ بطور
ایک اضطراری بُرائی کے محمدؐ نے جائز رکھی تھی جیسا کہ موسیٰؑ
اور سینٹ پال نے کیا تھا۔ تعدد ازواج ایک بڑا دقیق مسئلہ ہے
موسیٰؑ نے اُسکو نہیں روکا اور داؤدؑ جس کا خدا کا سال تھا اُسکو عمل

میں لایا - اور انجیل میں صاف طور سے ممنوع نہیں ہے اگرچہ
اُسکے اصلی منشا کے برخلاف ہے - محمدؐ نے تعدد ازواج کی
بیحد اجازت کو محدود کردیا - صرف ایک عورت سے شادی کرنا شاذونادر
نہیں ہے - بلکہ سب سے زیادہ تہذیب یافتہ مسلمان ملکونمیں
یہہ ایک عام قاعدہ ہے - ہمکو یہہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ رسم تعدد
ازواج مع اپنی تمام برائیوں کے اُسکے ہموزن فوائد بھی رکھتی ہے -
اُسنے دختر کشی کی رسم کو بالکل موقوف کردیا ہے - اور ہر ایک عورت
کا ایک قانونی ولی اُسی کے سبب سے ہوتا ہے - تعدد ازواج کے
سبب مسلمانونکے ملک پیشہ ور عورتوں سے جو کہ مذہب سے خارج کردیگئی
ہیں بالکل بری ہیں - اور یہہ تمام عیسائی ملکوں کی زیادہ تر رسوائی کا باعث
ہیں بہ نسبت تعدد ازواج کے جو کہ اسلام کے لئے ہے - اور ٹھیک
طور سے باقاعدہ بنائی ہوئی رسم تعدد ازواج مسلمانوں کے ملکوں کی
عورتوں کو بہت کم ذلیل کرنے والی اور مردوں کے لئے بہت کم
نقصان پہنچانے والی ہے بہ نسبت اُس ناجائز رسم تعدد شوہروں
کے جو عیسائیوں کے تمام شہروں کا وبال ہے اور جو اسلام میں
بالکل نہیں پائی جاتی - ہم کو خبردار ہونا چاہئے کہ شاید ایک برائی کو بیوقت
دور کرنے میں ہم اسکی جگہہ ایک اُس سے زیادہ بڑی برائی کو قائم
کردیں - انگریز جنکو ایک عورت کے لئے کئی خصم ہونے پسندیدہ
معلوم ہوتے ہیں مسلمانوں پر جو کہ جوروؤں کے تعدد کو پسند

کرتے ہیں طعن کرنے کے مجاز نہیں ہیں یعنی ہکو قبل اسکے کہ کسیکی آنکھ کے تنکے کا خیال کریں اپنی آنکھ کا شہتیر نکالنا چاہیے" (ماخوذ از اخبار سینٹ جیمس گزٹ لندن مطبوعہ ۸۔ اکتوبر ۱۸۸۷ء)

اب ہم طلاق کی نسبت بحث کرینگے اور دکھاینگے کہ تمام دنیا کے مذاہب میں صرف مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسنے اس مسئلہ میں سب سے زیادہ حسن معاشرت کی اصلاح اور حفاظت پر نظر رکھی ہے

عیسےٰ علیہ السلام کے ظہور سے کچھ پہلے فقہاے یہود میں دو مذہب ہو گئے تھے۔ شمّائی اور اوسکے مقلدوں کی یہہ راے تھی کہ صرف بدچلنی یا علانیہ بدکاری پر طلاق دیجاے۔ مگر ھلّل اور اُسکے پیروؤں کا یہہ اجتہاد تھا کہ ادنیٰ خطا پر بھی عورت کو طلاق دیدینی چاہیے۔ ربی عقبہ بھی اسی راے کا موئد تھا۔ انجیل مقدس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے ظہور کے زمانہ میں یہودی زیادہ تر اس پچھلی ہی راے پر عمل کرتے تھے + اور طلاق دینا بغیر کسی قید اور شرط اور حالت کے مرد کے اختیار میں تھا کہ وہ جب چاہے طلاق نامہ لکھکر جورو کے حوالے کردے۔ اور ایسا کرنیسے وہ کسی گناہ کا گنہگار نہیں سمجھا جاتا تھا۔ عیسےٰ علیہ السلام نے اُنکی اس رندی و بے قیدی کے روکنے کے لئے جو حد سے زیادہ بڑھگئی تھی اُن سے فرمایا "زنا کے سوا کسی سبب سے اطلاق دینا زنا کروانا ہے اور جو کوئی مطلقہ عورت سے نکاح

+ دیکھو انجیل متی باب ۱۹ آیت ۹ عفی عنہ

کرتا ہے وہ بھی زنا کرتا ہے" لیکن اسکے ساتھ یہ بھی فرمایا "وہ دونوں (مرد و عورت) ایک تن ہیں۔ پس جسے خدا نے ملایا ہے اُسے انسان جدا نہ کرے" جس سے صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ آپکا اصل منشا اس معاملہ میں کیا تھا۔ چنانچہ مشہور و معروف مورخ گبن لکھتا ہے کہ آپ نے اس معاملہ میں جو کلمات فرمائے ہیں وہ ایسے مبہم و متشابہ ہیں کہ مقنن اپنی عقل کے موافق جیسی کچھ چاہے اُن میں تاویل کر سکتا ہے۔ سلیڈن اپنے رسالہ مسمی بہ ازدواج میں لکھتا ہے* کہ "حضرت مسیح نے یہ گول گول جواب اسلئے دیا تھا کہ علماے یہود کے دونوں فرقوں کے لوگوں کو جنکا نام شماعی اور ھلل تھا تاکہ نہو کہ ہمارے احکام کے برخلاف اس شخص نے یہ حکم کیوں دیا۔" بہرحال اُس جواب سے جو آپ کے علماے یہود کو دیا تھا آپکا منشا خواہ کچھ ہی ہو مگر اتنی بات صریح ثابت ہے کہ نفس طلاق کی ضرورت آپ کے نزدیک بھی ایک مسلّم امر تھا۔

انجیل کے جس لفظ کا ترجمہ زنا کیا گیا ہے وہ ایک عام لفظ ہے اور سب قسم کی بُرائیوں پر حاوی ہے۔ اور اُسکا ٹھیک ترجمہ افعال ذمیمہ ہو سکتا ہے۔ اور اس سے معقولیت کے ساتھ یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح علماے یہود میں سے شماعی اور اُسکے مقلدوں کی راے کو صحیح سمجھتے تھے۔ اور ھلل اور اُسکے پیروؤں کا اجتہاد

* دیکھو کتاب تنقید الکلام کا حاشیہ دویم متعلقہ باب چہارم۔ مؤلف

آپ کے نزدیک نادرست اور کتاب اقدس کے مدعا کے برخلاف
تھا۔ چنانچہ ہماری اس رائے کی تائید فاضل محقق جان ملٹن کی راہ سے
ہوتی ہے۔ وہ اپنی کتاب مسائل مذہب عیسوی میں لکھتے ہیں کہ "نکاح
کی جو تعریف کی گئی ہے اُسکی رو سے نکاح نہایت مرتبہ کا ایک اتحاد ہے
مگر ناقابل انفکاک یا ناقابل تفریق نہیں ہے۔ بعض لوگ اُسکے ناقابل
تفریق ہونیکے نسبت متی کی انجیل باب ۱۹ ورس ۵ سے استدلال
کرتے ہیں جسمیں لکھا ہے کہ" وہ دونوں ایک تن ہو جائینگے" اگر
ان الفاظ پر مناسب طور سے غور کیا جاے تو اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ
نکاح قطعًا قابل تفریق نہیں بلکہ اُن سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے
کہ خفیف خفیف باتوں پر نکاح کو منقطع کرنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ جو کچھ نکاح
کے ناقابل انفکاک ہونے کی نسبت کہا گیا ہے وہ خاص عقد نکاح
اور اُسکے تمام مقاصد و لوازمات کی پوری پوری تعمیل ہونے پر منحصر ہے
خواہ وہ الفاظ بطور ایک حکم کے یا بطور ایک قدرتی نتیجہ کے خیال کئے
جائیں۔ اور اسی وجہ سے متی کی انجیل میں اُن لفظوں کے ساتھ یہ لفظ
بیان کئے گئے ہیں" مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑ یگا اور اپنی جورو سے
ملیگا * * * اور وہ دونوں ایک تن ہونگے" یعنی بشرطیکہ نکاح
کی اصلی نوعیت کے مطابق (جسکا بیان کتاب پیدایش باب ۲ ورس ۱۹
لغایت ۲۰ میں ہے) عورت خاوند کیواسطے ایک مددگار ہو یا یہ کہ
جانبین کے باہم خیر خواہی و محبت اور آرام و وفاداری میں کچھ فرق نہ آئے

کیونکہ عرف عام کے بموجب یہی اصلی وضع نکاح کی ہے۔ لیکن اگر اصل
منشا نکاح کا منقطع ہوجاوے تو اس سے لازم آتا ہے کہ نکاح بھی منقطع ہوگیا۔
دوسری آیت میں جو بیان ہوا ہے اور جسپر بڑا زور دیا گیا ہے
یعنی "جو کچھ خدا نے ملایا ہے اُسے آدمی جدا نہ کرے" لحاظ کے
قابل ہے۔ مگر نکاح کے عقد ہی سے یہہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خدا
نے کس چیز کو ملایا ہے؟ خدا نے صرف اُس چیز کو ملایا ہے جو ملاپ
کے قابل ہے اور جو مناسب ہے۔ بہتر ہے اور محترم ہے۔ اُسنے
انسان کی قدرتی طبیعت کے خلاف اور نامناسب حالت کے ملاپ کا
حکم نہیں دیا جسمیں بیعزتی اور تکلیف اور عداوت و مصیبت بھری ہوئی ہو۔
خدا تعالیٰ کچھ اس قسم کے ملاپ نہیں کرتا ہے جو درحقیقت ملاپ نہ ہوں۔
بلکہ جبر یا ناعاقبت اندیشی یا غلطی یا بدسلیقگی کے اثر سے ہوئے ہوں۔
پس ایسی ناگوار خانہ داری کی بُرائی سے اپنے تئیں نجات دینا کس وجہ سے
ناجائز ہے؟ علاوہ اسکے ہمارا مسئلہ ان شخصوں کو جُدا نہیں کرتا جنکو خدا تعالیٰ
نے اپنے مقدس آئین کے بموجب ملایا ہے۔ بلکہ صرف اُن شخصوں کو علیحدہ
کرتا ہے جنکو خود خدا نے اپنے ایسے ہی مقدس آئین کی رو سے جُدا کر دیا
ہے۔ اور یہہ ایک ایسا حکم ہے جسکا اثر ہمپر اب ایسا ہونا چاہئے جیسا کہ
سابق میں اوسکی امت پر ہوتا تھا۔ مذہب عیسوی کے کمال کو جسکی ترقی
بعض لوگ نکاح کے ناقابل انفکاک ہونے کی ایک دلیل بیان کرتے
ہیں اوسکی نسبت ہم کہتے ہیں کہ اُس ترقی کو جبر اور قوانین تعزیری کے ذریعہ

سے ہم میں زبردستی اُسکا رواج نہیں دینا چاہیئے۔ بلکہ اگر ہو تو اُسکو ترغیب
اور عیسائی پند و نصایح کے ذریعہ سے جاری کرنا چاہیئے۔ کسی شخص کی نسبت
صرف اُس حالت میں یہہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اُسنے اُس نکاح کو قطع کیا
جو شرعاً منعقد ہوا تھا جبکہ وہ احکام الٰہی میں اُس بات کو زیادہ کرکے جو
خاص اس حکم میں شامل نہو مذہب کے حیلہ سے اُس شخص سے جدا ہوجائے
جو اُسکے منشا کے موافق ہو کیونکہ یہہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ
نے اپنے منصفانہ اور پاک و مقدس قانون میں صرف مختلف وجہوں پر
طلاق کی اجازت ہی نہیں دی ہے بلکہ بعض صورتوں میں اُسکو جائز
قرار دیا ہے اور بعض صورتوں میں اوسکی ہدایت کی ہے۔ اور بحالت خلاف
ورزی سخت سزائیں قرار دی ہیں (دیکھو کتاب خروج باب ۲۱ ورس ۴ و ۱۰
و ۱۱ - اور کتاب استثنا باب ۲۱ ورس ۱۴ - اور باب ۲۴ ورس ۶ - اور کتاب عزرا
باب ۱۰ ورس ۲ - اور کتاب نحمیا باب ۲۳ ورس ۲۰)

توریت کتاب استثنا باب ۲۴ ورس ۱ میں لکھا ہے کہ وہ جبکہ
کوئی شخص ایک بیوی کرلے اور اس سے نکاح ہوجاوے اور ایسا اتفاق
ہو کہ وہ اُسکو پسند نہو کیونکہ اوسمیں کچھ ناپاکی ہے تو اُسکو چاہیئے کہ ایک
طلاقنامہ لکھکر اُسکے ہاتھ میں دیدے اور اوسکو اپنے گھر سے نکال دے
پس اگر فرض کیا جاوے کہ جو سبب طلاق بتایا گیا ہے وہ سچا ہے اور
مصنوعی نہیں۔ تو اس مقام میں خداوند تعالیٰ نے ایک بیوی ابتدا ہی
میں اس غرض سے دی کہ وہ اوسکی مدد اور تسلی و خوشی کا باعث ہو جیسا کہ

خود آئین نکاح سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو اگر بعد کو جیسا کہ اکثر اتفاق ہوتا ہے
وہ بیوی بے حد رسوائی اور تباہی و اذیت اور مصیبت کی باعث ہو تو ہم کو
کیونکر یہ خیال کرنا چاہیئے کہ خدا ہم سے ایسی عورت کے طلاق دینے
سے ناخوش ہوگا۔ میں دلکی سختی کو اُس شخص سے منسوب کرتا ہوں جو
اُس عورت کو اپنے پاس رہنے دے۔ نہ اُس شخص سے جو اُسکو ایسی
صورتوں میں گھر سے نکال دے۔ اور صرف میں ہی نہیں بلکہ خود حضرت
سلیمانؑ یا شاید خود خدا کی روح نے حضرت سلیمانؑ کے مونہہ سے
یہی بات کہی ہے۔ چنانچہ توریت کتاب امثال سلیمانؑ باب ۳۰ درس
۲۱ و ۲۳ میں لکھا ہے کہ "دو تین چیزوں سے دنیا کو بیچینی حاصل ہوتی ہے
بلکہ چار چیزیں ہیں جنکو وہ برداشت نہیں کر سکتی ہے * * *
اور ایک مکروہ عورت سے جبکہ نکاح ہو جاوے"۔ اسکے برخلاف
کتاب واعظ باب ۹ درس ۹ میں بیان ہوا ہے کہ "تو اُس عورت
کے ساتھ ہنسی خوشی سے بسر کر جسکو اُسنے (خدا نے) تجھے دیا ہے
اور جسکو تو اپنی فانی زندگی کے تمام زمانہ میں پیار کرتا ہے"۔ پس جو عورت
اُسنے تجھکو دی ہے وہ عورت ہے جسکو تو پیار کرتا ہے نہ کہ وہ جس سے
تو نفرت کرتا ہے اور کتاب ملاخی باب ۲ درس ۱۶ میں بیان ہوا ہے کہ "جو شخص
نفرت کرتا ہے (یا اسوجہ سے کہ وہ نفرت کرتی ہے) اُسکو چاہیئے کہ اُسکو چھوڑ دے"
چنانچہ یونیوس سے پہلے سب نے اِس فقرہ کا ایسا ہی ترجمہ کیا ہے† پس معلوم ہوتا ہے کہ

† صحیفہ ملاخی باب ۲ کی آیتوں کے ترجمے اس طرح پر ہوئے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اِس حکم کو حضرت موسیٰؑ کی معرفت اِس غرض سے صادر
نہیں فرمایا اور نہ اس نبی کی معرفت اُسپر اُسکو اِس غرض سے وحی ہوا کہ شوہر
کو اپنی سنگدلی کے برتاؤ کا موقع ملے۔ بلکہ اِس غرض سے صادر کیا ہے
کہ جہاں ضرورت ہو اِس بدنصیب عورت کو اسکے اثر سے بچائے۔ کیونکہ
اِسمیں کوئی سنگدلی نہیں ہے کہ اِس عورت کو عزت سے اور بلا تکلف
رخصت کردے جسکا خود ہی یہ قصور ہے کہ وہ محبوب نہیں ہوئی۔ ایسی
عورت جو نہ صرف یہی ہے کہ محبوب نہیں ہوئی بلکہ وہ معلق چھوڑ دی گئی
ہو اور اُس سے نفرت اور عداوت کیجاتی ہو۔ غرضکہ جس عورت کا یہہ حال
ہو اُسکو ایک نہایت تکلیف دہ قانون کا اتباع کرکے اسکے شوہر کے نہایت
بھاری غلامی کے جوے میں رکھنا (کیونکہ نکاح بے محبت ایسا ہی ہوتا
ہے) جسکو نہ تو اُسکے ساتھ الفت ہو اور نہ دوستی۔ یہی درحقیقت ایسی
سختی ہے جسمیں ہر ایک قسم کی طلاق سے زیادہ بیرحمی ہے۔ اسی
وجہ سے خداوند تعالیٰ نے طلاق کی اجازت دیدی جسکا اگر مناسب طور
سے عمل درآمد کیا جاے تو وہ نہایت منصفانہ اور حیمانہ ہے۔ بلکہ اُسنے
اُسکے فائدوں کو اُن شخصوں تک بھی وسعت دی ہے جنکی نسبت وہ

ترجمہ عربی ۱۸۱۱ء میں ہے "واما اذا تشابك لا تترك لكن ان ابغضها فسرحها"
اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۷۱ء میں ہے "وزوجة غلامتك لا تترزلها اذا ابغضت
فاطلق" اور ایسا ہی رومن کاتھلک بیبل میں ہے۔ اور انگریزی ترجمہ پراٹسٹنٹ کے
حاشیہ پر بھی یہی عبارت ہے جس سے مقنن نے استدلال کیا ہے۔ خطبات احمدیہ ۱۲

یہہ جانتا تھا کہ یہہ اپنی سنگدلی کی وجہ سے اسکا بیجا عملدرآمد کرینگے اور
اُسنے بدکار آدمیوں کی سنگدلی گوارا کرنا اس سے بہتر تصور فرمایا کہ نیک آدمیوں
کی تکلیف رفع کرنے سے باز رہے۔ یا جس رسم کا ایک ربّانی برکت سے
ایک بدترین مصائب ہوجانیکا اندیشہ تھا خود اُسیکو درہم وبرہم کردے
خود حضرت عیسٰےؑ نے نویں آیت میں زنا کی وجہ سے طلاق
کی اجازت دی ہے۔ اور یہہ بات نہوتی اگر خدا تعالیٰ کو یہہ بات منظور
ہوتی کہ جن شخصوں کو خدا نے ایک مرتبہ عقد نکاح میں باندہ دیا ہے
وہ ہرگز آیندہ جدا نہوں۔ مگر مشرقی زبانوں کے محاورہ کے موجب
اُس لفظ سے جسکا ترجمہ زنا کیا گیا ہے۔ صرف زنا ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ
یا تو اُس سے وہ چیز مراد ہے جسکو "ناپاک چیز" کہا گیا ہے یا کسی ایسے
امر کا نقصان مراد ہے جس امر کا ایک بیوی کی ذات میں ہونا واجبًا
ضروری ہے جو کتاب استثنا کے چوبیسویں باب کی پہلی آیت میں
مذکور ہے۔ جیسا کہ سلیڈن نے سب سے پہلے یوگزارھیریا میں
ایسے محاورہ کو بہت سے علماے یہود کی شہادت سے ثابت کیا
ہے۔ اور یا اِس سے وہ شے مراد ہے جو محبّت۔ وفاداری۔ باہمی
امانت یا معاشرت یعنی اصلی آئین نکاح کے مقصد کے خلاف ہو کہ
ہرگز اُس سے موافقت نہو سکے جیسا کہ سلیڈن نے ثابت کیا ہے
اور مینے بھی ایک دوسرے رسالہ میں ثابت کیا ہے۔ کیونکہ جسوقت
فریسیوں نے یہہ سوال کیا تھا۔ کہ "آیا ایک بیوی کو ہر ایک وجہ سے

طلاق دینا جایز ہے یا نہیں" تو یہ جواب دینا لغو ہوتا کہ سوائے زنا کے
اور کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات تو بخوبی مشہور و معروف
تھی کہ زنا کی حالت میں وہ جائز ہی نہیں تھی۔ بلکہ ایک زانیہ کو نکال دینا ضروری
تھا۔ اور وہ بھی طلاق کے ذریعہ سے نہیں بلکہ قتل کر دینے سے۔ پس اس مقام
پر اُس لفظ سے بہ نسبت محض زنا کے زیادہ تر وسیع معنی سمجھنے چاہئیں
جیسا کہ کتاب اقدس کے اکثر مقامات سے خصوصاً قاضیوں کی کتاب
باب ۱۹۔ آیت ۲ سے ظاہر ہے جہاں لکھا ہے کہ "اوسکی بیوی زنا کر کے
چلی گئی" یہاں زنا کے عرفی معنی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایسی حالت میں اُسکو
جرأت نہوتی کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی جاوے۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ اپنے
شوہر سے متمردانہ (نشوز) برتاؤ کر کے چلی گئی۔ اور نہ ایسی صورت میں
(یعنی جبکہ بجز زنا کے طلاق جائز نہ تھی) پولوس مقدس کسی کافر مرد یا عورت کے
جدا ہو جانے کے سبب سے طلاق کی اجازت دیتے* اگر یہ بھی ایک قسم کا زنا
نہوتا۔ اس بحث سے یہ امر کچھ متعلق نہیں ہے کہ یہ مسئلہ کافر مرد یا عورت
کے متعلق ہے کیونکہ جو شخص خاندان کو ترک کر دے وہ کافر سے بدتر ہے۔
(پولوس کا پہلا خط تموتی کے نام باب ۵ آیت ۸) اور نہ نکاح کے اصلی
منشار کے حق میں کوئی بات اس سے زیادہ تر ضروری اور پسندیدہ ہو سکتی
ہے کہ جو عقد محبت اور تمام عمر کی باہمی اعانت کی توقع اور نیک ارادوں
سے کیا گیا ہو وہ کینہ اور سنگین عداوت اور طرفین کی جانب سے ناپسندیدہ برتاؤ

* پولوس مقدس کے خط موسومہ قرنتیان کے ساتویں باب کی پندرھویں آیت پر اشارہ ہے

کے سبب سے قطع کر دیا جاوے۔ پس خدا تعالیٰ نے انسان کے لئے جبکہ
وہ بہشت میں معصومیت کی حالت میں تھا دنیا میں گناہ کے آنے سے
پہلے یہ حکم دیا کہ نکاح ناقابل انفکاک ہونا چاہیئے۔ گناہ کے بعد حالات کے
تغیر کے موافق اور نیز اس نظر سے کہ معصوم آدمی بدکار آدمیوں کے ہاتھ
سے ہمیشہ کے ضرر سے محفوظ رہیں اُسنے نکاح کے انفکاک کی اجازت
دی اور یہ اجازت قانون قدرت اور موسوی شریعت کا ایک جزو ہے
اور حضرت مسیح نے بھی اسکی ممانعت نہیں کی۔ پس ہر ایک معاہدہ سے
جبکہ ابتدا عمل میں آوے اُسکا دوامی اور ناقابل انفکاک ہونا مقصود ہوتا ہے
گو وہ کسی فریق کی بدعہدی کے سبب سے کیسی ہی جلدی کیوں نہ ٹوٹ جاوے
اور نہ ابتک کوئی معقول وجہ اسبات کی بیان کی گئی ہے کہ نکاح کی نوعیت
اس باب میں اور تمام معاہدوں سے مختلف ہونی چاہیئے۔ خصوصاً اُس
حالت میں جبکہ پولوس مقدس نے یہہ بات بیان کی ہے کہ "وہ کوئی بھائی
یا بہن ایسی باتوں میں مقید نہیں ہے" یہہ نہ صرف چھوڑ دینے کی نسبت
بلکہ ایسی تمام صورتوں میں جو ایک نالایق قید پیدا کرنے میں ہوتی ہے
جیسا کہ قرنتیوں کے پہلے خط میں لکھا ہے (باب ساتواں آیت
پندرہویں) کہ "وہ کوئی بھائی یا بہن ایسی باتوں میں مقید نہیں کہ خدا نے
ملاپ کے لئے بلایا ہے" پس خدا تعالیٰ نے ہمکو اس غرض سے نہیں
بلایا کہ ہم دائمی نزاع اور تردد کے باعث سے پریشان خاطر رہیں کیونکہ
ہمارے بلانے کا مقصد امن اور آزادی ہے نہ کہ نکاح۔ چہ جائیکہ دائمی

نزاع اور ایک ناخوش ازدواج کی غلامانہ قید۔ جسکو رسول نے تمام چیزوں سے زیادہ ایک آزاد آدمی اور عیسائی کے ناقابل بتایا ہے۔ یہہ خیال کرنا چاہیے کہ حضرت مسیح نے موسوی شریعت سے کوئی ایسا حکم خارج کر دیا جس سے مظلوم اور مصیبت زدہ شخصوں پر رحم کرنیکا موقع ملتا تھا اور نہ اس موقع پر آپکو یہہ منظور تھا کہ آپکا یہہ قول حکم عدالت سمجھا جاے۔ یا اس معاملہ کی نسبت کوئی نیا اور سخت حکم دیا جاے۔ بلکہ قانون کے بیجا عمل درآمدوں کے بیان کرنیکے بعد اُنہوں نے حسب معمول ایک زیادہ تر کامل دستور معاشرت کا بتایا۔ اور اس موقع پر مثل اور تمام موقعوں کے منصب قضا کا دعوی نہیں کیا۔ اور امر حق کو محض نصیحت کے طور پر بیان فرمایا نہ کہ جبریہ احکام سے پس انجیل کی نصیحتوں کو ملکی آئیں قرار دینا اور احکام تعزیری کے ذریعہ سے اُسکو نافذ کرنا ایک سخت غلطی ہے۔ انتہی قولہ

لیکن اس روشنی کے برخلاف جو جان ملٹن نے اپنی محققانہ راے سے بیبل کی آیتوں پر ڈالی ہے۔ اور جو صریحًا قرآن مجید کی روشنی سے اخذ کی گئی ہے۔ کیونکہ اسلام نے بارہ سو برس پیشتر بتا دیا تھا کہ طلاق نہ بطور معجون مفرح کے استعمال کرنیکو ہے بلکہ صرف ایک مرض لاعلاج کا علاج ہے) عیسائیوں کے تمام قدیم وجدید فرقہ مذکورہ بالا آیات انجیل کا مدعا یہہ سمجھے ہیں کہ طلاق صرف زنا کی حالت میں ہو سکتی ہے یا کسی حالت میں بھی نہیں ہو سکتی۔ گو اسکے بطلان کے لئے صرف یہی امر کافی ہے کہ عیسائی ملکوں میں صدہا قوانین طلاق ہر زمانہ میں جاری ہوئے ہیں

لیکن اگر یہ سمجھ صحیح ہو اور آیات کا مدعا وہی ہو جو وہ سمجھے ہیں تو ظاہر ایہ
ایک ایسا سخت حکم ہو جسکی برداشت انسانوں سے تقریباً ناممکن ہے
جیسا کہ حواریوں نے حضرت مسیح سے کہا کہ "اگر جورو سے مرد کا یہ طور
ہے تو جورو کرنا خوب نہیں" اور حسن معاشرت کے لئے نہایت ہی
مضر اور زن و مرد دونوں کے لئے بہت سی حیرانیوں اور خوفناک حالتوں
میں پڑنے کا موجب ہے اور جو رخنے وہ امور زن و شوہر میں واقع ہو جاتے
ہیں جس سے تمام حسن معاشرت اور اغراض تزوج برباد ہو جاتے ہیں اُسکا
کچھ بھی تدارک اسمیں نہیں ہے۔ اور شریعت موسوی میں اگر افراط کا عیب ہے
تو اسمیں تفریط کا نقصان ہے۔ اور دونوں کی دونوں اس افراط و تفریط کی
وجہ سے مخالف فطرت ہونیکے اعتراض سے نہیں بچ سکتیں مگر الحمد اللہ
کہ شریعت محمدیہ ایسی نہیں ہے۔ اور تمام دنیا کی شریعتوں میں صرف
یہی ایک شریعت ہے جو اس پیچ مسئلہ میں بھی صراط مستقیم اور اپنے
معمول کے موافق افراط تفریط کے عیب و نقصان سے بچی ہوئی ہے
اس شریعت نے جس خوبی اور اعتدال سے اس مسئلہ کو قرار دیا ہے اور
جس عمدگی اور معقولیت سے فطرت انسانی کے مطابق تمدن اور حسن معاشرت
کی حفاظت کو ملحوظ رکھا ہے وہ اس امر کا یقین دلانیکو کافی ہے کہ وہ بلاشبہ
اُسی کی طرف سے ہے جسنے فطرت انسانی کو بنایا ہے۔ اس شریعت
مقدسہ نے طلاق کے ناگوار و ناپسندیدہ فعل کو صرف اُس حالتمیں مباح
قرار دیا ہے جبکہ زن و شوہر میں نااتفاقی اور رنجش کا مرض ایسے درجہ کو پہنچ جائے

جولاعلاج ہو۔ یا یوں کہو کہ طلاق و تفریق کے سوا اُسکا کوئی علاج نہو۔ اور چونکہ اسکا اندازہ صرف زن و شوہر ہی کر سکتے ہیں کہ وہ مرض اس حد کو پہنچگیا ہے یا نہیں۔ اسلئے اِس شریعت نے اِسکی تعیین و تشخیص اُنہین کی راے اور طبیعت اور اخلاق پر چھوڑ دی ہے۔ اور اُس جھگڑے کے تصفیہ کے لئے نہ کوئی جوری تجویز کی ہے اور نہ کوئی جج بلکہ صرف اُنہیں کی کانشنس کو جوری اور جج قرار دیا ہے۔ اور ایک نہایت معقول اور حکیمانہ قانون کے منضبط کر دینے سے اُن ضرورتوں کا کامل تدارک فرما دیا ہے جو زن و مرد میں اُسوقت تک ضرور پیش آئین گی جب تک کہ انسان لباس انسانیت سے ملبوس رہیگا۔ مگر با اینہمہ اُسنے طلاق کو نہایت قبیح اور مکروہ فعل بتایا ہے۔ جیسا کہ احادیث مندرجہ ذیل سے جو صحیح طور پر ہم تک پہنچی ہیں ظاہر ہوتا ہے۔ اُس نے فرمایا۔

"تَزَوَّجُوا وَلَا تُطَلِّقُوا فَاِنَّ الطَّلَاقَ تَهْتَزُّ مِنْهُ الْعَرْشُ"

(تفسیر مجمع البیان) یعنی نکاح کرو اور ہرگز طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے عرش الٰہی کانپ اُٹھتا ہے۔ اور فرمایا کہ "مَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ" (مشکوۃ) یعنی نہیں پیدا کی خدا نے کوئی چیز زمین کے پردہ پر جو اُسکو غلام آزاد کرنیسے زیادہ پیاری ہو۔ اور نہیں پیدا کی اللہ نے کوئی شے روے زمین پر جو اُسکو طلاق سے زیادہ ناپسند ہو۔ اور پھر ایک دفعہ یوں فرمایا "اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ

الطَّلَاقُ" (مشکوٰۃ) یعنی مباح چیزوں میں خدا کو سب سے زیادہ ناپسند چیز طلاق ہے۔ اور ایکبار فرمایا "مَا خَلَقَ اللّٰہُ شَیْئًا عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ (مشکوٰۃ) یعنی نہیں پیدا کی خدا نے کوئی شے زمین کے پردہ پر جو اُسکو طلاق سے زیادہ نفرت دلانے والی ہو۔ اور چونکہ شریعتِ اسلامیہ نے شریعت موسوی کے برخلاف (جسمیں اختیار طلاق صرف مرد تک محدود تھا اور عورت محض بے بس تھی) کمال انصاف سے عورت کو بھی ضروری اور لاعلاج حالتوں میں طلب طلاق کا استحقاق عطا کیا ہے۔ اس لئے اُنکی ہدایت کیواسطے فرمایا "اَیُّمَا امْرَاَۃٍ سَاَلَتْ زَوْجَھَا طَلَاقًا فِیْ غَیْرِ مَا بَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَیْھَا رَائِحَۃُ الْجَنَّۃِ" (مشکوٰۃ) یعنی جو عورت اپنے خاوند سے بلا ضرورت شدید اور بغیر حالت سختی کے طلاق چاہے اُسپر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ یعنی جنت میں نہ جائے گی۔ اور چونکہ نفاق سخت گناہ اور ایمان کے برخلاف ہے پس ایسی عورتوں کو جو اپنے خصموں سے کھچی رہیں اور خُلع کے ذریعہ سے علیحدگی کی خواہشمند ہوں تہدیداً منافقہ بتایا چنانچہ فرمایا کہ "المنتزعات والمختلعات ھُنَّ الْمُنَافِقَاتُ" (مشکوٰۃ) یعنی خصموں سے کھچی رہنے والیاں اور خلع چاہنے والیاں ہی منافقہ ہیں۔ اور ایکدفعہ جو آپنے ایک عورت کا نکاح ایک شخص سے کردیا اور پھر اُسنے اپنے خاوند کی بعض ناپسند باتوں کی آپکے پاس شکایت کی تو اوسکی تنبیہ کے لئے فرمایا کہ "لَعَلَّکِ تُرِیْدِیْنَ

اَنْ تَخْتَلِعَنِیْ فَتَکُوْنِیْ عِنْدَ اللّٰہِ اَنْتَنَ مِنْ جِیْفَۃِ حِمَارٍ" یعنی شاید تو یہہ چاہتی ہے کہ خلع کرالے (پس تجکو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسا کرنے سے) خدا کے نزدیک تو گدھے کے مردار سے بھی زیادہ بدبو والی ہوجائیگی (مکارم الاخلاق طبرسی)

اور ایکدفعہ جو آنحضرت کو یہہ خبر دیگئی کہ ایک شخص نے اپنی جورو کو خلاف حکم قرآنی ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دیدی ہیں تو آپ غیظ میں آکر کھڑے ہوگئے اور فرمایا اَیُلْعَبُ بِکِتَابِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَنَا بَیْنَ اَظْھُرِکُمْ حَتّٰی قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا اَقْتُلُہٗ" (مشکوٰۃ) یعنی۔ کیا خدا سے بزرگ کی کتاب (قرآن مجید) کو کھلونا بنایا ہے ایسی حالت میں بھی کہ میں تم میں موجود ہوں۔ جسکو سنکر ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ اے خدا کے رسول کیا میں اسکو قتل نہ کرڈالوں۔ یعنی وہ آپکے ناراض ہونے سے یہہ سمجھا کہ اُس شخص نے قتل کئے جانیکے لایق کام کیا ہے۔ پس شارع اسلام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کونسا شارع ہے جس نے اِس معاملہ میں اپنے پیروؤں کی روحانی تربیت اور اُن کے حسن اخلاق اور دلی نیکی کے ترقی دینے کے لئے ایسے اعلیٰ درجہ کے مواعظ ونصایح فرمائے ہوں۔ اور جسکے نزدیک طلاق کا مفہوم ذہنی اور اُس کا عمل دونوں اسقدر قبیح وناپسندیدہ ہوں اور جس نے تمدن اور حسن معاشرت کی حفاظت کے لئے افراط وتفریط سے بچکر ٹھیک ٹھیک

عقل و فطرت کے مطابق اس مسئلہ کو قرار دیا ہو۔

اُسنے اُس ظلم و زیادتی کے روکنے کے لئے جو عرب جاہلیت بار بار طلاق دینے اور پھر زوجیت میں لے لینے سے اپنی عورتوں پر کرتے تھے فرمایا کہ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ" (سورۂ بقرہ) یعنی وہ طلاق کہ جس میں عورت کو پھر زوجیت میں لے لینا جائز ہے دو بار تک ہے۔ اسکے بعد یا صلح و صفائی کے ساتھ معروف طور پر جورو کو ٹھہرا لینا ہے یا عزت و حرمت سے رخصت کر دینا۔ اُسنے مہر میں سے کچھ چھوڑا لینے یا واپس لے لینے کی سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ "لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" (سورۂ ایضاً) یعنی حلال نہیں ہے تمکو کہ لے لو اُسمیں سے جو کچھ تمنے اپنی عورتوں کو دیا ہے کچھ بھی۔ مگر جبکہ دونوں کو خوف ہو کہ نہیں قایم رکھ سکیں گے خدا کی حدوں کو۔ پس اگر تمکو اندیشہ ہو۔ کہ دونوں نہیں قایم رکھینگے خدا کی حدوں کو۔ تو اسمیں دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ عورت اپنے مرد کو کچھ دیکر اپنے تئیں چھوڑا لے۔ یہہ ہیں حدیں جو خدا نے باندھی ہیں۔ اِن سے تجاوز مت کرو۔ اور جو لوگ خدا کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں پس وہی لوگ ہیں جو ظالم ہیں۔ اور فرمایا کہ "وَاِنْ اَرَدْتُّمُ

اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا
مِنْهُ شَيْـًٔا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ
وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝
(سورۂ نساء) یعنی اگر تم چاہو بدل لینا ایک جورو کا ایک جورو
کی جگہہ (یعنی ایک کو طلاق دیکر دوسری سے نکاح کرنا) اور
تمنے اُن میں سے ایک کو بہت سا مال دیا ہو تو مت لو اُسمیں سے
کچھ بھی۔ کیا تم اُسکو لیتے ہو بہتان لگاکر اور علانیہ گناہ کرکے؟ اور کیونکر
تم اُسکو لوگے۔ حالانکہ بیشک تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدعا
کو پہنچ چکا ہے۔ اور عورتوں نے تم سے مضبوط عہد لے لیا ہے
اور تاکہ ایام عدت کے اندر اور اُسکے بعد بھی۔ مرد رسم جاہلیت کے
موافق مطلقہ عورتوں کو تکلیف نہ دیسکیں۔ بتاکید فرمایا۔ کہ اِذَا طَلَّقْتُمُ
النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ
بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (سورۂ بقرہ) یعنی
جبکہ تم عورتوں کو طلاق دیچکو اور وہ اپنی میعاد پوری کرچکیں تو ٹھہرالو اُنکو
معروف طور پر محبت و رغبت کے ساتھ یا رخصت کردو اچھے طور پر۔
اور مت روکو اُنکو تکلیف دینے کے لئے تاکہ اُنپر زیادتی کرو۔ اور جو

کوئی ایسا کرتا ہے وہ بیشک اپنے پر آپ ظلم کرتا ہے۔ اور مت ٹھہراؤ
خدا کے احکام کو ہنسی ٹھٹھا۔ اور دھیان میں لاؤ خدا کے فضل کو جو تم پر ہوا
اور اسکو بھی جو اُتاری خدا نے تم پر کتاب (قرآن مجید) اور شریعت تمہاری
نصیحت کے لئے۔ اور ڈرتے رہو خدا سے اور جان لو کہ بیشک خدا
ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور طلاق کے بعد جو عورتوں کو نہایت
بیرحمانہ طور پر نکاح کر لینے سے روکے رکھتے تھے اُسکی بھی ممانعت
فرمائی چنانچہ فرمایا "اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (سورہ بقرہ) یعنی جب
تمنے عورتوں کو طلاق دیدی اور انھوں نے اپنی میعاد پوری کر دی
تو اُن کو اپنے خاوندوں سے نکاح کر لینے سے مت روکو جبکہ وہ
پسندیدہ اور مروج طور پر باہم راضی ہو جائیں۔ یہہ نصیحت اسکو کیجاتی ہے
جو تم میں سے خدا پر اور اخیر دن پر ایمان لاتا ہے۔ یہہ بات تمہارے
لئے زیادہ اچھی اور زیادہ پاکیزہ ہے اور خدا جانتا ہے (اسکے فائدہ کو)
اور تم نہیں جانتے۔ اور اس امید سے کہ شاید زمانۂ مقاربت میں محبت
والفت کی ایسی تحریک ہو کہ جس سے خیال طلاق دل سے جاتا رہے
حکم دیا کہ ایسی حالت میں طلاق نہ دیجاے جبکہ معمولاً عورت کو مرد سے
کنارہ کش رہنا پڑتا ہے۔ اور نہ دفعتاً تین طلاقیں دیجائیں بلکہ سوچ سوچ کر

اور سمجھ کر مناسب مناسب فاصلہ سے (جو ہر ایک میں تقریباً
پچیس روز کا فاصلہ ہوجاتا ہے) طلاق دیجاے۔ اور اس عرصہ میں
عورت و مرد ایک ہی گھر میں رہیں چنانچہ فرمایا وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ
فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ
مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ
حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ
اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا (سورہ طلاق) یعنی جب تم عورتونکو طلاق دینا
چاہو تو اُنکی عدت کے وقت یعنی طہر کی حالت میں طلاق دو اور عدت
کے دن گنتے رہو اور ڈرتے رہو خدا سے جو تمہارا مالک ہے۔ اور نہ نکالو
عورتونکو اُنکے گھرون سے اور وہ بھی نہ نکلیں مگر اُس حالتمیں کہ صریح بیحیائی
کی مرتکب ہوں۔ یہ حدیں ہیں جو خدا نے باندھی ہیں اور جو شخص خدا کی
حدوں سے تجاوز کرتا ہے تو بیشک اپنا بُرا آپ کرتا ہے۔ تو اے طلاق
دینے والے نہیں جانتا شاید خدا اسکے (یعنی پہلی یا دوسری طلاق) بعد کوئی
بات پیدا کردے (جو مصالحت و محبت کی باعث ہو) خلاصہ یہ کہ اُس نے
اجازت دی کہ پہلی طلاق کے بعد اگر باہم صلح ہوجاے اور رنجش مٹ جاے
اور محبت تازہ ہوجاے تو بدستور جورو خصم رہیں۔ اسی طرح دوسری
طلاق کے بعد بھی۔ اور اگر پھر بھی صلح و صفائی نہو تو بنا چاری تیسری
طلاق دیجاے تاکہ پوری تفریق ہوجاے اور روزمرہ کی دانتا کلکل
لعن و طعن اور جوتی پیزار سے طرفین کو نجات ملے۔ چنانچہ مَا شَذَّ وَسَیَدُلُّ

جس سے زیادہ بقول ہمارے محترم دوست مولوی سید امیر علی صاحب۔ ایم اے۔ سی۔ آئی۔ ای کسی مورخ یورپ نے قوانین اسلام کی تحقیق نہیں کی ہے اپنی تاریخ عرب میں لکھتا ہے کہ "طلاق کی اجازت دیگئی مگر ایسی قیود لگادی گئیں جنسے اُس طلاق کا فسخ ہونا جائز ہوگیا جو جلدی میں بے سمجھے بوجھے دیدیا گیا ہو۔ طلاق کی تکمیل اور لایق تنسیخ نہ ہونا اس پر موقوف تھا کہ ایک ایک مہینے کے فاصلہ سے تین مرتبہ صیغہ طلاق پڑھا جاے یا اعلان طلاق کیا جائے"

اور چونکہ مخاطبین اول قرآن ایک ایسی قوم تھی جسکی مثل حمیت وغیرت میں دنیا کے پردہ پر شاید ہی کوئی دوسری قوم ہو۔ اُسنے طلاق بائین یعنی تیسری طلاق کے حتی الامکان وقوع میں نہ آنیکے* لئے ایک ایسی سخت شرط لگادی جس سے فائدہ اُٹھانا کسی غیرت دار شخص کی طبیعت کے نہایت ہی برخلاف ہے۔ یعنی فرمایا "فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ" (سورہ بقرہ) یعنی۔ پھر اگر عورت کو طلاق دیدی (یعنی تیسری طلاق) تو اُسکے بعد اُسکو حلال نہیں ہے۔ جبتک کہ نکاح کرے اُسکے سوا دوسرے شوہر سے پھر اگر وہ (یعنی شوہر ثانی) اُسکو طلاق دیدے تو دونوں (یعنی پہلے میاں بیوی) پر کچھ گناہ نہیں ہے پھر کر نکاح کر لینے میں

* دیکھو سیل صاحب کی راے مندرجہ دیباچہ ترجمہ قرآن مجید۔ مؤلف

اگر جانیں کہ دونوں قائم رکھیں گے حدیں اللہ کی۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں
جو بیان کرتا ہے اُن کو اُس قوم کے لئے جو جانتے ہیں اُس بغیرتی
اور بے حمیتی کو جو ایسا کرنے میں اُنپر عائد ہوگی) اور اس غرض سے
کہ بسا دا کوئی بے غیرت اور بیحیا مرد یا عورت اِس بے غیرتی و بیعزتی کی
پروا نکرے پھر باہم ملجانیکے لئے کسی ایک شخص کو عارضی طور پر شوہر
بنائیں فرمایا لَعَنَ اللّٰہُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ" (مشکوٰۃ) یعنی خدا لعنت
کرتا ہے حلال کر دینے والے پر اور اُسپر جسکے لئے حلال کی جاوے۔
مگر تعجب ہے کہ میور صاحب نے نا سمجھی یا تعصب سے اس شرط کی اُلٹی
تعبیر کی ہے۔ اور طعن کیا ہے کہ ایسی شرط کیوں مقرر کر دی۔ اور چونکہ
عرب جاہلیت میں طلاق کا ایک یہہ طریقہ بھی تھا کہ شوہر کے خفا ہو کر جورو
کو یہہ کہدینے سے کہ "تیری پیٹھ پر مجھپر اُس شخص کی ماں کی پیٹھ کی مانند حرام ہے"
طلاق بائن ہو جاتی تھی۔ اسکی روک اور اصلاح کے لئے حکم دیا کہ اس
صورت میں اگر مرد عورت کو پھر زوجیت میں لینا چاہے تو لے لے۔ مگر اسکے
کفارہ میں ایک غلام آزاد کرے۔ اور اگر یہہ ممکن نہو تو متواتر ساٹھ روزے
رکھے اور اسکی بھی طاقت نہو تو ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلاوے۔ پس
کیسے نادان یا نامنصف ہیں وہ لوگ جو یہہ سمجھتے یا کہتے ہیں کہ اسلام
نے عموماً طلاق کی اجازت دینے سے تمدن اور حسن معاشرت کے حق
میں ایک بہت بڑا نقصان روا رکھا ہے۔ اسلام نے جو کچھ کیا ہے
وہ یہہ کیا ہے کہ حتی الامکان طلاق اور اوسکی قباحتوں کو روکا یا مٹایا ہے

نہ یہہ کہ اُسکو ابتداءً جاری کیا ہے۔ یا اُسکی از سرِ نو اجازت دی ہے اور
اُسکو مستحکم کیا ہے۔ جیسا کہ سر ولیم میور نے بیان کیا ہے۔ اور اگر
اُسکے نالایق پیروؤں نے اُسکے عمدہ احکام کو قابلِ نفرت طریقہ پر استعمال
کیا ہے (جسکو میں قبول کرتا ہوں) تو اوسکی نفرین کے مستحق وہی ہیں نہ اسلام
اُسنے اس وحشیانہ رسم کی کہ بیٹا باپ کے مرنیکے بعد میراث کے مال
کی طرح اوسکی عورتوں پر جبراً قابض ہوجاتا اور اُسنے نکاح کرلیتا تھا سخت ممانعت
کی اور اُسکو نہایت قبیح اور بیحیائی کا فعل بتایا چنانچہ فرمایا "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا" یعنی اے مسلمانوں
تمکو جائز نہیں ہے کہ ورثہ میں باپ کی عورتونکو زبردستی جورو بنانے
کولو۔ اور فرمایا "وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ
سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا" یعنی مت
نکاح کرو اُن عورتوں سے جنسے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو۔
مگر جو ہوا سو گزر گیا۔ بیشک وہ بیحیائی ہے اور ایک ناپسندیدہ اور بُری
راہ۔ چنانچہ اسکا اعتراف سر ولیم میور صاحب کو بھی ہے وہ لکھتے
ہیں کہ "آپ نے عورتوں کو ایک سخت اور ناگوار قباحت سے
چھوڑایا جو یہہ تھی کہ بیٹا باپ کی جورو ونکا وارث ہوا کرتا تھا"
اُسنے مردونکو اپنی عورتوں کے ساتھ محبت رکھنے اور مہربانی اور نیکوئی
سے پیش آنے اور عزت کرنے اور اُنکی طبیعت کی سختی اور بدمزاجی کو تحمل
سے برداشت کرنے کی ہدایت فرمائی چنانچہ فرمایا "مَنِ احْتَمَلَ عَنِ امْرَاَتِهٖ

وَلَوْ كَلِمَةً وَاحِدَةً اَعْتَقَ اللّٰهُ رَقَبَتَهٗ مِنَ النَّارِ وَاَوْجَبَ لَهُ الْجَنَّةَ
وَكَتَبَ لَهٗ مِائَةَ اَلْفِ حَسَنَةٍ وَمَحَا عَنْهُ مِائَةَ اَلْفِ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهٗ مِا
ئَةَ اَلْفِ دَرَجَةٍ وَكَتَبَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهٗ بِكُلِّ شَعْرَةٍ عَلٰى بَدَنِهٖ عِبَادَةَ
سَنَةٍ" (مکارم الاخلاق طبرسی) یعنی جو شخص اپنی جورو کی ایک ناگوار
بات کی بھی برداشت کرتا ہے خدا آزاد کر دیتا ہے اُسکو جہنم سے
اور واجب کر دیتا ہے اُسکے لئے جنت اور لکھدیتا ہے اُسکے لئے
دو لاکھ نیکیاں اور مٹا دیتا ہے اوسکی دو لاکھ برائیاں اور بلند کر دیتا ہے
اُسکے دو لاکھ درجے اور لکھدیتا ہے اُسکے لئے اُسکے بدن کے
بالوں کی شمار کے موافق ثواب ایک ایک برس کی عبادت کا۔
اور ایک دفعہ یوں فرمایا "اَلَا وَمَنْ صَبَرَ عَلٰى خُلُقِ امْرَءَةٍ سَيِّئَةِ
الْخُلُقِ وَاحْتَسَبَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ اَعْطَاهُ اللّٰهُ ثَوَابَ الشَّاكِرِيْنَ"
یعنی آگاہ ہو۔ کہ جو شخص صبر کرتا ہے بدخصلت عورت کی بُری خصلت پر
اور گنتا ہے اُسکو خدا کے نزدیک ثواب کا کام۔ عطا کرتا ہے اُسکو خدا
ثواب شکر کرنیوالوں کا۔ اور عورتوں کو فرمایا کہ اپنے مردوں کی اطاعت کریں
اُن سے محبت رکھیں۔ اونکی وفادار ہوں۔ اور اُن سے خوش خلقی سے
پیش آئیں۔ اور بدزبانی نہ کریں۔ چنانچہ فرمایا "اَيُّمَا امْرَءَةٍ آذَتْ زَوْجَهَا بِلِسَانِهَا
لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهَا صَرْفًا وَلَا عَدْلًا وَلَا حَسَنَةً مِنْ عَمَلِهَا حَتّٰى تُرْضِيَهُ وَ
اِنْ صَامَتْ نَهَارَهَا وَقَامَتْ لَيْلَهَا وَاَعْتَقَتِ الرِّقَابَ وَحَمَلَتْ عَلٰى
جِيَادِ الْخَيْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَكَانَتْ اَوَّلُ مَنْ تَرِدُ النَّارَ كَذٰلِكَ الرَّجُلُ

اِذَا کَانَ لَھَا ظَالِمًا" یعنی جو عورت بد زبانی سے اپنے خاوند کو
ستاے خدا قبول نہیں کرتا اوسکی کوئی بھی عبادت خواہ وہ فرض ہو یا مستحب
اور نہ کوئی نیکی اُسکے عملوں میں سے جب تک کہ وہ اُسکو راضی نہ کرلے
اگرچہ دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت میں گزارتی اور لونڈی غلاموں کو
آزاد کرتی اور خدا کی راہ میں جہاد کرنیکے لئے لوگوں کو عمدہ گھوڑوں پر سوار
کرکے بھیجتی ہو۔ پھر بھی جہنم میں اول جانے والوں میں سے ہوگی۔ ایسا
ہی مرد بھی جبکہ جورو پر ظلم کرتا ہو۔ یعنی اُسکے حقوق واجب طور پر ادا نکرتا ہو۔
اور ایک دفعہ ایک بہت بڑے مجمع عام میں لوگوں کو مخاطب کرکے
فرمایا تھا "اَیُّھَا النَّاسُ فَاِنَّ لَکُمْ عَلٰی نِسَائِکُمْ حَقًّا وَلَھُنَّ عَلَیْکُمْ حَقًّا لَکُمْ
عَلَیْھِنَّ اَنْ لَّا یُوْطِئْنَ فُرُشَکُمْ اَحَدًا تَکْرَھُوْنَہٗ وَعَلَیْھِنَّ اَنْ لَّا یَاْتِیْنَ
بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذِنَ لَکُمْ اَنْ تَھْجُرُوْھُنَّ
فِی الْمَضَاجِعِ وَتَضْرِبُوْھُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنِ انْتَھَیْنَ فَلَھُنَّ رِزْقُھُنَّ
وَکِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا فَاِنَّھُنَّ عِنْدَکُمْ
عَوَانٍ لَا یَمْلِکْنَ لِاَنْفُسِھِنَّ شَیْئًا وَاِنَّکُمْ اِنَّمَا اَخَذْتُمُوْھُنَّ بِاَمَانَۃِ اللّٰہِ
وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَھُنَّ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ" یعنی اے لوگو تمہاری بیویوں
پر تمہارے حق ہیں اور تمہاری بیویوں کے حق تم پر ہیں۔ تمہارا اُن پر یہ
حق ہے کہ نہ روندنے دیں تمہارے بستروں کو کسی ایسے شخص کو جسکو
تم بُرا جانو (یعنی کسی نامحرم کو اپنے پاس نہ آنے دیں) اور انپر یہ بھی واجب
ہے کہ کسی صریح بیحیائی کے کام کی مرتکب نہوں۔ پھر اگر وہ کوئی ناپسندیدہ

کام کر بیٹھیں تو بیشک خدا نے تمکو اجازت دی ہے کہ اُن کے پاس سونا
چھوڑ دو اور یہہ بھی کہ (تادیباً) اُنکو خفیف سی مار مارو۔ پھر اگر وہ اپنی ناپسندیدہ
حرکات سے باز آجائیں تو اُنکا تمپر یہہ حق ہے کہ کھانا اور کپڑا واجبی طور پر تم
لیں اور تمکو چاہیئے کہ اپنی عورتوں سے بہتر طور پر پیش آؤ کیونکہ وہ تمہارے
بس میں ہیں اور اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتیں۔ اور بیشک تمنے صرف
خدا کی کفالت سے اُنکو اپنے قبضہ میں لیا ہے۔ اور خدا کے احکام کے
ساتھ تمنے اُنکو اپنے پر حلال کیا ہے (سیرت ابن ہشام)

اور جو تسکین و محبت اور اتحاد و موانست اور یکدلی و یک جہتی جو رو
خصم میں ہونی چاہیئے اُسکو اس نہایت دلچسپ تشبیہ میں بیان فرمایا۔
"هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ" (سورہ بقرہ) یعنی عورتیں
تمہاری پوشاک ہیں اور تم اُنکی پوشاک ہو۔ یعنی جسطرح لباس انسان کے
لئے باعث راحت و زینت اور موجب پردہ پوشی اور ناقابل جدائی
ہے۔ اسی طرح عورتیں مردوں کے لئے باعث آرام اور موجب عصمت
و عفت اور تسکین و راحت ہیں۔ اور سوائے اُس قدرتی فرق و امتیاز
کے جو مرد و عورت کی خلقت میں ہے عورتونکو جملہ حقوق و اختیارات
میں مردوں کے ہمرتبہ و مساوی قرار دیا چنانچہ فرمایا "لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي
عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۖ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ" (سورہ بقرہ) یعنی
عورتوں کے (مردوں پر) ویسے ہی حقوق ہیں جیسے کہ (مردونکے)
اُنپر ہیں معروف طور پر اور مردوں کو اُنپر فضیلت ہے (خلقت کے اعتبار سے)

اب ناظرین اس عدل وانصاف - نیک اندیشی وخیر سگالی - مراعات
وحسن معاشرت - اور عزت واحسان کا جو اسلام نے عورتونکی نسبت
حکم کیا ہے - اور اُن قوانین کا جو اُسنے اس معاملہ میں نافذ فرمائے ہیں اون
قوانین سے مقابلہ کریں جو اُس نہایت قدیم اور مقدس مقنن نے جسکا
نام موسیٰؑ ہے اِس معاملہ میں نافذ کئے یا بطور آئین مُلکی بحال رکھے تھے
اور اُن خیالات پر غور کریں جو قدماے آئمہ کلیسا بلکہ اولیاے دین
مسیحی نے غریب فرقہ نسوان کی نسبت اُس زمانہ میں ظاہر کئے تھے
جبکہ حضرت مسیحؑ کی والدہ ثالث ثلثہ سمجھی جاتی تھیں - اور اُنکی تصویر
گرجاؤں میں بطور فرائض مذہبی پوجی جاتی تھی - جنکا نمونہ ایک وہ رسالہ ہے
جو ٹرٹلین نے قبایح نسوان میں تصنیف کیا تھا اور کرائسسٹم نے جو
ولی سمجھا جاتا ہے علماے مسیحی کی راے عموماً یہہ بیان کی تھی کہ "عورت
ایک ایسی بلا ہے جس سے گریز ممکن نہیں ہے اور ایک قدرتی مغوی
اور ایک مرغوب آفت اور ایک خانگی فتنہ اور ایک مہلک سحر اور ایک
رنگین بلا ہے"* اور اُن قوانین و دستورات کو ملاحظہ کریں جو دنیا کے سب
سے زیادہ شایستہ عیسائی ملک انگلستان میں عورتوں کے باب میں
جاری ہیں کہ نکاح کے بعد بہت سے معاملات میں عورت کا وجود
ہی قائم نہیں رہتا گویا وہ اپنے شوہر کے وجود میں گم ہو جاتی ہے -

* دیکھو کتاب تنقید الکلام باب چودھواں مصنفہ مولوی سید امیر علی صاحب سی - آئی - ای
وغیرہ وغیرہ - مولف عفی عنہ

چنانچہ وہ اپنے نام سے کوئی معاہدہ نہیں کرسکتی اور اُسکی جائداد ذاتی جو نکاح سے پہلے حاصل کی ہو وہ بھی شوہر کی مِلک ہوجاتی ہے۔ اُسکو اتنا بھی حق نہیں ہے کہ اپنے نام سے یا اپنے لئے ضروری اشیا خرید لے یا منگوا بھیجے۔ گو مرد پر عورت کا نان ونفقہ واجب ہے مگر جھگڑے اور نزاع کی حالت میں اوسکی تعمیل کرا لینے کا کوئی صاف ذریعہ نہیں ہے اور نہ روٹی کپڑے کی نالش کرنے کا حق ہے۔ مگر کچھ ضمنی صورتیں نکال لی گئی ہیں۔ عورت شوہر سے مفارقت کرکے خواہ کتنے ہی عرصہ تک الگ رہے مگر جائداد جو اس مدت کے اندر حاصل کرے وہ شوہر ہی کی مِلک ہوگی اور اگر پہلے سے کچھ بندوبست نکر لیا ہو تو جو مال واسباب اُسنے ایام مفارقت میں حاصل کیا ہے اُسکے شوہر کے قرضخواہ اُس سے لے سکتے ہیں +۔

اُسنے اپنے رحم ورافت اور انصاف وعدالت سے بھرے ہوئے احکام ومواعظ میں یتیموں کے مال کے کھا لینے اور اُن سے بیمروتی و بیرحمی سے پیش آنیکی سخت ممانعت فرمائی اور حکم دیا کہ اُن سے محبت وشفقت اور عدالت ومروت سے پیش آنا چاہیئے۔ چنانچہ فرمایا "اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۔ (سورۂ نساء) یعنی بیشک جو لوگ یتیموں کا مال بیجا طور پر کھا لیتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف انگارے بھرتے ہیں۔ اور قریب ہے

+ دیکھو تہذیب الاخلاق مطبوعہ مکرم صفر ۱۲۹۱ ہجری

کہ پیٹھیں گے بھڑکتی آگ یعنی دوزخ میں۔ اور فرمایا کہ "وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی
اَمْوَالَھُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی
اَمْوَالِکُمْ اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا" (سورہ نسار) یعنی یتیموں کا مال اُن کو دیدو
اور مت بدلو بُرا العوض اچھے کے اور نہ کھا جاؤ اُنکا مال اپنے مال
میں ملاکر بیشک وہ بڑا گناہ ہے۔ اور فرمایا "وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰٓی اِذَا
بَلَغُوا النِّکَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ وَلَا
تَاْکُلُوْھَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّکْبَرُوْا وَمَنْ کَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ وَ
مَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ
فَاَشْھِدُوْا عَلَیْھِمْ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا" (سورہ نسار) یعنی جانچتے
رہو یتیموں کو اُن کے حد بلوغ کو پہنچنے تک پھر اگر اُن میں کامل سمجھ پاؤ تو
اُنکا مال اُنکو دیدو اور نہ کھا جاؤ اُن کے مال کو فضول خرچی اور جلدی کرکے
(اس ڈر سے) کہ وہ جوان ہو جائینگے (تو اُن کا مال اُنکو دینا پڑے گا)
اور جو شخص اُن کے سرپرستوں میں سے آسودہ ہو تو اُسکو (اُنکے مال سے)
بچنا چاہیے اور جو محتاج ہو تو وہ (اُسمیں سے) واجبی طور سے کھا سکتا
ہے۔ پھر جب تم اُنکا مال اُنکو دینے لگو تو اُنپر گواہ کرلو۔ اور خدا کافی ہے
حساب لینے والا۔ اور فرمایا "وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ
حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ" اور یتیموں کے مال کے پاس نہ پھٹکو مگر اچھی نیت
سے اُن کے جوان ہونے تک (سورہ انعام)

اور چونکہ عرب جاہلیت خرد سال لڑکوں کو میراث میں سے حصہ

نہیں دیتے تھے اور عورتوں کو تو بالکل ہی محروم رکھتے تھے اور اُن کا
یہہ قول تھا کہ جو شخص ہتھیار باندھے اور دفع دشمن کے لایق ہو وہ ہی حصہ
پا سکتا ہے۔ اور یہہ صریح ظلم تھا۔ اسلئے فرمایا "لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا
تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ - وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا" (سورہ نساء) یعنی
مردوں کے لئے اُسمیں سے جو اُنکے ماں باپ اور قرابت مندوں نے
چھوڑا ہے حصہ ہے۔ اور عورتوں کے لئے بھی اُسمیں سے جو اُنکے
ماں باپ اور قرابت مندوں نے چھوڑا ہے حصہ ہے اُس مال میں
سے تھوڑا ہو یا بہت (خدا کا) مقرر کیا ہوا حصہ۔ اور حکم دیا کہ مال میراث
میں سے لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ دیا جاے۔ اور
تاکہ یتیم لڑکیوں پر اُنکا کوئی ولی اُنکے ساتھ نکاح کر کے ظلم نہ کر سکے جیسا کہ ہم
اوپر بیان کر آے ہیں حکم دیا "وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ
فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ" (سورہ نساء) یعنی اور اگر تمکو ڈر ہو
کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کروگے تو بالغ عورتوں سے
نکاح کر لو۔ اور عموماً یتیموں کے حق میں فرمایا "فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا
تَقْهَرْ" (سورہ ضحیٰ) یعنی یتیموں کو کمزور سمجھکر ظلم و ستم سے اُن کا
مال نہ لو اور اُنکو حقیر نہ جانو۔ اور فرمایا "لَا يَلِي أَحَدٌ مِّنْكُمْ يَتِيمًا
فَيُحْسِنُ وِلَايَتَهُ وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَىٰ رَأْسِهِ إِلَّا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ
حَسَنَةً وَمَحَا عَنْهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَيِّئَةً وَرَفَعَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ دَرَجَةً"

یعنی نہیں سرپرستی کرتا تم میں سے کوئی کسی یتیم کی اچھے طور پر اور نہیں رکھتا اپنا ہاتھ اُسکے سر پر (محبت اور شفقت سے) مگر یہ کہ لکھدیتا ہے خدا اُسکے لئے بعوض ہر بال کے ایک نیکی اور مٹا دیتا ہے ہر بال کے بدلے میں اُسکا ایک گناہ اور اونچا کر دیتا ہے ہر ایک بال کے عوض میں اُسکا ایک درجہ (ثواب آخرت میں)

اور ایک دفعہ یوں فرمایا "مَنْ مَسَحَ عَلٰی رَاْسِ یَتِیْمٍ کَانَ لِلّٰہِ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ تَمُرُّ عَلٰی یَدِہٖ نُوْرٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ" یعنی جو شخص محبت و شفقت سے بن باپ کے لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ بعوض ہر بال کے جو اُسکے ہاتھ کو چھوئے اُسکے لئے ایک روشنی ہوگی قیامت کے دن (جنت کی رہنمائی کے لئے)

اور فرمایا "اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ کَھَاتَیْنِ فِی الْجَنَّۃِ اِذَا تَقَی اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَۃِ وَالْوُسْطٰی" یعنی اپنی انگشت شہادت اور بیچ کی اُنگلی کیطرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میں اور خدا سے ڈرکر یتیم کی کفالت کرنے والا اس طرح جنت میں قریب قریب ہونگے۔

اور ایک دفعہ فرمایا "اِنَّ الْیَتِیْمَ اِذَا بَکٰی اھْتَزَّ لَہٗ لِبُکَائِہٖ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ لِمَلٰٓئِکَتِہٖ یَا مَلَائِکَتِیْ مَنْ اَبْکٰی ھٰذَا الْیَتِیْمَ الَّذِیْ غُیِّبَ اَبُوْہُ فِی التُّرَابِ فَیَقُوْلُ الْمَلَائِکَۃُ اَنْتَ اَعْلَمُ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا مَلَائِکَتِیْ فَاِنِّیْ اُشْھِدُکُمْ اَنِّیْ لِمَنْ اَسْکَتَہٗ وَاَرْضَاہُ اَنْ اُرْضِیَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ" یعنی بیشک جب یتیم روتا ہے تو اُسکے

لئے اُسکے رونے کی آواز کے سبب سے عرش الٰہی کانپنے لگتا ہے
پھر خدا اپنے فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ اے میرے فرشتو اس یتیم کو
جسکا باپ مٹی میں چھپا دیا گیا ہے کسنے رولایا۔ پھر فرشتے عرض کرتے
ہیں کہ تو ہی بہتر جاننے والا ہے۔ پھر خدا فرماتا ہے کہ اے میرے
فرشتو تمکو میں گواہ کرتا ہوں کہ جو شخص اُس یتیم بچے کو چپ کراتا اور خوش کرتا
ہے میں اُسکو قیامت کے دن خوش کرونگا۔ چنانچہ عمرؓ فاروق جو اس
حدیث کے راوی ہیں جب کسی یتیم کو دیکھتے تو پیار سے اُسکے سر پر
ہاتھ پھیرتے اور اُسکو کچھ دیدیتے تھے۔

اُسنے شروع ہی سے لڑکیوں کے قتل کی دردناک رسم کے مٹانے
پر توجہ فرمائی اور اُسکو اپنے معجزانہ اور خوفِ خدا سے کپ کپا دینے والے
وعظ سے ایسا مٹا دیا کہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ کسی اسلامی ملک یا
نسل میں پھر کبھی اسکا ظہور یا رواج ہو۔ چنانچہ فرمایا وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ
بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ××× عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ "یعنی جبکہ پوچھی
جائیگی جیتی گاڑدیگئی لڑکی کہ کس گناہ میں قتل کی گئی ××× جان لیگا
ہر ایک انسان جو کچھ وہ لایا ہے۔ (اچھے یا بُرے اعمال)
اور فرمایا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ
اِيَّاهُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا" (سورہ بنی اسرائیل) یعنی
افلاس کے ڈر سے اپنے بچونکو قتل نہ کرو (کیونکہ) روزی تو اُن کو اور تمکو
ہم دیتے ہیں۔ بیشک اُن کا مار ڈالنا بہت بڑا گناہ ہے۔

اور فرمایا "مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَهُ (صحیح مسلم) یعنی اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو جوڑ کر فرمایا کہ جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہانتک کہ دونوں جوان ہوجائیں آئینگے میں اور وہ قیامت کے دن اسطرح سے ملے جلے اور ایک دفعہ فرمایا "خَيْرُ اَوْلَادِكُمُ الْبَنَاتُ" (مکارم الاخلاق) یعنی تمہاری بہترین اولاد لڑکیاں ہیں۔ اور ایک دفعہ فرمایا "نِعْمَ الْوَلَدُ الْبَنَاتُ الْمُخَدَّرَاتُ مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ وَاحِدَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ وَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ اِثْنَتَانِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ وَاِنْ كُنَّ ثَلٰثًا اَوْ مِثْلَهُنَّ وُضِعَ عَنْهُ الْجِهَادُ وَالصَّدَقَةُ" یعنی بہترین اولاد پردے میں بیٹھنے والی لڑکیاں ہیں جس شخص کے پاس ایک لڑکی ہوجاویگا خدا اس لڑکی کو اس شخص کے لئے ایک پردہ جہنم سے بچنے کے لئے اور جسکے پاس دو لڑکیاں ہوں انکے سبب سے داخل کریگا اسکو خدا بہشت میں۔ اور اگر تین یا زیادہ ہوں معاف کیا جاویگا اسکو خدا کی راہ میں لڑنا اور زکوۃ دینا۔

اور چونکہ بتوں پر بچوں کو بھینٹ چڑھانا قدیم زمانہ سے تمام ملکوں اور قوموں میں ایک عام رسم تھی اور اسکو ایک بڑا ثواب کا کام سمجھا جاتا تھا اور کمبخت عرب جاہلیت بھی اسکے مرتکب ہوتے تھے فرمایا۔ "وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ** قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا اَوْلَادَهُمْ

سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ" یعنی بہت سے مشرکوں کی نظروں میں خوشنما دکھلایا
اُنکے بتوں کے پوجاریوں نے بھیٹ چڑہانا اُنکے بچونکا تاکہ ہلاکت میں
ڈالیں اُنکو (یعنی مشرکونکو) اور مشتبہہ کردیں اُنپر اُنکا اصلی دین * * *
بیشک ٹوٹے میں پڑے ہیں وہ لوگ جنہوں نے بھیٹ چڑہایا اپنے
بچونکو بیوقوفی اور جہالت سے۔

اب موقع ہے کہ مذکورہ بالا مواعظ واحکام اور اُن کے نتیجوں
کی نسبت جو اے مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب نے جو ایک مشہور
ومعروف عیسائی مصنف ہیں لکھی ہے اُسکو یہاں نقل کیا جاے۔ وہ
لکھتے ہیں کہ "اگر کسی مذہب کی سچائی پرکھنے کے لئے اس امر کو معیار
قرار دیا جاے کہ اُسنے اُس زمانہ کی حالت کے موافق عورتوں سے کیا
رعایت کی اور غربا ومساکین اور مظلوم لوگوں کے لئے کیا کیا تو محمدؐ
کا مذہب بیشک اِس آزمایش کی برداشت کرسکتا ہے۔ نبیؐ عربی نے
اِن دو باتوں کے لئے جو قانون بنائے وہ مشرکین بلکہ بعض حالتوں میں
یہودیوں کے طریقہ سے بہت زیادہ عمدہ تھے۔ زمانہ جاہلیت کے
عرب جتنی جورویں چاہتے تھے کرلیتے تھے۔ مگر قرآن نے شرعی
طور پر اُنکی تعداد کو صرف چار پر محدود کردیا۔ اُن میں طلاق خاوند کی صرف
طبیعت کی ایک ترنگ پر منحصر تھی۔ اور طلاق دی ہوئی عورت اپنے
گھر اور نیز تمام حقوق زوجیت سے محروم ہوجاتی تھی۔ مگر قرآن حکم
دیتا ہے کہ گھر ہر حالت میں واپس دیا جائے۔ اور اِس امر کا تیقن

حاصل کرینگے۔ لئے کہ طلاق کے عمل میں لانے یا طلاق دیکر دوبارہ زوجیت
میں لے لینے کے باب میں (جسکو کہ نبی عربی بخلاف اپنے ہموطنوں
کے ایک بہت اہم اور قابل اعتراض حرکت خیال کرتے تھے) صرف
تلون مزاجی نہیں ہوئی بلکہ کامل غور اور خوض کی گئی ہے اُس نے
یہہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو اپنی عورت کو ایک بار طلاق دیچکا ہو اُسکو دوبارہ
زوجیت میں نہیں لے سکتا تاوقتیکہ وہ اپنی اِس غافلانہ بیرحمی کا کچھ کفارہ
ایک غلام آزاد کرکے نہ دے۔ زمانہ جاہلیت کے عرب خاوند یا باپ
کی ملکیت میں عورت کو کوئی حق نہیں دیتے تھے۔ اِس بنیاد پر کہ جو شخص
ہتھیار نہیں اوٹھا سکتا وہ ملکیت کا وارث نہیں ہوسکتا۔ مگر قرآن حکم دیتا ہے
کہ عورتونکو حق وراثت حاصل ہے مثلاً بیٹی کو بیٹے سے نصف حصہ پہنچتا ہے
زمانہ جاہلیت کے عرب متوفی خاوند کی جورو کو اُسکے وارث کا حق سمجھتے
تھے جو اکثر عورتوں کا سوتیلا بیٹا ہوتا تھا۔ محمد عربی نے اِس قسم
کی تمام شادیوں کو بُرا کہا جو اُن سے پہلے عام طور پر کی جاتی تھیں۔ اُس
زمانہ کے عرب اپنی لڑکیوں کو زندہ دبا دیا کرتے تھے جیسا کہ عرب کی
اِس مثل سے ظاہر ہے کہ "عورتوں کو پہلے سے دوسری دنیا میں
بھیجدینا فائدہ مند ہے۔ اور سب سے بہتر داماد۔ قبر ہے"
اور جو دو شخصوں کی نئی شادی ہوتی تو اُنکو یہہ مبارکباد دیجاتی کہ "تم سدا
اتفاق سے رہو اور تمہارے بیٹے ہوں مگر بیٹی نہو"۔ اِسی قسم کے
خیالات کا ظاہر کرنا تھا۔ محمد عربی نے نہایت سختی کے ساتھ

اِس بیرحمانہ طریقہ کو منع فرمایا اور کہا کہ وہ لڑکی جو زندہ زمین میں دبائی گئی ہے
قیامت کے روز یہہ سوال کرے گی کہ میں کس گناہ میں قتل کیگئی۔ زمانہ جاہلیت
کے عرب جنکو یہہ یقین تھا کہ مرنیکے بعد کسی نہ کسی قسم کی آیندہ زندگی ہوگی
عورت کو اُس سے بالکل خارج سمجھتے تھے اور بہت سے لوگوں (عیسائیوں)
نے یہہ خیال کیا ہے کہ محمدؐ نے بھی ایسا ہی کہا۔ لیکن قرآن کہتا ہے
کہ جو شخص نیک عمل کرے اور سچا ایماندار ہو خواہ مرد ہو یا عورت بہشت
میں داخل ہوگا۔ ایک بڈھی عورت ایک دفعہ نبی عربی کے پاس آئی
اور اُن سے درخواست کی کہ دعا کرو کہ میں بھی بہشت میں داخل کیجاؤں۔
محمدؐ نے جواب دیا کہ کوئی بڈھی عورت بہشت میں داخل نہوگی۔ یہہ سنکر
جب وہ رونے لگی تو محمدؐ مسکرائے اور اُس مہربانانہ ہنسی کے طور پر
جو اُنکی عادت تھی فرمایا "کوئی بڈھی عورت بہشت میں نجائیگی کیونکہ وہاں
سب دوبارہ جوان ہوجائینگی"

یہہ کہا جاتا ہے کہ خاوندوں کو چاہیئے کہ اپنی جوروؤں سے محبت
کریں انجیل کا حکم ہے نہ کہ قرآن کا۔ مگر سنو! وہ الوداعی خطبہ
محمدؐ کا جو اُنہوں نے کوہ عرفات پر جو حاجی جمع ہوئے تھے۔ اُن
سے مخاطب ہوکر اپنی وفات سے ایک سال پہلے فرمایا تھا
"یعنی اے لوگو تمہاری بیویوں پر تمہارے حقوق ہیں اور تمہاری
بیویوں کے حقوق تمپر ہیں۔ اپنی بیویوں سے مہربانی کے ساتھ پیش آؤ
کیونکہ فی الحقیقت تمنے اُنکو اپنی زوجیت میں خدا کی کفالت کے ساتھ لیا ہے۔

اور خدا کے حکم سے وہ تمہارے لئے جائز ہوئیں - بنی عربی کا ذاتی
خیال طلاق کے مروجہ دستور کی نسبت نہایت خوبی کے ساتھ
اُس مقولہ میں مندرج ہے جو روایات میں اُسنے منسوب کیا گیا ہے
یعنی "مخلوقات الٰہی میں کوئی چیز غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ مجکو
پسند اور طلاق دینے سے زیادہ قابل نفرت معلوم نہیں ہوتی" اور یہہ بھی
قبول کرنا چاہیئے کہ اِس معاملہ میں اُنکا نمونہ ایسا ہی عمدہ ہے جیسا کہ اُن کا
حکم - جو کچھ کہ محمدؐ نے عورتوں کی بہتری کے لئے کیا وہ صرف یہی
رعایتیں تھیں جو مینے اوپر بیان کی ہیں - بلکہ تعدد ازواج کی نسبت سخت
قوانین کی قید لگانے اور اُس قوی اخلاق خیال کے پیدا کرنے کے علاوہ
جو اِن قوانین سے بعد میں پیدا ہوا وہ اِس زمانہ تک کے مسلمانوں کے
ملکوں کو اُن پیشہ ور عورتوں سے (جو اپنی ذلیل حالت میں رہتی اور اپنے
وجود سے اُس سوسائٹی کے ہر ایک ممبر کے لئے دائمی ملامت کا باعث
ہوتی ہیں جسمیں وہ ہوں) ایک ایسے بڑے درجہ تک پاک کرنے میں
کامیاب ہوا جیسا کہ اور کسی ملک میں کبھی نہیں ہوا - میں اِس امر کو فراموش
نہیں کرتا کہ محمدؐ نے نہایت کے درجہ کی حالت میں خاوندوں کو اپنی عورتوں
کو بدنی سزا دینے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ اعتدال کے
ساتھ دیجاے - اور یہہ کہ اُسنے عورتوں کے لئے پردہ کا حکم یا اجازت
دی ہے - اور یہہ کہ اپنے لئے اُسنے تعدد ازواج کی اُس حد کو
توڑ ڈالا جو اُس نے اوروں کے لئے لگائی تھی - اور یہہ کہ اُس نے

جنگ سے قید میں آئی ہوئی عورتوں کو حرم بنانا جائز قرار دیا۔ اور میں بخوبی
قبول کرتا ہوں کہ اُسکے پیروؤں نے بہ نسبت اوسکی تعلیم کے اعلیٰ حصونکی
پیروی کے اِن ناقص حصوں کی پیروی اور اطاعت کرنے میں بہت زیادہ
مستعدی ظاہر کی ہے۔ مگر تاہم میں بہروسہ کے ساتھ کہتا ہوں کہ بمقابلہ
بت پرست مذاہب کے بلکہ یہودیت کے بھی محمدؐ نے عورتوں کو اونکی
پہلی حالت سے بہت زیادہ ترقی دی اور اسطرح پر اُنکے شکریہ کے
مستحق ہوئے (انتہی قولہ سلمہ)

مسٹر یاسورتھ سمتھ صاحب کی یہ رائے کسیقدر حاشیہ
لکھنے کے لایق ہے۔ صاحب موصوف اگرچہ ایک نہایت غیر متعصب
و نا طرفدار شخص ہیں مگر بعض مسائل مذہبی کے سمجھنے میں اُنکو دھوکا ہوا ہے
اور اسی وجہ سے اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت
یہہ غلط رائیں قایم کی ہیں۔ اُنہوں نے اپنے پہلے اعتراض میں جس آیت
کے حکم کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہہ ہے وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَ
هُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۖ فَاِنْ
اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۗ (سورہ نساء) یعنی جن عورتونکی
سرکشی و تمرد تمکو خوف میں ڈالدے تو (اول) اونکو سمجھاؤ اور (اسپر بھی
نہ مانے تو) اُنکو اُن کے بستروں میں اکیلا ڈالدو اور (پھر بھی سرتابی کریں تو)
اُنکو مارو۔ پھر اگر تمھاری تابعدار ہو جائیں تو اُنپر اور کوئی راہ نہ ڈھونڈو۔ یعنی
کوئی اور حیلہ اُن کے ایذا دینے یا طلاق دینے کا نہ ڈھونڈو۔

اور اسکی تفسیر مین احادیث شریفہ مین وارد ہوا ہے کہ سخت چوٹ نہ مارنی
چاہیئے اور منہہ پر تو بالکل ہی نہ مارنا چاہیئے - اور ظاہر ہے کہ یہہ سب تدبیرین
طلاق و افتراق سی بڑی چیز کے روکنے اور وقوع مین نہ آنے کے لئے
ہین - اور مارنا اور وہ بھی خفیف سا صرف اُس حالت مین جائز ہے جبکہ
پہلی دو تدبیروں سے کام نہ چلے - اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آیا طلاق دیکر
گھر سے نکالدینا اور بال بچون سے جدا کر دینا عورت کے حق مین سختی ہے؟
یا سمجھا بوجھا کر اور بشرط ضرورت خفیف سی سزا دیکر محبت و الفت سے جسکی
سخت تاکید ہے - معروف طور پر ٹھہرالینا سختی ہے؟

دوسرا اعتراض بھی کچھ وقعت کے لایق نہیں ہے - ممکن ہے کہ
ایک امر کو اہل یورپ بُرا خیال کرین اور ایشیا کے رہنے والے اُسکو
اچھا سمجھین - چنانچہ پردہ کا حسن و قبح بھی اسی اختلاف خیال کا نتیجہ ہے
حقیقت یہہ ہے کہ مدینہ منورہ کے بعض ناشایستہ اور بدذات لوگ
مسلمان عورتون سے جبکہ وہ اپنے کاروبار کے لئے گھر سے باہر
جاتی تھین چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے اور جب اُنکو کچھ کہا جاتا تھا تو یہہ بدتراز
گناہ عذر کر دیتے تھے کہ ہمنے تو کوئی لونڈی سمجھی تھی - پس یہہ آیت نازل
ہوئی کہ " یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ
یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ "
جسکا مدعا یہہ ہے کہ عورتین ایک لمبی چادر اوڑھے بغیر گھر سے باہر
نہ نکلا کرین تاکہ ہر کوئی پہچان سکے کہ وہ ذی عزت اور شریف گھرانے

کی ہین اور کوئی انکو تکلیف نہ دیسکے - البتہ جو پردہ آجکل ہندوستان کے
مسلمانون میں رائج ہے وہ بیشک اعتدال سے بڑھا ہوا ہے -
شریعت اسلام نے ایسے پردہ کا حکم ہرگز نہیں دیا بلکہ صرف اُس بے حجابی
اور آزادی کو روکا ہے جس کے قبیح نتیجے فرنگستان کی عورتوں کے
لئے سخت بدنامی کا باعث ہیں اور جس کی شکایت کینن ٹیلر صاحب نے
اپنے اُس مضمون میں کی ہے جو اُنھوں نے دولوز ہمپٹن کی چرچ
کانگریس کے روبرو پڑھا تھا اور جس کا ذکر ہم اوپر لکھ آئے ہیں -
تیسرا اعتراض جو بظاہر بہت ثقیل معلوم ہوتا ہے وہ بھی کچھ اصلیت
نہین رکھتا - اور صاحب موصوف کی بے تعصبی و حق پسندی سے ہمکو
امید ہے کہ اگر انکو اصل حقیقت معلوم ہوجاے تو وہ فوراً اپنے اس
اعتراض کو واپس لے لینے مین تامل نہ کرینگے - مخالفین اسلام کو بمصحف
عین سورہ نساء کو (جسکے شروع ہی میں مسلمانوں کو ایک وقت میں چار سے
زیادہ نکاح کرنے کی ممانعت ہے) پہلے اور سورۂ احزاب کو (جس میں
آنحضرتؐ کے ازدواج کے احکام ہین -) پیچھے دیکھکر یہ دھوکا ہوا ہے کہ آپنے
اپنے لئے اُس حد کو توڑ ڈالا جو اوروں کے لئے مقرر کی تھی - لیکن
اصل مین یوں نہیں ہے - نزول کے اعتبار سے سورۂ احزاب
سورہ نساء پر مقدم ہے - چنانچہ شیخ امین الاسلام ابو علی فضل اللہ الطبرسی
علیہ الرحمۃ نے یہ تحقیق کرتے ہوئے کہ مکی سورتیں کونسی ہیں اور مدنی
کونسی - بڑی قوی دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ سورۂ نساء مدنی

ہے۔ اور سورۂ احزاب کے بعد (جو نویں سال ہجری میں اُتری تھی) نازل ہوئی ہے۔ (دیکھو تفسیر مجمع البیان ذیل سورۂ ہل اتیٰ) اور اتقان میں علامہ سیوطی نے اسکے ثبوت میں یہ دلیلیں لکھی ہیں۔

(۱) قصیدہ تقریب المامول فی ترتیب النزول تصنیف برہان الجعبری

(۲) وہ روایت جو ابن ضریس نے فضائل القرآن میں حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے۔

(۳) وہ روایت جو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں۔ عکرمہ کی سند پر بیان کی ہے۔

پس جبکہ سورۂ نساء اُتری ہی نہ تھی اور اوسکی وہ آیت جسمیں مسلمانوں کو ایک وقت میں چار سے زیادہ نکاح کرنے کی ممانعت ہے نازل ہی نہیں ہوئی تھی تو یہ کہنا کہ "آنحضرت نے اپنے لئے اُس حد کو توڑ ڈالا جو دوسروں کے لئے مقرر کی تھی صریح غلطی ہے۔

خَدِیجَہ عَلَیْہَا السَّلَام کی وفات کے بعد آنحضرت نے بعض وجوہات طبعی رحم و مروت اور شاید خواہشِ اولاد سے بھی جس سے کوئی نفس بشری خالی نہیں ہے اور جسکے لئے بڑے بڑے انبیاء بنی اسرائیل خدا سے دعائیں مانگتے رہے ہیں۔ آٹھویں سال ہجری تک وقتاً فوقتاً چند عورتوں سے نکاح کئے تھے جن میں سے بعض عمر کی ادھیڑ اور صاحبِ اولاد کثیر اور بعض تقریباً ضعیفہ یا بیوہ تھیں اور جسمیں کنواری صرف ایک ہی تھی اور ان کے سوا ایک حرم تھی جسکو مقوقس بادشاہ

اسکندریہ نے جو عیسائی تھا چھٹے سال ہجری میں آنحضرت ﷺ کے
شقہ کے جواب کے ساتھ ہدیۃً بھیجا تھا اور یہ سب نکاح و تصرف
معروف طور پر موافق طریقہ انبیاے سلف عمل میں آئے تھے۔ اور جز
ایک نکاح کے جسکی تشریح یہاں غیر ضروری ہے اور جو ایک آیندہ بڑی
اصلاح معاشرت کے لئے وقوع میں آیا تھا رسم ملک کے بھی برخلاف
نہ تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے یہ فرماکر انکو جائز رکھا "یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ
اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ
مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ" (سورہ احزاب) یعنی اے نبی ہمنے حلال
رکھین تیرے لئے تیری وہ بیبیان جنکے مہر تو دیچکا ہے اور جسکا مالک
ہوا ہے تیرا ہاتھ اُس مال میں سے جو خدا نے بطور فَے[1] کے تجکو دیا
ہے۔ مگر آیندہ کے لئے ازدواج سے یہ فرماکر قطعاً منع فرمادیا کہ "لَا
یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ
حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ" یعنی نہیں حلال تجکو عورتین مطلقاً انکے
یعنی ازواج موجودہ کے بعد (جو نو تھیں) اور نہ یہ حلال ہے کہ انکے
بدلے اور بیبیاں کرے اگرچہ اُنکا حسن تجکو تعجب ہی میں ڈالدے اور
چونکہ لفظ "نساء" ایسا عام تھا کہ جس سے حکم امتناعی اُس حرم محترم سے
بھی متعلق ہوتا تھا جسکا اوپر ذکر ہوا "اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ" فرماکر اُسکو مستثنےٰ کردیا

[1] مخالفین مذہب سے جو چیز مسلمانوں کو بغیر لڑائی بھڑائی کے حاصل ہو اُسکو "فے"
کہتے ہیں جیسے مقوقس کے ہدایا وغیرہ۔ مؤلف

یعنی جسکا یہ اداہاں ہاتھ مالک ہو چکا ہے (فئے کے ذریعہ سے) وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

اب شاید کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ سورہ نساء کی آیت کے نزول کے بعد جسطرح وہ عورتیں جو چار کے سوا مسلمانوں کے نکاح میں تھیں اُنسے علحدہ کرادی گئی تھیں آپکو بھی واجب تھا کہ چار کے سوا اور اونکو علحدہ کردیتے مگر ہم بیان کرچکے ہیں کہ اور مسلمان کی طرح آنحضرتؐ کو طلاق کی اجازت نہ تھی اور نہ بحالت طلاق کوئی مسلمان اُن ازواج مطہرات سے نکاح کرنیکا مجاز تھا اور نہ طبعًا بلحاظ ادب و احترام اپنے رسول کے (جیساکہ تمام اہل مذاہب کا عام قاعدہ ہے) اُن سے نکاح کرسکتا تھا۔ پس ایسی حالت میں اُن میں سے کسی کو علحدہ کرکے فقر و فاقہ کی مصیبت میں ڈالدینا سراسر ظلم اور خلاف رحم و انسانیت ہوتا جو کسی طرح آنحضرت کی سیرت کریم کے لایق نہ تھا۔ پس کیا بلحاظ اُس حکم کے جو خاصۃً آپ کے حق میں نازل ہوا تھا اور کیا بلحاظ اس وجہ کے جو ہمنے بیان کی آپ ازواج موجودہ کی تعداد کو کم نہیں فرما سکتے تھے۔ پس حقیقت میں دیکھو تو آنحضرت کے احکام ازواج اور مسلمانوں کے احکام ازدواج کی بہ نسبت زیادہ تنگی اور قید نفس کے تھے اور کسی جھوٹے مدعی رسالت سے اُمید نہیں کیجا سکتی اور نہ اسکا احتمال ہو سکتا ہے کہ اپنے حق میں ایسے احکام صادر کرے جو اُسکے معتقدوں

* حضرت یحییٰ اور عزرا نبیوں نے بھی بنی اسرائیل سے وہ اجنبی عورتیں علحدہ کرادی تھیں جن سے اُنہوں نے نکاح کرلئے تھے (دیکھو صحیفہ عزرا باب ۱۰ و نحمیاہ ۱۳ - ۲۳ - ۲۹ - مؤلف)

کی بہ نسبت اُسکے لئے زیادہ موجب وقت و ممانعت اور تنگی اور قید نفس کے
ہوں۔ بلکہ خواہش و میلان قلبی کے بھی برخلاف ہوں۔

چوتھے الزام کو اگر الزام کہا جاوے تو اُس سے نہ حضرت موسیٰؑ
ہی بچ سکتے ہیں نہ حضرت عیسیٰؑ ہی اور نہ اُنکا وہ مشہور و معروف سرگرم
حواری (پولوس) جسکو عیسائی نہایت پاک و مقدس اور مؤید بروح القدس
سمجھتے ہیں۔ چنانچہ خود مسٹر باسورتھ صاحب کا قول ہم اوپر
بیان کر آئے ہیں (دیکھو صفحہ ۲۲۸-۲۲۹) کہ موسیٰ علیہ السلام نے عادت
و رسوم ملکی مثل * * * اور غلامی کو جیسا پایا ویسا ہی رکھا" اور مسیحؑ
نے اسوقت خاص کا خیال چھوڑ دیا اور سلطنت روم قدیم کی سخت
برائیوں مثل * * * اور غلامی کو جو اُس کی روح کو صدمہ پہنچاتی ہونگی
بُرا بھلا نہ کہا"، اور وہ صرف اسپر قناعت کی کہ اپنے پیروؤں کے دلوں
میں نیک اصولوں کا بیج بودے کہ جب وقت آوے تو وہ قبیح رسوم
و دستورات خود بخود مٹ جائیں"، مگر ہم فخر سے کہتے ہیں کہ گو حضرت
مسیحؑ نے غلامی کو بُرا بھلا نہ کہا ہو اور باوجود ضرورت خاموشی اختیار
فرما کر اپنی روح مبارک کو صدمہ پہنچایا ہو مگر ہمارے پیارے رحمۃ للعالمین نے
ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اپنی رسالت کے شروع ہی میں بغیر اس کے کہ
صنادید قریش کی رضامندی و ناراضامندی کا کچھ خیال کریں بڑی شد و مد سے
غلاموں کی آزادی کا وعظ فرمایا اور آخر کار اُنکو غلامی کی بدترین و ذلیل ترین
حالت سے نکالکر اخوت و ہمسری کے اعلیٰ ترین درجہ پر پہنچایا۔ اور اسطرح

پر ثابت کر دیا کہ اُسکا وجود یا جود نہ صرف آزاد مردوں اور آزاد عورتوں ہی کے
لئے موجب رافت و رحمت تھا بلکہ اُسنے کہیں بڑھکر بیچارے بے بس
غلاموں اور بیکس لونڈیوں کے حق میں باعث آرام و راحت ہوا۔ اور اُسنے
نہ صرف موجودہ غلاموں کے آرام و آسایش اور حتی الامکان انکو آزادی کے
خلعت کے پہنانے پر اکتفا کی بلکہ یہہ دو لفظ فرما کر کہ۔ اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا
فِدَاءً" ایک ایسے نیک اصول کا بیج بو دیا کہ جب وقت آئے تو یہہ
بیرحمانہ و خلاف انسانیت رسم خود بخود مٹ جاے۔ چنانچہ خدا کا شکر
ہے کہ وہ وقت آن پہنچا کہ کچھ کچھ مسلمانوں کی یہہ راے ہو چلی ہے
کہ اُن کے خدا اور رسول کا حکم لڑائی کے قیدیوں کے باب میں صرف
یہ ہے کہ اُن پر احسان رکھکر یا کچھ چھڑائی لیکر چھوڑ دیا جاے۔ چنانچہ وہ آیت
جسمیں یہ پاک الفاظ ہیں یہہ ہے "فَاِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ
الرِّقَابِ حَتَّىٰ اِذَا اَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً"
(سورہ محمد آیہ ۴) یعنی اُس مجسم رحمت نے اپنی رحم و رافت سے بھری ہوئی
زبان سے فرمایا کہ خدا تعالی یہ حکم دیتا ہے کہ "پھر جب تم کافرون سے
لڑو تو اُنکی گردنین کاٹو یہانتک کہ جب اُنکو چور چور کر چکو تو مضبوط باندھ لو
پھر احسان رکھکر یا کچھ چھوڑائی لیکر چھوڑ دو" اور یہہ سب کچھ اُسنے ایک
ایسے زمانہ میں کیا کہ آزاد کرنا تو کیا کوئی یہہ بھی نہیں جانتا تھا کہ بیچارے غلام
بھی ہم جیسے ہی خدا کے بندے ہیں اُنپر سختی اور ظلم کرنا نہیں چاہیئے۔
پس اِسلام کے سوا کونسا مذہب ہے کہ جس میں غلاموں کے بیکس و

بے بس گروہ کے حق میں ایسے رحم و رافت سے بھرے ہوئے احکام
موجود ہوں۔ یہہ سچ ہے کہ حضرت مسیح نے اپنے معتقدوں کو یہہ ہدایت
کی جیسے کہ آنحضرت نے بھی فرمائی کہ اُنکو اوروں کے ساتھ اُسطرح پیش آنا
چاہئیے جیسا کہ اوروں کا اپنے ساتھ پیش آنا چاہتے ہیں۔ مگر اس سے یہ
نتیجہ نکالنا کہ جناب موصوف نے یہ فرماکر درحقیقت غلامی کو موقوف کردیا
صحیح نہین سمجھا جاسکتا۔ چنانچہ مسٹر گاڈفری ہگینس لکھتے ہیں کہ "یہہ
بات ظاہر میں تو بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ عمل میں ایسا
نہیں ہے" اور خود مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب کا قول ہم اوپر نقل کرآئے
ہیں کہ "وہ شاید یہہ بات تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ عیسائیت اور غلامی
ایک روز کے لئے بھی کسطرح اکھٹی رہیں۔ لیکن ہمکو تو حقایق سے بحث ہے
اور یہہ امر محقق ہے کہ غلامی بیشک عیسائیت کے ساتھ ساتھ رہی ہے
بلکہ اُسنے عیسائیت کی رو سے جائز ہونیکا دعویٰ اس اُنیسویں صدی تک
بھی کیا ہے" اور یہہ کہ "انجیل میں بیشک کوئی صریح ممانعت غلامی
کی نہیں ہے۔ بلکہ برخلاف اُسکے اُسمیں غلامی کو بطور ایک موجودہ رسم کے
تسلیم کیا گیا ہے۔ اور پولوس نے مالکوں کے ساتھ نوکروں کے فرائض
کو (جنکو اُسنے غلاموں کے سخت نام سے مخاطب کیا ہے) ایسی ہی صراحت
سے بیان کیا ہے جیسے کہ مالکوں کے فرائض کو اُنکے ساتھ" پس اسلام
کی فضیلت اور مذاہب پر اس معاملہ میں بھی ویسی ہی ثابت ہے جیسے
کہ اور معاملات میں ثابت ہے اور نہایت فخر اور خوشی کا مقام ہے کہ

بعض منصف اور غیر متعصب عیسائیوں نے بھی اسکا اعتراف کیا ہے
چنانچہ یہی صاحب جنکا ذکر خیر ابھی ہوا اپنی کتاب "محمد اینڈ محمڈن
ازم" میں لکھتے ہیں کہ "اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ غلامی کی نسبت
اسلام نے کیا کیا۔ چنانچہ اسمیں کلام نہیں ہوسکتا کہ اُسکے باب میں
بھی ترقی کی جانب قدم بڑھایا گیا۔ بلکہ عورتوں کے باب میں جو قانون
بنایا گیا اُسکی بہ نسبت غلامی کے معاملہ میں زیادہ ترقی کیگئی۔ بیشک محمد
نے غلامی کو بالکل مٹا نہیں دیا کیونکہ ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے
ایسا کرنا نہ تو مناسب ہی تھا اور نہ ممکن ہی تھا۔ لیکن اُنہوں نے لوگوں کو غلاموں
کے آزاد کرنے کی رغبت دلائی اور یہ اصول قرار دیا کہ جو قیدی مسلمان ہوجائے
وہ آزاد سمجھا جاوے۔ اور اس سے بھی زیادہ تر اہم بات یہہ کی کہ اُنہوں نے
حکم دیا کہ کوئی آزاد شدہ غلام اس سبب سے کہ اُسنے محنت و مشقت سے
ایک دیانتداری اور عزت کی زندگی بسر کی ہے ذلیل نہ سمجھا جاوے اور اُنکی
نسبت جو حالت غلامی میں ہوں یہہ حکم دیا کہ اُن کے ساتھ مہربانی اور ملائمت
سے برتاؤ کیا جاوے۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے اخیر الوداعی خطبہ میں جو
اپنی وفات سے ایک سال پہلے بمقام مِنا پڑھا تھا کہا کہ "اے مسلمانو
تم غلاموں کو ویسا ہی کھانا کھلاؤ جیسا کہ تم خود کھاتے ہو اور ویسا ہی کپڑا
پہناؤ جیسا کہ خود پہنتے ہو۔ کیونکہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں اُنکو ستانا
نہیں چاہیئے۔ پس ایک غلام جو قانون اور ایسے اعلیٰ درجہ کے احکام
مذہبی کی حفاظت میں ہو وہ اُن معنوں کے لحاظ سے جو لفظ "غلام" کے

اس زمانہ میں سمجھے جاتے ہیں غلام نہیں کہا جا سکتا۔ جیسا کہ میں اوپر
بیان کر چکا ہوں۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ وہ لفظ جس کا ترجمہ غلام ہے
قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ جو جملہ قرآن میں استعمال کیا گیا ہے وہ یہ ہے
"وہ جو تمہارے دائیں ہاتھ کے قبضہ میں ہیں" جسکے معنی صرف
یہ ہیں کہ جو ایک واجب طور کی لڑائی میں قید ہو کر آئے ہوں اور اس
طرح پر اپنی آزادی سے محروم ہو گئے ہوں۔ ایسے قیدی اگر مسلمان
ہو جاتے تھے تو انکی نسبت یہ حکم تھا کہ آزاد کر دیئے جائیں۔ لیکن اگر
اپنے مذہب پر قائم رہتے تھے تو انکا حکم اپنے معتقدوں کے لئے
یہ تھا کہ پھر بھی تم انہیں اپنا بھائی سمجھو۔ انہوں نے فرمایا کہ "جو مالک اپنے
غلام سے مہربانی کرے وہ مقبول خدا ہو گا۔ اور جو اپنے اختیار کو برے
طور پر استعمال میں لاوے یعنی غلام کو ستاوے وہ داخل بہشت نہ ہو گا۔
ایک مسلمان نے اُن سے سوال کیا کہ جو میرا غلام مجھے ناراض کرے
اُسے کتنی بار مجھے معاف کر دینا چاہیئے نبی عربی نے جواب دیا دو ایک
روز میں ستر دفعہ" محمدؐ نے ایک نیم شائستہ ریاست کے سردار کی طرح
قیدی عورتوں کو حرم بنانا جائز رکھا لیکن وہ عورت جس کے اس طرح پر
اولاد ہو جاوے اسکی نسبت یہ حکم دیا کہ وہ اولاد سے جدا نہ کی جاوے۔
اور نہ وہ پھر بیچی جاوے۔ بلکہ مالک کے مر جانے کی حالت میں آزاد سمجھی
جاوے۔ یہ چھ امر قوانین جیسے کہ امید کیجا سکتی ہے قوانین شریعت موسوی
کے موافق ہیں۔ لیکن بہت سی باتوں کے لحاظ سے اُن سے بہتر ہیں بلکہ

ایسے ہیں کہ کسی یوروپین یا امریکن بردہ فروش سلطنت نے اپنے مجموعہ
قوانین میں اُسوقت تک درج نہیں کئے تھے۔ جبکہ عیسائیت کی
موج نے انسانیت و شائستگی کی موج لکھتے تو معقول ہوتا) غلامی کو بالکل
نیست و نابود کردیا۔ مثلاً ایک یہودی قوم کا آدمی جب غلام ہوجاتا
تھا اوسکی نسبت (شریعت موسوی کا) یہ حکم تھا کہ "جب وہ اپنی غلامی
کا زمانہ پورا کرلے تو آزاد سمجھا جاوے" لیکن وہ عورت جس سے
اُسکے مالک نے اُسکی شادی کردی ہو مع بال بچوں کے اُس سے جدا
کرلیجاوے اور غلامی میں رہیں۔ جو مسلمان مالک اپنے غلام پر پیچھے
خفا ہوا پھر واجب ہے کہ اُسکو فوراً آزاد کردے۔ مگر بخلاف اِس کے
اگر کوئی یہودی اپنے غلام کو یہانتک ستاوے کہ اُسکو جان سے مار ڈالے
تو اُسکے لئے صرف ایک سزا کا حکم تھا۔ لیکن اگر وہ اُس سزا کی حالت میں
ایک یا دو دن تک زندہ رہے تو بالکل چھوڑ دیا جاوے۔ جیسا کہ
انجیل کے انگریزی ترجمہ میں خوفناک سخت الفاظ میں اسی مطلب کو
یوں ادا کیا گیا ہے کہ "وہ غلام اپنے مالک کا روپیہ ہے" یعنی جس طرح
چاہے اُسے استعمال کرے۔ امریکہ کی اُن سلطنتوں میں جنمیں غلامی
جائز تھی۔ غلام کو کوئی حق قانونی حاصل نہ تھا۔ اگر کوئی مالک اپنی لونڈیوں
سے نیک برتاؤ کرتا تھا تو یہہ صرف اوسکی انسانیت سمجھی جاتی تھی نہ کہ
اسلام کی طرح کہ اُسکے (یعنی مالک کے) نہایت عروج کی حالت میں
بھی عدالت کو اجازت تھی کہ اُسکو غلام پر مہربانی کرنیکے لئے مجبور کرسکے

تمام انسانوں کا خدا کی نظر میں برابر ہونا ایک ایسا اصول تھا جسپر محمد نے
ہر ایک مقام پر زور دیا ہے اور اس طرح پر چونکہ یہ اصول غلامی کی نسبت
ذات وغیرہ کے خیال کو بالکل مٹا دیتا تھا اسلئے غلامی کی ذلت کو بھی
رفع کر دیا۔ محمد کے نزدیک محنت کرنا ذلت کا موجب نہ تھا۔ اور ملک عرب
کی رسم غلامی (جسمیں محمد کی مہربانی سے والدین اور بچوں اور عزیزوں کا
ایک دوسرے سے جدا کیا جانا بالکل موقوف تھا) اگرچہ اصولاً ہمیشہ بُرا کہنے
کے لایق ہے۔ لیکن اسکی وجہ سے غلامی ایک زیادہ تر مستحکم اور زیادہ تر
مستقل تعلق ہو گیا جو گھر میں دوسرے لوگوں سے خدمت لینے کے اُس
طریقہ سے جو اور ملکوں میں جاری تھا کچھ زیادہ بُرا نہیں کہا جا سکتا"۔ انتہی قولہ

اس لایق مصنف نے جن احکام اسلام کا ذکر کیا ہے اُن میں یہ
دو باتیں اور شامل کرنی واجب تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا کہ "غلاموں سے ایسی تکلیف کے کام نہ لیے جائیں جو اُنکو تھکا دیں
اور اگر ایسی تکلیف کا کام اُنکو دیا جاے جو اُنکو تھکا دے تو اُسمیں خود اُنکی
مدد کرو" (دیکھو صحیح بخاری باب قول النبی العبید اخوانکم)

اور یہ کہ "ہرگز کوئی یہ نہ کہے کہ "میرا غلام اور میری لونڈی" تم
سب خدا کے غلام اور تمہاری سب عورتیں خدا کی لونڈیاں ہیں مگر یوں
کہے کہ "میرا بچہ اور میری بچی اور میرا لڑکا اور میری لڑکی" (دیکھو صحیح مسلم
کتاب الالفاظ من الادب) تاکہ ہر کسی کو معلوم ہو جاتا کہ بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے غلاموں کی تکلیف کے کم یا موقوف کر دینے ہی پر بس نہیں کیا

بلکہ اُنکی نسبت لونڈی غلام کے لفظ کے استعمال کی بھی جس سے
انکی حقارت نکلتی تھی بتاکید ممانعت اور نہایت شایستہ و مہذب اور
شفقت آمیز الفاظ سے مخاطب کرنیکی ہدایت فرمائی۔

بہرحال اِن مواعظ و احکام کا جو اثر لوگوں کے دلوں پر ہوا وہ حسن معاشرت
کی بے انتہا خوبی اور عام اخلاق کی زائد از حد ترقی ثابت کرنیکو کافی ہے
چنانچہ یہہ کیا کچھ کم حیرت انگیز امر ہے؟ کہ پیغمبر کی نور نظر (فاطمۃ الزہرا)
اپنی لونڈی کے ساتھ بیٹھکر چکی پیسنے میں کبھی اپنے ہاتھ سے چکی کو نیچے
سے تھامتی تھی اور کبھی لونڈی تاکہ لونڈی کو بی بی سے زیادہ تکلیف نہو۔

اور اسلام کا وہ مشہور و معروف خلیفہ (عمر فاروق) جو مسلمان
ہونیسے پہلے اپنی لونڈی کو اس گناہ پر مارتے مارتے تھک جاتا تھا کہ
وہ بتوں کی غلامی چھوڑکر سچے دل سے اپنے اور اُسکے اصلی مالک (خدا)
کی غلام بنگئی تھی اپنے عین عروج کے زمانہ میں اپنی باری میں اونٹ کی
مہار پکڑکر جسپر اُسکا غلام سوار ہوتا تھا پاپیادہ چلنے کو فخر سمجھتا تھا۔ اور
ایسی ہی اور بہت مثالیں ہیں جن سے خود بخود یہہ یقین ہوتا ہے کہ یہہ انسان
کا نہیں بلکہ اُسیکا کام تھا جو کیا آزاد کیا غلام سب کا مالک اور اُن کے
دلونکے پھیر دینے پر قادر ہے۔ اب ہم اس بحث کو اسی شہادت پر ختم کرتے
ہیں اور اور خیرات و برکات کا بیان شروع کرتے ہیں جو جناب مقدس
مصطفوی کی بدولت دنیا کے شامل حال ہوئیں۔

اپنے ہمجنسوں اور بنی نوع سے ہمدردی اور اُنکی حاجتوں میں

اُنکی مدد کرنا جو ایک نہایت اعلیٰ صفت انسانی یا یوں کہو کہ انسانی فطرت کا مقتضا ہے اگرچہ اکثر حکما و انبیاے سلف خصوصاً مسیح علیہ السلام نے اوسکی رغبت دلائی اور تاکید کی ہے اور اُسکے کچھ کچھ طریقے بھی بتاے ہیں۔ مگر صاحب قرآن علیہ وآلہ صلوٰۃ الرحمان کے لیے جو بات خصوصیت کی ہے وہ یہہ ہے کہ اُسنے اوسکی نہایت درجہ کی ترغیب و تحریص کے ساتھ اُسکا طریق عمل بھی ایسا عمدہ بتایا ہے جو بالکل ترتیب فطری و نظام طبعی کے مطابق ہے۔ چنانچہ فرمایا "اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا" (سورہ نساء) یعنی عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک کرو اُسکے ساتھ کسی چیز کو بھی۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور نادار محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور بیگانے ہمسایوں اور ہمنشینوں اور (درماندہ) مسافروں اور اُن کے ساتھ جنکے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہوے ہیں (یعنی لونڈی غلام)۔ بیشک خدا دوست نہیں رکھتا مغرور اترانے والوں کو (یعنی جو لوگ کسی حقدار کو کچھ دیکر اتراتے ہیں خدا اُنکو پسند نہیں کرتا)

غور کرو! کہ اگر کوئی شخص ماں باپ۔ بھائی بہن۔ بیٹا بیٹی اور ایسے ہی اور قرابت داروں کو چھوڑکر دور کے رشتہ داروں یا دوستوں یا عام لوگوں سے ہمدردی اور اُنکی حاجتوں میں اُنکی مدد کرے تو نہایت قابل ملامت

خیال کیا جائیگا کیونکہ اُسنے فطرت کے ایک مستحکم قاعدے کو توڑا اور اُسکی برخلافی کا مرتکب ہوا۔ لیکن اگر اُنکے علاوہ دور کے رشتہ داروں اور دوستوں اور عام لوگوں سے بھی ہمدردی کا برتاؤ کرے تو نہایت قابل تعریف سمجھا جائیگا۔ اس وجہ سے کہ قدرت کے منشا کو اُسنے بدرجہ اتم پورا کیا اور اُسکی نہایت کامل طور پر تعمیل کی۔ پس نہایت سچی اور قابل توصیف ہمدردی وہی ہے جو ترتیب فطری و نظام طبعی کی کامل رعایت کے ساتھ عمل میں آئے۔ چنانچہ یہی بات قرآن مجید کی اس آیہ کریمہ میں ہمکو بتائی گئی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جسنے انسان میں یہہ اعلیٰ صفت (ہمدردی) پیدا کی ہے اُسی نے یہہ ترتیب بھی بتائی ہے۔ کیونکہ اُسکے فعل اور قول میں تطابق کا ہونا ضروری ہے اور وہ کبھی مختلف نہیں ہو سکتے۔

قرآن مجید کو جب ہم کھولتے ہیں تو شروع ہی میں یہہ آیتیں پاتے ہیں " الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ عَلٰي هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۭ یعنی اس کتاب کے کلام خدا ہونے میں شک نہیں ہے۔ سیدھی راہ بتانے والی ہے اُن پرہیزگاروں کو جو ایماں لاتے ہیں آنکھ سے اوجھل (الغیب) پر اور ٹھیک طور سے ادا کرتے ہیں نماز۔ اور جو کچھ مال حلال سے اُنکو دیا ہے اُسمیں سے دیتے ہیں (مستحقوں کو) اور وہ

لوگ جو ایمان لاتے ہیں اُس چیز پر جو تجھ پر (اے ہمارے رسول) اُتاری
گئی ہے اور اس پر بھی جو تجھ سے پہلے اُتارا گیا ہے (اور نبیوں پر) اور
آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی مہربانی
سے سیدھی راہ پر ہیں اور یہی مراد کو پہنچنے والے ہیں" اور اسی مطلب
کو ایک دوسری جگہ یوں بیان فرمایا۔ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ۚ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَأَقَامَ
الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ۚ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ
فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ (سورہ بقرہ ع ۱۴ سیقول) یعنی۔ کچھ ہی نیکی نہیں ہے
کہ اپنے مونہہ پورب اور پچھم کی طرف پھیر لو ولیکن نیکی یہ ہے جو کوئی ایمان
لائے خدا پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور قرآن پر اور نبیوں پر اور
دیوے مال باوجود اوسکی چاہت کے رشتہ داروں اور یتیم بچوں اور ناوار
محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے (یعنی
غلاموں کے آزاد کرنے اور کرانے) میں اور درستی سے پڑھے
نماز اور دیوے زکات اور پورا کرے اپنے اقرار کو جبکہ اقرار کر چکے اور
ثابت قدم رہے سختی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت (جو دشمنانِ
دین کے دفع شر کے لئے ہو) یہی لوگ ہیں جو سچے دل سے ایمان

لئے ہیں اور یہی ہیں صاحب تقویٰ و پرہیزگاری" مدعا یہ کہ نماز
میں مشرق یا مغرب کی طرف مونہہ کر لینا اور خدا اور قیامت اور فرشتوں
اور قرآن اور نبیوں کو مان لینا اور نماز پڑھنی اور زکات دینی اور عہد کو پورا
اور سختی اور تکلیف کو برداشت کرنا قرآن کریم کی نظر میں ایمان دار اور صاحب
تقویٰ ہونیکے لئے کافی نہیں ہے۔ بلکہ مالِ حلال خصوصاً اُس مال میں
سے جو زیادہ محبوب اور مرغوب ہو بلا قید ملت و مذہب اپنے ہمجنسوں
اور جنی نوع کی رفاہ و فلاح کے لئے خرچ کرنا ضروری ہے کہ اسکے بغیر نہ
انسان پورا ایماندار اور متقی ہو سکتا ہے اور نہ خدا کی مہربانی ہی حاصل کر سکتا
ہے جیسا کہ اُسنے خود فرمایا "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ"
(سورۂ آل عمران) یعنی ہرگز خدا کی مہربانی حاصل نہ کر سکو گے جبتک کہ
اُس مال میں سے خرچ نہ کرو گے کہ جس سے محبت رکھتے ہو" چنانچہ
ان مواعظ و احکام کی ایسی تاثیر لوگوں کے دلوں پر ہوئی کہ اکثر صحابۂ کرام باوجود
اُس ایمان و ایقان اور عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ کے جسمیں وہ
اپنی نظیر آپ ہی تھے انفاق فی سبیل اللہ کو سب اعمال خیر پر مقدم سمجھتے
اور اپنے محبوب ترین و مرغوب ترین مال کو بڑے شوق و رغبت سے
راہِ خدا میں خرچ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ جناب علی
مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا نے جو ایک دفعہ ایک کپڑا خریدا اور وہ آپکو اچھا
معلوم ہوا تو آپ نے فوراً ایک مستحق کو دیدیا۔ اور یہ آیۂ کریمہ پڑھی۔ اور
ابو طلحہؓ نے جو انصار میں سے ایک صحابی ہیں اپنا ایک باغ جو انکو بہت

عزیز تھا فوراً اپنے قریب رشتہ داروں پر تقسیم کر دیا۔ اور زید رضؓ بن حارثہ نے اپنا گھوڑا جو اُنکو بہت پسند تھا ایک شخص کو بخشدیا۔ اور ابوذر رضؓ نے جو از جملہ صحابہ مشہور ہیں کچھ مسافر جو اُن کے ہاں آنکر ٹھہرے اور اُن میں سے ایک شخص اُن کے کہنے کے برخلاف اُن کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ جو عمدہ تھا اُسکو اس خیال سے چھوڑ آیا کہ کسیدن اُن کے کام آئیگا اور اُسکے بدلے ایک پتلی دُبلی اونٹنی ذبح کرنے کو لے آیا تو وہ ناخوش ہوئے اور کہا کہ تو نے مجھسے خیانت کی اور مجھکو اُس اونٹ کی کچھ حاجت نہیں۔ مجھکو تو اُسکی حاجت اُس دن ہوگی جبدن میں قبر میں رکھا جاؤنگا اور کہا کہ کیا تو نہیں جانتا ؟ کہ مال میں تین شریک ہیں ایک تقدیر جو تجھسے پوچھنے کی محتاج نہیں۔ دوسرا وارث جو اُسکا منتظر ہے کہ تو مرے اور وہ اُسپر قابض ہوجاے۔ تیسرا تو خود۔ پس نہیں چاہیئے کہ تو تینوں میں کمزور ثابت ہو اور اپنے فائدے کے لئے اُسکو خرچ نہ کرے اور پھر یہی آیہ شریفہ پڑھی اور کہا کہ یہہ اونٹ مجھکو اپنے تمام مال سے پیارا ہے۔ پس میں چاہتا ہوں کہ اِسکو اپنے لئے آگے بھیجوں۔

آیاتِ ذیل کو پڑھو اور دیکھو کہ کسقدر جود و ایثار اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب و تحریص پر مشتمل ہیں۔ اور کس طرح پر بلا لحاظ خویش و بیگانہ اور ملت و مذہب کے عامہ خلایق سے نیکی اور احسان کرنے کی ہدایت کرتی ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا | (۱) یعنی۔ کہدے (اے ہمارے رسول)

يُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ
لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝

(سورہ ابراہیم)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا
رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ
لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا
شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ۝ (سورہ بقرہ)

(۳) اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا
تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ
وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ایضاً

(۴) مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ
وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ
وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ ایضاً

(۵) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا
مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا

میرے اُن بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ پڑھتے
رہیں نماز اور خرچ کرتے رہیں اُس مال حلال میں سے
جو ہم نے انکو دیا ہے پوشیدہ اور ظاہر قبل اسکے کہ
آئے وہ دن کہ جسمیں نہ بیچنا کھوچنا ہے (جو نیک
اعمال خریدے جاسکیں) اور نہ دوستی (جو کام آسکے)

(۲) اے لوگو جو ایمان لائے ہو خیرات دیتے رہو
اُس مال میں سے جو ہم نے تمکو دیا ہے قبل اسکے کہ
آجائے وہ دن جسمیں نہ بیچنا کھوچنا ہے اور نہ دوستی
اور نہ سفارش۔ اور جو ناشکرے ہیں وہی بُرا کرنے
والے ہیں (اپنے حق میں)

(۳) اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور نہ ڈالو اپنے کو ہلاکت
میں اور (اپنے ہمجنسوں سے) نیکی کرو بیشک اللہ دوست
رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔

(۴) جو کچھ تم خرچ کرتے ہو مال میں سے تو وہ تمہارے
ہی لئے ہے اور تم خرچ نہ کروگے مگر خدا کی رضامندی
حاصل کرنے کو اور جو تم خرچ کروگے مال میں سے پورا
پہنچا دیا جائیگا تمہارے پاس اور تمہارا حق رکھ نہ لیا جائیگا۔

(۵) اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرتے رہو
(راہ خدا میں) اپنی کمائی میں سے اچھی چیزیں اور

لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ (ایضاً)

اُسمیں سے بھی جو ہمنے تمہارے لئے زمین میں سے نکالا ہے۔ اور بری چیز کے (راہ خدا میں) دینے کا قصد نکرو کیونکہ وہ بھی تو اُسکو نہیں لیتے بغیر اسکے کہ اُسمیں چشم پوشی کرو۔ اور جان لو کہ بیشک خدا تمہاری خیرات سے غنی ہے تعریف کیا گیا۔

(۶) مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (ایضاً)

(۶) مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال خدا کی رضامندی حاصل کرنیکو اور اپنے دلوں کی ثابتی کے ساتھ ایک باغ کی سی ہے جو اونچی زمین پر ہو جسپر بڑا ہو زور کا مینہ پھر وہ اپنے دوچند پھل لایا ہو اور اگر زور کا مینہ نہ پڑا ہو تو ہلکا ہی (کافی ہو) اور جو تم عمل کرتے ہو خدا اُسکا دیکھنے والا ہے۔

(۷) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (ایضاً)

(۷) جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال رات دن پوشیدہ اور ظاہر تو اُنکے لئے اُنکا بدلا ہے اُنکے پروردگار کے پاس اور نہ اُنکو کچھ خوف ہی ہے اور نہ وہ غمگین ہی ہونگے۔

(۸) مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ

(۸) مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال خدا کی راہ میں ایک دانہ کی سی ہے جسنے سات بالیں نکالی ہوں جنمیں سے ہر ایک میں سو سو دانے ہوں اور خدا اس سے بھی زیادہ کر دیتا ہے جسکے لئے چاہتا ہے

وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (ایضاً) اور اللہ وسیع قدرت والا ہے۔ جاننے والا (خیرات کرنیوالونکی نیتون کا)

اور چونکہ کسیکو کچھ دیکر احسان جتانا یا کوئی ایسی بات کہنی جو اُسکے رنج کا باعث ہو حسنِ اخلاق اور اصلی نیکی کے برخلاف ہے اس لئے فرمایا۔ "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ۝" (سورہ بقرہ) یعنی۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ نہ بلیا میٹ کرو اپنی خیراتوں کو احسان جتانے اور دل دکھانے سے اُس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کو اور (اُس شخص کی مانند جو) ایمان نہیں رکھتا خدا اور اخیرون پر۔ کیونکہ اسکی (یعنی اسطرح پر خیرات کرنیکی) مثال تو ایک صاف چٹان کی سی ہے جسپر کچھ مٹی ہو پھر پڑا ہو اُسپر زور کا مینہ اور چھوڑ گیا ہو اُسکو صفا چٹ جو کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے اپنی کمائی سے اور اللہ ہدایت نہیں کرتا کافران نعمت کرنے والوں کو۔ یعنی جو مال و دولت پاکر ادائے شکر کے لئے خالصًا للہ اُسمیں سے کچھ خرچ نہیں کرتے وہ ایسے ہیں کہ گویا اُنکو خدا نے خیر و احسان کرنے کی ہدایت ہی نہیں کی۔ اور ایک اور جگہ فرمایا "اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ

يَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى وَاللّٰهُ
غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝ (سورہ بقرہ) یعنی جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال راہ خدا
میں۔ پھر اُسکے پیچھے احسان نہیں جتاتے اور نہ دل دکھاتے ہیں اُنکے
لئے اُنکا بدلا ہے اُنکے پروردگار کے پاس اور نہ اُنکو کچھ ڈر ہے۔ اور نہ
وہ غمگین ہی ہونگے بات اچھی کہنی اور (سایل کے کہے سنے کو) معاف
کرنا ایسی خیرات سے بہتر ہے جسکے پیچھے دل دکھانا ہو اور اللہ غنی ہے
برداشت والا۔ اور چونکہ خدا جواد و فیاض مطلق ہے اور تب ہی خوش
ہو سکتا ہے کہ جب انسان حتی المقدور اوسکی اس صفت میں حصہ لیوے
یعنی جس طرح وہ محض اپنی فیاضی سے ہوا میں اُڑنے والے پرندوں اور
پانی میں رہنے والے جانوروں اور زمین پر چلنے والے حیوانوں اور انسانوں
یہانتک کہ اپنے منکروں اور مشرکوں کو بھی بلا دریغ اور بلا امتیاز روزی دیتا ہے
یہ بھی بلا قید ملت و مذہب اور دشمنی و دوستی کے اپنے ہمجنسوں کے ہاتھ
نیکی اور احسان سے پیش آئے اور بخل نکرے کہ جس سے تمدن کو
سخت ضرر پہنچتا ہے اسلئے بخل کی بتاکید ممانعت فرمائی اور اُسکے نتیجہ کو
نہایت عمدہ اور دل پر اثر کرنیوالی تمثیل میں یوں بیان فرمایا "اَيَوَدُّ
اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَا
اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ
یعنی کیا تم میں سے کوئی یہ چاہیگا؟ کہ اُسکا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں

کا جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں جسمیں اُسکے لئے سب طرح کے میوے
ہوں اور اُسپر بڑھاپا آگیا ہو اور اُسکے بچے ابھی کمزور ہوں پھر اس حالت
میں ایک آگ سے بھرا ہوا بگولا آکر وہ باغ جلگیا ہو۔ اسی طرح بیان کرتا ہے
خدا تمہارے لئے دلیلیں کہ شاید تم غور کرو" اور اس سے بھی زیادہ تر موثر
تمثیل میں فرمایا وہ "اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ
فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ
فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ" (سورہ توبہ) یعنی جو لوگ جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں
سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اُسکو خدا کی راہ میں۔ پس خوشخبری دے
اُنکو (اے ہمارے رسول) دُکھ دینے والے عذاب کی جس دن کہ تپایا
جائیگا اُس مال کو دوزخ کی آگ میں پھر داغے جائینگے اُسکے ساتھ اُنکے ماتھے
اور پہلو اور پیٹھیں (اور کہا جائیگا) کہ یہہ وہی تو ہے جسکو تمنے اپنے لئے
اکھٹا کیا تھا۔ پس جو تمنے جمع کیا تھا اُسکا مزہ چکھو" اور چونکہ اپنے
ہمجنسوں سے ہمدردی اور اُنکی حاجتوں میں اُنکی مدد کرنی آپ اپنی مدد کرنی
ہے کیونکہ وہ بواسطہ یا بلاواسطہ یا واسطہ در واسطہ ہمارے آرام و آسائش
کے وسیلے ہیں اور اُسکا نہ کرنا خود اپنے آرام و آسایش کے وسیلوں کو نقصان
پہنچانا ہے مگر ہر شخص اس بات کو نہیں سمجھ سکتا اسلئے قرآن کریم نے یہہ
باریک و دقیق مسئلہ یہہ کہکر ہمکو سمجھایا کہ "اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ
وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَھَا" یعنی تمہارا اپنے ہمجنسوں سے نیکی اور احسان سے پیش آنا

خود اپنے ساتھ نیکی اور احسان کرنا ہے اور اُنکا بُرا کرنا اپنا آپ بُرا کرنا ہے۔

اور اسوجہ سے کہ انسان کے وجود اور اوسکی پرورش کا سبب اور ذریعہ خدا کے بعد ماں باپ ہیں خدا کی شکرگزاری کے ساتھ اُنکی شکرگزاری اور اُنسے نکوئی اور ادب سے پیش آنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ فرمایا "وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ؕ" (سورہ بنی اسرائیل) یعنی لازم اور واجب کر چکا ہے (یعنی انسان کی فطرت کا یہ مقتضا قرار دیچکا ہے) تیرا پروردگار کہ نہ پوجو تم مگر اُسی کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی سے پیش آنے کو خواہ تیرے سامنے اُن میں سے ایک بڑھاپے کو پہنچ جاوے یا دونوں ہی سو اُن کو اُف تک نہ کہہ اور نہ اُنکو گھرک اور اُن سے عزت اور ادب کے ساتھ بول اور جھک جا اُن کے آگے فروتنی کے ساتھ نہایت مہربانی سے اور دعا کر کہ اے پروردگار نہایت مہربانی کر اُنپر جس طرح کہ اُنہوں نے مجکو چھٹپن میں پالا" اور فرمایا "وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسَانًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ" یعنی ہم وصیت کر چکے ہیں انسان کو ماں باپ کے حق میں بھلائی کرنے کی جسکو اوسکی ماں نے تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا" اور فرمایا "وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ

عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ط" (سورہ لقمان) یعنی
وصیت کر چکے ہیں ہم انسان کو اُسکے ماں باپ کے حق میں جس کو اوسکی
ماں اُٹھائے رہی تکلیف پر تکلیف میں اور اوسکا دودھ چھٹتا ہے دو برس
میں۔ اِس امر کی کہ شکر بجا لا میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر میرے ہی پاس
آنا ہے" اور چونکہ غلام اور یتیم اور نادار محتاج اپنی کفالت آپ نہیں
کر سکتے اسلئے اُن کے ساتھ رعایت اور احسان کی ہدایت ایسے بلیغ
اور موثر الفاظ میں فرمائی جس سے زیادہ ناممکن ہے۔ چنانچہ فرمایا "وَلَقَدْ
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ط اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ط
يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ط اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗ اَحَدٌ ط اَلَمْ نَجْعَلْ
لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ط فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ
وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ط فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ
يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ط (سورہ بلد) یعنی تحقیق پیدا کیا ہم
نے آدمی کو محنت اور مشقت میں۔ کیا اُسکو یہ گمان ہے کہ اُسپر کسی کا بس
نہیں چلنے کا؟ جو یہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال برباد کر ڈالا۔ کیا اُسکو
یہ گمان ہے کہ کسی نے اُسکو دیکھا نہیں (بیجا خرچ کرتے)؟
اور کیا ہم نے نہیں دی اُسکو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ؟
اور دکھا دیئے ہم نے اُسکو (خیر و شر کے) دونوں نمایاں رستے۔ پھر بھی
طے نہ کیا اُسنے گھاٹی کو اور تو کیا سمجھا (اے ہمارے رسول) کہ کیا ہے
طے کرنا گھاٹی کا۔ وہ گردن چھڑانا (یعنی غلام آزاد کرنا) ہے یا قرابت دار

یتیم یا خاک میں رُلتے محتاج کو بھوک کے دن میں کھانا کھلانا"، اور خیرات
کرنے کو خواہ وہ کسی طور پر ہو اگرچہ اچھا کہا مگر پوشیدہ طور پر دینے کو بہتر اور
گناہوں کا کفارہ بتایا۔ چنانچہ فرمایا "اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ
وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ
سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ یعنی اگر تم علانیہ خیرات کرو تو یہ بھی اچھا
ہے اور اگر اسکو چھپا کر محتاجوں کو دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ اچھا ہے
اور کفّارہ ہوگا تمہارے گناہوں کا اور اللہ تمہارے عملوں کا جاننے والا ہے"
الحاصل قرآن کریم نے نیکی و احسان اور خیرات و مبرّات کے
باب میں جو احکام فرمائے ہیں ایسے کامل و اکمل اور عام و تام ہیں کہ طبقات
انسانی میں سے کوئی ایک طبقہ بھی مستثنےٰ اور محروم نہیں رکھا گیا اور دنیا کے
مذاہب میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے کہ جسمیں ایسے جامع اور تمام اصناف
بنی آدم کو شامل۔ اور قانونِ قدرت اور مقتضاے فطرت کے موافق خیرات
کرنے کے احکام موجود ہوں۔ چنانچہ مسٹر اڈورڈ گبن اپنی مشہور تاریخ
کی چھوٹی جلد کے پچاسویں باب میں لکھتے ہیں کہ "مسلمانوں کی خیرات
جانوروں تک کے حق میں ہوتی ہے"۔ اور قرآن میں محتاج اور مسکین

---

† بخاری اور مسلم نے بالاتفاق روایت کی ہے کہ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
"غُفِرَ لِامْرَاَةٍ مُوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَاْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُ الْعَطَشُ
فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَوَثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ" قِيْلَ اِنَّ لَنَا
فِي الْبَهَائِمِ اَجْرًا؟ قَالَ فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ" یعنی فرمایا رسولِ خدا

کی اعانت کرنے کی مکرر تاکید ہوئی ہے اور حکم ناگزیر کے طور پر واجب
قرار دیگئی ہے۔ شاید محمدؐ ہی ایسے صاحب شریعت ہیں جنھوں نے
خیرات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا ہو۔ اسکی مقدار معین۔ مال کی نوعیت
اور مقدار پر بدلتی ہے۔ مثلاً زر نقد۔ غلہ۔ مویشی۔ پھل اور اسباب تجارت
مگر جب تک کہ مسلمان اپنے مال کا دسواں حصہ نہ دے اُسنے شریعت
کی تکمیل نہیں کی۔ درحقیقت فیاضی بنیاد ہے عدالت کی۔ اور جن لوگوں کی
اعانت ہمکو لازم ہے اُنکو ضرر پہنچانا ممنوع ہے۔ کوئی نبیؐ عالم لاہوت
اور برزخ کی پوشیدہ باتیں اور بھید بیان کیا کرے مگر احسانیات کے
احکام میں اُسکو ہمارے ہی دل کے احکام بیان کرنے ہونگے" اور اس
مضمون کے حاشیہ میں تحریر کیا ہے کہ "مراکشی نے تعصب کے مارے
دو من کیتھلکوں کی زیادہ خیرات وصدقات کا شمار کیا ہے کہ "پندرہ
ہزار شفاخانے ہزاروں بیماروں اور زیارت کے لئے آنے والوں کی
خاطر بنے ہوے ہیں اور پندرہ سو عورتوں کو ہر سال جہیز ملتا ہے اور
چھبیس[۵۶] خیراتی مدرسے قایم ہیں اور ایکسو بیس[۱۲۰] انجمنیں برادران ایمانی کی اپنے
بھائیوں کی اعانت کرتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور لندن کی فیاضی تو

نقلہ صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ بخشی گئی ایک عورت جو فاجرہ تھی جسنے ایک کتے کو کنوئیں کے کنارے
پر زبان نکالے پڑا دیکھا جو قریب تھا کہ پیاس کی شدت اُسکو مار ڈالے۔ پس اُسنے اپنے موزے کو
اوڑھنی سے باندھکر اُسکے لئے پانی نکالا پس اسی پر وہ بخشی گئی" لوگوں نے جو عرض کیا کہ کیا ہمارے
لئے چوپایوں میں بھی کچھ ثواب ہے؟ فرمایا آنحضرت نے کہ ہر ایک میں جو جگر تر رکھتا ہو ثواب ہے

اس سے بھی بڑھکر ہے"، مگر مجھے اندیشہ ہے کہ بہت کچھ اسمیں سے لوگوں کی انسانیت کی طرف منسوب ہوسکتا ہے نہ یہ کہ مذہب کی حیثیت سے ہو" انتہی قولہ

اور مسٹر ابراہام ریس نے اپنے انسائیکلوپیڈیا میں تحت لفظ (آمنہ) لکھا ہے کہ "خیرات دینے میں اکثر اولاد کی رغبت دلانے میں مسلمانوں کے مذہب سے زیادہ سرگرم کوئی مذہب نہیں ہے۔ قرآن نے قبول دعا کے لئے خیرات کرنے کو واجب قرار دیا ہے۔ اور خلیفہ عمر بن عبد العزیز کا قول تھا کہ "نماز ہمکو آدھے رستہ تک پہنچاتی ہے اور روزے ہمکو عرش الٰہی کے دروازے تک لیجاتے ہیں اور خیرات (زکوٰۃ) سے ہمکو خدا کے گھر تک دخل ملتا ہے"۔

خیرات کو اہل اسلام بہت ہی ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور بہت سے مسلمان خیرات دینے کی شہرت میں ضرب المثل ہیں بالتخصیص حسنؑ بن علیؑ جو محمدؐ کے نواسے تھے۔ روایت ہے کہ انہوں نے اپنی حیات میں تین مرتبہ اپنا مال محتاجوں کو نصفا نصف[۵۱] بانٹ دیا۔ اور دو مرتبہ تو جو کچھ تھا سب[۵۲] دیدیا۔ اور عوام مسلمین نیکیاں کرنیکے ایسے عادی ہورہے ہیں

یعنی ہر ایک جاندار کو کھلانا پلانا ثواب ہے بشرطیکہ موذی اور واجب القتل نہو مثل سانپ وغیرہ کے (دیکھو کتاب مشکوٰۃ۔ باب فضل الصدقۃ)

۵۱ یہانتک کہ ایک پاؤں کی جوتی بھی دیدی ۱۲ مؤلف عفی عنہ

۵۲ منقول ہے کہ آپکی کثرت جود وایثار کو دیکھکر معاویہ بن ابوسفیان نے جو اکثر وقتاً فوقتاً آپکو ہدیہ بھیجا کہ "لاخیر فی الاسراف"، یعنی فضول خرچی میں بھلائی نہیں ہے۔ تو آپنے اُسی کے الفاظ کو پلٹ کر یہ لکھدیا کہ "لا اسوف فی الخیر" یعنی نیک کاموں میں خرچ کرنا اسراف نہیں ۱۲ مؤلف

کہ حیوانات تک سے وہ نیکی کرتے ہیں"

اس موقع پر ہم حضرت علی مرتضیٰ اور آپ کے اہلبیت علیہم السلام کے اُس حیرت انگیز طریقہ خیرات و مبرات کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے جسکا بیان سورہ دھر کی شروع کی آیتوں میں ہے اور جو اسلام کی اعلیٰ و افضل تعلیمات کا ایک کامل و اکمل نمونہ ہے۔ اور وہ آیتیں یہ ہیں۔ "یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا ۝ یعنی پورا کرتے ہیں منت کو اور خوف کرتے ہیں اُس دن کا جسکی مصیبت اور تکلیف پھیل جانے والی ہے (یعنی روز قیامت کا) اور کھلاتے ہیں کھانا باوجود اُسکی خواہش اور احتیاج کے نادار محتاج اور یتیم اور قیدی کو (زبان حال سے یہ کہتے ہوئے کہ) ہم کھانا کھلاتے ہیں تمکو صرف خدا کی رضامندی کے لئے اور تمسے کسی عوض یا شکرانہ کے خواہشمند نہیں ہیں۔ تحقیق ہمکو ڈر ہے اپنے پروردگار سے اُس دن کا جو اُداس اور نہایت سخت ہے" اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایکدفعہ حسنین علیہما السلام بیمار ہو گئے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو عیادت کو تشریف لے گئے تو حصول صحت کے لئے کچھ خدا کی نذر ماننے کو فرمایا۔ پس حضرت علیؑ مرتضیٰ اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا اور انکی لونڈی فضہ نے تین تین روزے مانے۔ اور صاحبزادوں کو خدا نے صحت بخشی تو پانچوں حضرات نے روزہ رکھا اور چونکہ کثرت جود و ایثار

کی وجہ سے افطار کے بعد کھانیکے لئے گھر میں کچھ موجود نہ تھا اسلئے جناب
ابوالحسنین علیہ السلام روزہ کے دن سے پہلے تمام شب ایک شخص
کے باغیچہ میں کنوے سے پانی دینے کا کام کرتے رہے اور صبحکو اُجرت
میں اُس سے کچھ جَو لائے جن میں سے ایک ثلث کو جناب سیّدہ
نے پیسکر پانچ روٹیاں پکائیں اور جب افطار کرنے اور تناول فرمانے
کو بیٹھے تو یکایک ایک محتاج ڈیوڑھی پر آکر پکارا جسکو جناب علی مرتضیٰ
نے اپنے حصہ کی روٹی دیدی اور آپ کی تقلید سے باقی حضرات نے بھی
دیدیں اور صرف پانی سے روزہ افطار کرلیا۔ اسی طرح اگلے روز روزہ رکھا گیا
اور جَو پیسے اور پکائے گئے اور افطار کے وقت جو ایک یتیم نے آکر سوال
کیا تو سب روٹیاں اُسی طرح دیدی گئیں اور اُس روز بھی پانی ہی پر قناعت
کی ایسا ہی اتفاق تیسرے روزہ کے دن ہوا کہ افطار کے وقت ایک قیدی
(جو حربی کافر تھا) آگیا۔ اسکو بھی سب روٹیاں دیدی گئیں اور خود پانی پیکر
شکر خدا کیا گیا۔

اہلبیت علیہم السلام کے اس رحیمانہ و فیاضانہ برتاؤ سے چند ایسی نصیحتیں
حاصل ہوتی ہیں جو اسلام کی اعلیٰ تعلیمات کے ثابت کرنے کو ہر ایک بجائے خود
ایک واضح دلیل ہے۔

اول یہ کہ ہر ایک مصیبت و تکلیف میں صرف خدا کی ذات مقدس
پر بھروسہ کرنا اور اُسکے دفعیہ کے لئے صرف اُسی سے ملتجی ہونا۔

دوئم رزق حلال کے حصول کے لئے کسی محنت اور مزدوری

کے کر لینے کو معیوب نہ جاننا۔ اور اپنی مدد آپ کرنے (سلف ہیلپ)
کے مسئلہ پر عمل کرنا جو تمام برکتوں کی جڑ اور ترقی تہذیب کی اصل و بنیاد ہے
سویم۔ غیر کی حاجت کو خواہ وہ کوئی کیوں نہو اور کچھ ہی مذہب و ملت
کیوں نہ رکھتا ہو اپنی حاجت پر مقدم رکھنا۔
چھارم۔ غایت درجہ کی تکلیف پر بھی صبر کرنا اور اپنے فرض کو نہایت
استقلال اور رضاے خاطر سے بجالانا۔
پنجم۔ احسان کر کے اُسکے عوض کا طالب نہونا اور نہ احسان کی نیت
سے احسان کرنا بلکہ جو کچھ کرنا محض لوجہ اللہ کرنا۔

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب اپنی کتاب (محمد اینڈ محمدان ازم)
میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "ڈین سٹینلی کسیقدر فخر کے ساتھ مگر عام طور
پر سچائی کے ساتھ یہ سوال کرتا ہے کہ "آیا قرآن میں کوئی ایک بھی سورہ
ایسا ہے؟ جو سینٹ پال کے بیان خیرات کے مقابلہ میں ثبوت الہام
کہا جا سکے"، مگر یہ کہنا ضرور ہے کہ محمد کے ایسے اقوال حفاظت کے
ساتھ قائم رکھے گئے ہیں جو اگرچہ اُس بیان کے تو کسیقدر برابر نہیں ہیں
جو سب سے بڑے حواری کا نہایت اعلیٰ درجہ کا بیان ہے۔ مگر تاہم وہ
اس عیسوی صفت یعنی خیرات کے نیچر اور اوسکی جامعیت پر ایک حقیقی
اور عمیق نظر ظاہر کرتے ہیں اور بہر حال ایسے ہیں کہ کارنتھیوں کے نام کے
پہلے خط کے تیرہویں باب کی تشریح کے طور پر کام میں آسکتے ہیں اور وہ
سوال و جواب کے طور پر ہیں"

اور اسکے بعد اُنہوں نے ایک حدیث* کا ترجمہ لکھا ہے جس کا
ترجمہ یہہ ہے "جب خدا نے زمین بنائی تو یہہ برابر ہلے جاتی تھی تا وقتیکہ
خدا نے پہاڑ بنائے تاکہ اسے قایم کردے۔ اُسوقت فرشتوں نے پوچھا
کہ اے خدا تیری مخلوقات میں کوئی شے پہاڑوں سے بھی زیادہ قوی
ہے؟ خدا نے فرمایا کہ ہاں لوہا پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہے
کیونکہ وہ اُنکو توڑ دیتا ہے۔ پھر فرشتوں نے کہا کہ لوہے سے کوئی شے
تیری مخلوقات میں قوی ہے؟ خدا نے کہا ہاں آگ لوہے سے قوی
ہے کیونکہ وہ اُسے پگھلا دیتی ہے پھر اُنہوں نے کہا کہ کیا کوئی شے
آگ سے بھی قوی ہے؟ خدا نے کہا ہاں پانی آگ سے بھی قوی ہے
کیونکہ وہ اُسے بجھا دیتا ہے۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ کیا کوئی شے پانی
سے بھی قوی ہے۔ کہا ہاں ہوا پانی سے بھی زیادہ قوی ہے کیونکہ
وہ اُسمیں حرکت پیدا کردیتی ہے۔ پھر فرشتوں نے کہا کہ اے ہمارے
پروردگار کیا کوئی شے تیری مخلوقات میں ہوا سے بھی قوی ہے؟ کہا
ہاں وہ نیک بندہ جو دائیں ہاتھ سے اس طرح خیرات دیتا ہے کہ بائیں
کو خبر نہیں ہوتی وہ سب چیزوں پر غالب ہے" انتہی قولہ

مگر ہم کہتے ہیں کہ جس جامعیت اور عمدگی اور نظام فطری کی رعایت
سے قرآن مجید نے خیرات کے احکام کو بیان فرمایا ہے اور جن میں سے

* معلوم نہیں کہ مسٹر دیاسور رقمہ تمتہ صاحب نے یہہ حدیث کس کتاب سے نقل کی ہے پس ہم
نہیں کہہ سکتے کہ اسکے اسناد معتبر اور صحیح ہیں یا نہیں۔ منہ لف عفی عنہ

چند ہمنے اور پیش کئے ہین اگر مسٹر سٹیتلی اُنپر غور کرتے تو ہمکو یقین ہے کہ ہرگز ہرگز اُنکو اس سوال کرنے اور سینٹ پال کے خط کا حوالہ دینے کی جرأت نہوتی اور خدا توفیق دیتا تو وہ ضرور قرآن مجید کے الہامی اور ربانی الاصل ہونے کو تسلیم کر لیتے۔

آیات مندرجہ ذیل کو پڑہو اور دیکھو کہ کن اوصاف کے لوگون کو قرآن مجید خدا کی بخشش اور رحمت کا مستحق قرار دیتا ہے اور بُرائیون کے چھوڑنے اور نیکیون کے اختیار کرنے کی کس طور پر ہدایت فرماتا ہے

(۱) اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ	(۱) وہ لوگ جو خرچ کرتے ہین (اپنا مال) فراخی اور
وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ	تنگی مین اور پی جاتے ہین غصہ کو (باوجود انتقام
وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ	کی قدرت کے) اور معاف کر دیتے ہین لوگون
الْمُحْسِنِیْنَ ۚ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا	کو اُنکے گناہ اور خدا دوست رکھتا ہے (بُرائی کے بدلے)
فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا	بھلائی کرنے والونکو * اور وہ لوگ کہ جب کوئی
اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ ۫ وَمَنْ	بڑا گناہ یا اپنے حق مین بُرائی کر بیٹھتے ہین تو اُنکو
یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ ۫ وَلَمْ	فوراً خدا یاد آجاتا ہے اور اپنے گناہون کی معافی
یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ	مانگتے ہین اور کون بخش سکتا ہے گناہونکو سوا خدا کے

* منقول ہے کہ ایک روز جناب امام ہمام سید الساجدین زین العابدین علی بن حسین بن علی علیہم السلام وضو کرتے تھے۔ لونڈی جو پانی دے رہی تھی اُسکے ہاتھ سے پانی کا لوٹا گر گیا اور اُنکا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ پس آپ نے جو اُسکی طرف دیکھا تو اُسنے فوراً کہا "والکاظمین الغیظ" آپنے فرمایا کہ مین خفا نہین اُسنے پھر کہا "والعافین عن الناس" آپ نے کہا خدا تجکو معاف کرے۔ اُسنے پھر کہا "واللہ یحب المحسنین" آپنے فرمایا جا مینے تجکو خدا کے لئے آزاد کیا

يَعْلَمُونَ ۝ أُولَٰئِكَ جَزَآؤُهُمْ
هُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَ
جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ وَنِعْمَ
أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝ (آل عمران)
(۲) التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ
الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ
السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ
عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ
لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ (سورہ توبہ)
(۳) الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَ
لَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ۝ وَالَّذِينَ
يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ
وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ
سُوءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِينَ صَبَرُوا
ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا

اور جو اپنے کئے پر ہٹ نہین کرتے اور وہ جانتے
بھی ہین (کہ وہ گناہ ہے) یہی لوگ ہین جنکا بدلہ
بخشش ہے اُنکے پروردگار کی طرف سے اور باغ
جنکے نیچے نہرین بہتی ہین ہمیشہ رہینگے جنمین اور
(یہ) بہترین بدلا ہے (نیک) عمل کرنیوالونکا
(۲) (جنت اُنکے لئے ہے) جو توبہ کرتے ہین
عبادت کرتے ہین۔ شکر بجالاتے ہین سفر کرتے
ہین (راہ خدا مین) رکوع کرتے ہین۔ سجدہ کرتے ہین
نیک کاموں کے کرنے کی ہدایت کرتے ہین اور بُرے
کاموں سے روکتے ہین۔ اور خدا کی حدون کی حفاظت
کرتے ہین (یعنی اوسکے اوامر و نواہی کی پابندی کرتے ہین)
(۳) وہ لوگ جو پورا کرتے ہین خدا کے عہد کو (یعنی
جو خدا نے عقلاً اور سمعاً اُنپر واجب کر دیا ہے اُسکو بجالاتے
ہین) اور نہین توڑتے عہد کو (جو آپس مین کرتے ہین
اور وہ لوگ جو ملائے رہتے ہین اُس چیز کو جسکے ملائے
رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے (یعنی قرابت داروں سے
قطع تعلق نہین کرتے) اور خوف کرتے ہین اپنے

* منقول ہے کہ جناب امام برحق ناطق جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام کی وفات کا وقت جب
قریب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ حسن بن حسین بن علی کو (جسکو افطس بھی کہتے تھے اور جو آپ کا
چچازاد بھائی تھا) بُلا لاؤ۔ اسپر آپکے اہلبیت مین سے ایک بی بی نے

الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ (سورۂ رعد)

پروردگار کا اور ڈرتے ہین حساب کی سختی سے اور وہ لوگ جو صبر کرتے ہین اپنے پروردگار کی رضامندی کیلئے اور ٹھیک طور پر پڑھتے رہتے ہین نماز۔ اور خرچ کرتے رہتے ہین اُسمین سے جو ہمنے اُنکو دیا ہے پوشیدہ اور ظاہر اور دور کرتے ہین بھلائی کیساتھ برائی کو (یعنی برائی کے بدلے بھلائی کرتے ہین) یہی لوگ ہین جنکے لئے ہے دار آخرت۔

(۴) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝ ایضاً

(۴) وہ لوگ جو ایمان لائے ہین اور جنکے دل خدا کی یاد سے تسلی پاتے ہین۔ سنو خدا ہی کی یاد سے دل تسلی پاتے ہین۔ وہ لوگ جو ایمان لائے ہین اور جنہون نے نیک کام کئے ہین اُنہین کیلئے ہے خوشحالی اور عمدہ مقام بازگشت۔

(۵) وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (سورہ حج)

(۵) اور خوشخبری دے (اے ہمارے پیغمبر) اُن عاجزی کرنے والون کو کہ جب خدا یاد دلایا جاتا ہے تو ڈر جاتے ہین اُنکے دل اور صبر کرنے والونکو جو اُن اور مصیبتون پر (طاعت خدا مین) اور درستی سے نماز پڑھنے والون اور اُسمین سے جو ہمنے اُنکو دیا ہے

عرض کیا کہ کیا آپ ایسے شخص کو دیدیتے ہین جسنے آپ پر چوری کے ساتھ حملہ کیا تھا؟ آپ نے فرمایا افسوس ہے تجربہ کیا تو نے نہین پڑھا جو خدا نے فرمایا ہے؟ اور پھر یہی آیہ شریفہ پڑھی (دیکھو تفسیر مجمع البیان)

خیرات کرنے والون کو۔

(۶) قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ
هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ
مُعْرِضُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ
هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ
اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ
يُحَافِظُوْنَ ۘ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْوٰرِثُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ
الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۚ

(۶) بیشک مراد کو پہنچگئے وہ ایمان والے جو اپنی نماز عجز و نیاز کے ساتھ ادا کرتے ہین۔ اور جو گناہ کی باتون سے بچتے ہین اور وہ جو زکات دیتے ہین۔ اور وہ جو اپنے اعضاے شہوت کو روکے رہتے ہین۔ جو اپنی بیویون کے یا اونکے جو اونکے قبضہ مین آچکی ہین۔ سو وہ لوگ ملامت کے لایق نہین اور جو اسکے سوا خواہش کرتے ہین وہ حد سے بڑھجانے والے ہین۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتون کی اور اپنے عہد و پیمان کی حفاظت کرتے ہین۔ اور وہ لوگ جو اپنی نمازون کو وقت پر ادا کرتے ہین۔ یہی لوگ ہین میراث پانے والے جو فردوس کو ورثہ مین پائینگے جس مین ہمیشہ رہین گے۔

(۷) اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ
خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۙ
وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ

(۷) بیشک وہ لوگ جو اپنے مالک کے خوف سے ڈرتے ہین۔ اور جو اپنے پروردگار کے احکام پر یقین رکھتے ہین۔ اور وہ جو

رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ	اپنے مالک کا کیسکو شریک نہین بناتے۔
هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۝	اور وہ لوگ جو دیتے ہین جو کچھ کہ دیتے
وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّ	ہین دلون مین اندیشہ کرتے ہوئے (کہ
قُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ	قبول ہویا نہو) (کیونکہ انکو یقین ہے کہ آخرکار)
إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝	وہ اپنے مالک کی طرف لوٹنے والے ہین
أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي	یہی لوگ ہین جو ایکدوسرے سے بڑہنا چاہتے
الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝	ہین نیک کامون مین اور اُنکو بڑہ بڑہ کر لیجانے ہین
(۹) عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ (سورہ فرقان مکی)	(۹) بندے رحمان کے تو وہ ہین جو چلتے
يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا	ہین زمین پر غریبی کے ساتھہ۔ اور جب بے سمجھہ
وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ	لوگ اُن سے جہالت کی گفتگو کرتے ہین تو
قَالُوا سَلَامًا ۝ وَالَّذِينَ	معقولیت سے جواب دیتے ہین۔ اور وہ
يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ	لوگ بوقت گزارتے ہین اپنے پروردگار کے
قِيَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا	آگے سجود اور قیام مین۔ اور وہ لوگ جو یہہ دعا
اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ	کرتے ہین کہ اے ہمارے پروردگار، دور رکھہ
إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝	ہمسے عذاب دوزخ کو۔ بیشک اُسکا عذاب
إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ	ایسا ہے کہ جس سے بچا نہین چھوٹ سکتا۔ بیشک
مُقَامًا ۝ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا	وہ بہت ہی بری جگہہ ٹھیرنے اور رہنے کی ہے
لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَ	اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگتے ہین تو نہ فضول
كَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ۝	ہی کرتے ہین اور نہ بخیلی ہی۔ اور اسکے بین بین

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ
اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا
يَزْنُوْنَ ۚ (سورہ فرقان)

گزران کرتے ہین - اور جو کہ خدا کے ساتھ کسی
اور کو شریک نہین کرتے اور نہ خون ناحق کرتے
ہین جسکو خدا نے حرام کر دیا ہے - اور نہ زنا کرتے ہین
(۹)

(۹) وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ
الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا
بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا
وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ
رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا
صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ
اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ
وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝
اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا
صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً
وَّسَلَامًا ۝ (ایضًا)

اور وہ جو گناہ کی باتون مین شریک نہین ہوتے یا
جھوٹی گواہی نہین دیتے - اور جب کبھی اہل معصیت
کے پاس سے گزرتے ہین تو اپنے کو بچاے
ہوئے نکل جاتے ہین - اور وہ لوگ کہ جب اُنکو
نصیحت کیجاتی ہے اُنکے پروردگار کی بتائی ہوئی
دلیلون کے ساتھ تو نہین گر پڑتے اُپر بہرے اور
اندھے ہوکر (یعنی اُنکو اُن سُنا اور اُن دیکھا نہین
کر دیتے) اور وہ جو دُعا کرتے ہین کہ اے ہمارے
پروردگار عطا کر ہمکو ایسی بیویان اور بچے جو اُنکو ہماری
کی ٹھنڈک ہون اور بنا دے ہمکو پرہیزگارون کا
پیشوا یہی لوگ ہین کہ جنکو انعام مین مقام بلند دیا جائیگا
(جنت مین) بسبب اُنکے صبر کرنے (اطاعت الٰہی مین)
اور اُنکی وہان تعظیم و تکریم کی جائیگی -

(۱۰) اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

(۱۰) وہ لوگ جو درستی سے ادا کرتے ہین نماز
اور دیتے ہین زکات اور آخرت پر بھی اُن کو

هُمْ يُوقِنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (سورہ لقمان)

یقین ہے۔ وہی ہیں اپنے پروردگار کی مہربانی سے سیدھی راہ پر۔ اور وہی ہیں مُراد کو پہنچنے والے۔

(۱۱) إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝ (سورہ احزاب)

(۱۱) بیشک مُسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور بندگی کرنے والے اور بندگی کرنے والیاں اور سچ بولنے والے اور سچ بولنے والیاں اور صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات دینے والے اور خیرات دینے والیاں اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ مہیّا کر چھوڑی ہے خدا نے اُنکے لئے آمرزش اور بہت بڑا ثواب۔

(۱۲) الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ۝

(۱۲) وہ لوگ جو بچتے ہیں بڑے اور ظلم کُملّا گناہوں سے اور جب طیش میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَ	اور وہ لوگ جو قبول کرتے ہین فرمان اپنے
أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَمْرُهُمْ شُورٰى	پروردگار کے اور پڑھتے رہتے ہین نماز اور
بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۝	جو کام کرتے ہین مشورت سے کرتے ہین اور
وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ	اُسمین سے جو دیتے ہے اُنکو دیا ہے للہ دیتے ہین
هُمْ يَنْتَصِرُونَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ	اور وہ لوگ کہ جب اُنپر ظلم زیادتی ہوتی ہے تو
سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ	ایک دوسرے کی مدد کرتے ہین - اور بدلا برائی کا
أَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّهُ	برائی ہے (مگر) اُسیقدر - پھر جس شخص نے معاف
لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِينَ ۝ وَلَمَنِ	کردیا اور جھگڑا چکا دیا تو اُسکا اجر خدا کے ذمہ ہے
انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَأُولٰٓئِكَ	بیشبہ خدا ظالموں کو دوست نہیں رکھتا - اور جو
مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ۚ إِنَّمَا السَّبِيلُ	لوگ بدلا لیتے ہین اپنے پر ظلم کا تو اُنپر کچھ الزام نہین ہے
عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَ	الزام تو اُنہیں پر ہے جو لوگون پر تعدی کرتے
يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ	اور ملک مین ناحق ظلم زیادتی کے مرتکب ہوتے ہین
أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝	یہی لوگ ہیں جو سخت عذاب کے مستحق ہیں اور
وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ	وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور معاف کردیتے
لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ (شوریٰ)	ہیں تو یہ تو بیشک بڑی ہمت کا کام ہے -

بیان بالا سے ثابت ہے کہ قرآن مجید نے جس طرح انسان کی باطنی یعنی روحانی اور اخلاقی حالت کی اصلاح اور اُسکے ترقی دینے میں کوشش کی ہے اُسی طرح اُسکی ظاہری اور مادی حالت کی ترقی اور اصلاح مین بھی کوتاہی نہین کی - اور اوسکے مواعظ و احکام سے جیسے کہ

فرداً فرداً لوگوں کی باطنی اور ظاہری حالت کی اصلاح اور ترقی ہوئی
ویسے ہی اُنکی مجموعی اور تمدنی حالت کو عظمت و شوکت اور عزت اور عروج
حاصل ہوا۔ اور اگرچہ اُسکا اصلی اور مقصود بالذات کام انسان کی روحانی اور
اخلاقی حالت کی اصلاح کرنا اور اُسکو ترقی دیکر اُس اعلیٰ درجہ کو پہنچا دینا تھا کہ جسکے
لئے وہ مخلوق ہوا ہے۔ یعنی تقرب ذاتِ مقدسِ الٰہی اور حیاتِ آخرت اور
علم غیر محسوس کی غیر محدود سعادت و مسرت کا حاصل کرنا۔ مگر یہ اُسکی کمال خوبی
اور عمدگی کی دلیل ہے کہ اوسنے روحانی اور اخلاقی نیکیوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ
تمدن اور حسن معاشرت کی نیکیوں کی بھی بدرجہ اتم تعلیم کی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ
لوگوں کی روحانی ترقی اور عروج کے ساتھ اُنکی ظاہری اور تمدنی حالت کی بھی
اصلاح اور ترقی ہوتی گئی۔ اور آخرکار وہ مدعا حاصل ہوگیا جو نبی آخرالزمان صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصود تھا۔ اور جسکی نسبت خدا نے یہ فرمایا ہے "هُوَ
الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَ
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ" سورہ جمعہ
یعنی خدا تو وہ ہے جسنے بھیجا اَن پڑھوں میں اُن ہی میں سے ایک پیغمبر
جو پڑھ سُناتا ہے اُنکو اُسکے احکام اور اُنکو پاک و صاف کرتا ہے (یعنی تزکیۂ
نفس اور پاک باطنی کی تعلیم کرتا ہے) اور سکھاتا ہے اُنکو کتابِ خدا اور
شریعتِ الٰہی۔ اور جو بیشبہ اس سے پہلے کھلم کھلا گمراہی میں تھے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید نے تہذیب اور شائستگی کے دونوں ارکان
یعنی انسان کی باطنی اور ظاہری اور ذاتی اور مجموعی حالت کے ترقی دینے پر

ایک ساتھ توجہ فرمائی اور اس طرح پر شائستگی کی تاریخ میں اپنے لئے وہ
جگہہ حاصل کی جو کسی اور کتاب کو خواہ وہ الہامی ہی کیوں نہو کبھی حاصل نہیں
ہوئی اور نہ اب ہو سکتی ہے۔ برخلاف انجیل کے کہ اُسمیں اُسکا صرف
ایک ہی رکن ملحوظ ہوا ہے۔ اور دوسرے رکن پر بالکل توجہ نہیں کی گئی
چنانچہ مانشیو رابیف گیزو جو ایک مشہور و معروف فرانسیس فلاسفر اور مؤرخ
تھا اپنے ایک لکچر میں جو یورپ کی تہذیب پر دیا تھا اور جو "تہذیب الاخلاق"
مطبوعہ ماہ شوال ذوالقعدہ ۱۲۹۱ھ ہجری میں انگریزی ترجمہ سے ترجمہ ہو کر چھاپا گیا
تھا۔ لکھتا ہے کہ "جب عیسائی مذہب ظاہر ہوا تو اُسکی ابتدائی حالت
میں اُسکا اثر اور اُسکی مداخلت لوگوں کی مجموعی حالت میں کچھہ نہیں ہوئی چنانچہ
حامیان مذہب نے علانیہ منادی کی کہ اِس مذہب کو دنیا کی مجموعی حالت سے
کچھہ سروکار نہیں اور اجازت دی کہ غلام اپنے مالک کی اطاعت کریں اور اور
جو بڑی بڑی برائیاں اور خرابیاں اُس زمانہ کے لوگوں میں جائز تھیں اُنکی مذمت
نہیں کی" اور اگرچہ یہہ مصنف اپنے لکچر میں ایک دوسرے موقع پر "یورپ"
کے مجمع خلایق کی مجموعی ترقی اور شائستگی کو اسی سے منسوب کرتا ہے مگر صاف
صاف یہہ بھی کہتا ہے کہ "جب مذہب عیسائی نے مجمع خلایق کے باہمی
تعلقات اور معاشرت کی اصلاح میں بڑا اور اچھا اثر پیدا کیا تو اس سے پیشتر
کتنی صدیاں گزر گئی تھیں اور کیسے کیسے بے انتہا واقعات ظہور میں آئے"
اور اگرچہ اُسکا یورپ کی ترقی اور شائستگی کو سیکڑوں برسوں کے بعد مذہب
عیسائی کی تعلیمات سے منسوب کرنا اور اُسکے اصلی سبب۔ اشاعت فلسفہ اور

تعلیم عام سے چشم پوشی کرنا محض مکابرہ اور اُس مذہبی اثر کی وجہ سے ہے
جسمیں اُسنے پرورش پائی تھی لیکن اگر اُسکو تسلیم بھی کرلیا جاے تو بھی ہم فخر
کے ساتھ کہتے ہیں کہ مذہب اسلام کا عمدہ اور اعلیٰ اثر ایسی سُستی اور تدریج کے
ساتھ نہیں ہوا بلکہ اُسنے ایک نہایت قلیل مدت مین ایک ایسی وحشی اور
ناشایستہ قوم کی حالت کو (جسکی عدیل ونظیر وحشت وضلالت میں وہ آپ ہی تھی)
اور نہ صرف اُسکی حالت کو بلکہ اُسکے ذریعہ سے ایک جہان کے جہان کو ایسا
بدل دیا کہ جسکو دیکھکر حیرت ہوتی ہے اور یقین ہوتا ہے کہ بے شبہہ یہہ ایک معجزانہ
اور ربّانی کام تھا اور ممکن نہ تھا کہ بغیر تائید الٰہی کے کوئی انسانی طاقت ایسا بڑا کام
انجام دے سکتی —

جن لوگوں نے تہذیب وشایستگی کی تاریخ پر غور کی ہے اور اُسکے اسباب
وعلل کو دریافت کیا ہے اُنکی بالاتفاق یہہ راے ہے کہ مذہب ایک ایسا
ذریعہ ہے کہ جسنے سب وقتوں اور تمام ملکوں میں لوگوں کے شایستہ کرنے
کا کام اپنے ذمہ لیکر فخر حاصل کیا ہے" اور وہ اسوجہ سے اُسکو صرف سزاوار
تعریف وتوجہ ہی قرار نہیں دیتے بلکہ اُسکی اہمیت اور خوبی کا اندازہ بالتخصیص
اُس اثر اور دخل کے لحاظ سے کرتے ہین جو تہذیب وشایستگی پر اُسکا ہوتا ہے
اور اُسکو اُس مذہب کی قدر ومنزلت اور سودمندی کا قطعی پیمانہ ٹھہراتے ہیں
پس یہی قاعدہ مذہب اسلام سے بھی متعلق ہے اور اوسکی تعلیمات کی خوبی
کا اندازہ اور جانچ اُن نتایج وتاثیرات کے لحاظ سے کیجاتی ہے جو اوسکی بدولت
فرداً فرداً اور نیز مجمع خلایق کی مجموعی اور مشترکہ حالت پر ہوئیں چنانچہ جن ناظر فدار

اور عالی حوصلہ عیسائی مصنفوں اور مورخوں نے اُسکو اس پیمانہ کے ساتھ ناپا ہے
اور اوسکی جانچ اس قاعدہ پر کی ہے اُنھوں نے ہمارے اِس دعوے کو کہ
" قرآن مجید کی تعلیم بمقابلہ انجیل کی تعلیم کے انسان کی حالت کو ترقی
دینے میں بہت زیادہ کامیاب ہوئی ہے" علانیہ تسلیم کیا ہے اور بڑی
اونچی آواز سے اقرار کیا ہے کہ اسلام انسان کی باطنی اور ظاہری اور ذاتی
اور مجموعی حالت کی اصلاح اور ترقی کا ایک نہایت اعلیٰ ذریعہ ہے اور اُسنے
اپنے اِس عظیم الشان کام کو شروع ہی سے نہایت اعلیٰ اور عمدہ طور پر انجام دیا ہے
چنانچہ سر جان میالکم صاحب آنجہانی سابق سفیر ایران و گورنر بمبئی
باوجود اُس تشدد و تعصب کے جو اُنکو اپنے مذہب میں ہے اپنی بے نظیر
تاریخ ایران کے بائیسویں باب میں لکھتے ہیں کہ " بالجملہ محمدؐ را خلقے نیکو و خصائے
حاضر و شجاعتے باہر و حکمتے وافر بود - دراں وضع کہ ملک خود را دید اسباب
کہ جہت انتشار شریعت و استقرار حکومت خود فراہم آورد و اگر کما ینبغی ملاحظہ شود
ہم اعداے او را لازم است کہ اقرار کنند کہ حقوق احسان او بر اعراب ثابت است
در اول اظہار نبوت او بیشتر اعراب بُتپرست بودند در سوم فواحش در میان
ایشاں شیوع داشت - از آنجملہ کشتن اطفال اُناث بود - در ملک بعداوت
و اختلاف دور خارج باہانت و استخفاف مے زیستند - چون بشریعت او گردن
نہادند و بہ بندگی یک خدا گردیدند اتفاق مذہب منشاے اتفاق ملت شدہ
در اندک وقتے بر بہترین بلاد روے زمین استیلا یافتند "

مسٹر جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب " اپالوجی فار دی محمد اینڈ

قرآن" میں لکھتے ہین کہ "جب اِن معاملات پر خواہ اُس مذہب کے بانی کے لحاظ سے خواہ اُس مذہب کے عجیب وغریب عروج اور ترقی کے لحاظ سے نظر کیجاے تو بجز اسکے کچھہ چارہ نہیں ہے کہ اُسپر نہایت دل سے توجہ کیجاے۔ اِس امر مین بھی کچھہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ جن لوگوں نے مذہب اِسلام اور مذہب عیسائی کی خوبیوں کو بمقابلہ ایکدوسرے کے تحقیق کیا ہے۔ اور اُنپر غور کی ہے اُن میں سے بہت ہی کم ایسے ہین جو اس تحقیقات میں اکثر اوقات متردد اور صرف اِس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوے ہون کہ مذہب اِسلام کے احکام بہت ہی عمدہ اور مفید مقاصد ہیں بلکہ اِس بات کا اعتقاد کرنے پر مجبور ہوے ہیں کہ آخر کار مذہب اِسلام سے اِنسان کو فائدہ کثیر پیدا ہوگا"

اِس عالی حوصلہ مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ہر ایک طرح کی شہادت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن شخصوں نے فلسفہ اور علوم وفنون کو سب سے پہلے زندہ کیا جو قدیم اور زمانۂ حال کے علم ادب کے مابین بطور ایک سلسلہ کے بیان کئے گئے ہیں بلاشبہ وہ ایشیا کے مسلمان اور اُندلس کے مُور یعنی اہلِ بربر تھے جو خلفاے عبّاسیہ اور بنی اُمیّہ کے عہد میں وہاں رہتے تھے۔ علم جو ابتداً ایشیا سے یورپ میں آیا تھا اُسکا وہاں دوبارہ رواج مذہب اسلام کی دانشمندی سے ہوا۔ یہ بات معروف ومشہور ہے کہ اہل عرب میں چھ سو برس کے قریب سے علوم وفنون جاری تھے اور یورپ میں جہالت اور وحشیانہ پن پھیلا ہوا تھا

اور علم ادب قریبًا نیست و نابود ہو گیا تھا۔ علاوہ اسکے یہہ بات بھی تسلیم کرنی چاہیے کہ تمام علوم طبعیات۔ ہیئت۔ فلسفہ۔ ریاضی جو دسویں صدی میں یورپ میں جاری تھے ابتداءً عرب کے علما سے حاصل ہوئے تھے اور خصوصًا اندلس کے مسلمان یورپ کے فلسفہ کے موجد خیال کئے جاتے ہیں"

اسی مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "یورپ مذہب اسلام کا اور بھی زیادہ ممنون ہے کیونکہ اگر ان جھگڑوں سے جو سلطان صلاح الدین کے وقت میں بیت المقدس کی لڑائیوں میں ہوئے جسکو فریقین جہاد کہتے تھے قطع نظر کیجاوے تو بالتخصیص مسلمانوں کے سبب سے فیوڈل انتظام کی سختیاں اور امیروں کی خود مختاری یورپ سے موقوف ہو گئی جسکے باقیماندہ اثروں پر ہمارے ملک یورپ کی آزادی کی نہایت بڑی اور عالیشان عمارت کی بنیاد قایم ہوئی۔ اہل یورپ کو یہہ بات بھی یاد دلانی چاہیے کہ وہ محمدؐ کے پیروؤں کے (جو قدیم اور زمانہ حال کے علم ادب کے درمیان بطور سلسلہ کے ذریعہ ہیں) اس لحاظ سے بھی ممنون ہیں کہ مغربی تاریکی کی مدت دراز میں یونانی حکما کی بہت سی کتابیں فنون اور علوم ریاضی اور طب وغیرہ کے بعض نہایت بڑے بڑے شعبوں کی انہیں کی کوششوں سے شایع ہوئیں"

فاضل محقق مسٹر چیمبر اپنے انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ

"ہم اس بات پر غور نہیں کر سکتے ہیں کہ اسلام نے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے کیا کیا۔ لیکن اگر نہایت ٹھیک ٹھیک کہا جاوے تو یورپ میں

علوم وفنون کی ترقی میں اُسکا حصّہ تھا۔ مُسلمان علی العموم نویں صدی سے
تیرھویں صدی تک وحشی یورپ کے لئے روشنضمیر معلّم کہے جا سکتے ہیں
خاندان عبّاسیہ کے خلفا کے نہایت عمدہ زمانہ سے یونانی خیالات
اور یونانی تہذیب کا از سر نو سرسبز ہونا شمار کیا جا سکتا ہے۔ قدیم علم ادب ہمیشہ
کے واسطے بغیر کسی علاج کے مفقود ہو جاتا اگر مسلمانوں کے مدرسوں میں اُسکو
پناہ نہ ملتی۔ عربی فلسفہ۔ قدرتی چیزوں کی تاریخ۔ جغرافیہ۔ تاریخ عام صرف
نحو۔ علم کلام اور فن شاعری کی (جسکی تعلیم پرانے استاد دیتے تھے) بہت
سی کتابیں پیدا ہو گئیں جنمیں سے اکثر اُسوقت تک جاری رہینگی اور تعلیم
دیجاینگی جبتک نسلیں تعلیم پانے کے واسطے پیدا ہوتی رہینگی"

مسٹر طامس کارلائل مرحوم اپنی کتاب "لیکچرز آن ہیروز"
میں اس مضمون کی نسبت جسپر ہم بحث کر رہے ہیں یہ لکھتے ہیں کہ "اسلام
کا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک
پہلے پہل اُسی کے ذریعہ سے زندہ ہوا۔ اہل عرب گلہ بانوں کی ایک غریب
قوم تھی اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں پھرا کرتی تھی
اور کسی شخص کو اُسکا کچھ خیال ہی نہ تھا۔ اُس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے
کلام کے ساتھ جسپر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے
کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہو گئی اور چھوٹی چیز نہایت
ہی بڑی چیز بنگئی۔ اُسکے بعد ایک صدی کے اندر عرب کے ایک طرف
غرناطہ اور ایک طرف دہلی ہو گئی۔ عرب کی بہادری اور عظمت

کی تجلی اور عقل کی روشنی زمانہ ہائے دراز تک دنیا کے ایک بڑے
حصہ پر چمکتی رہی۔ اعتقاد ایک بڑی چیز اور جان ڈالدینے والا ہے۔ جسوقت
کوئی قوم کسی بات پر اعتقاد لاتی ہے تو اُسکے خیالات بار آور اور روح کو
عظمت دینے والے اور رفیع الشان ہوجاتے ہیں۔ یہی عرب اور یہی محمدؐ
اور یہی ایک صدی کا زمانہ گویا ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو اندھیرے
میں کس مپرس ریگستان تھا! مگر دیکھو کہ اُس ریگستان نے زور شور سے اُڑجانے
والی باروت کی طرح نیلے آسمان تک اُٹھتے ہوئے شعلوں سے دِھلی
سے غرناطہ تک روشن کردیا۔"

ایک جواب مضمون لکھنے والے نے جسنے یہ مضمون اختیار کیا تھا
کہ "اِسلام ایک ملکی انتظام ہے جو مشرق و مغرب میں جاری ہے"
اِسلام کی نسبت اپنی یہ رائے لکھی ہے کہ "اِسلام نے اطفال کشی کا
انسداد کردیا جو اُس زمانہ میں قرب وجوار کے ملکوں میں جاری تھی۔ گو عیسائی
مذہب نے بھی اُسکو روکا تھا مگر اِسلام کے برابر اُسکو کامیابی نہیں ہوئی۔
اِسلام نے غلامی کو موقوف کردیا جو اُس ملک کی پرانی جاہلیت کی رسم تھی
اِسلام نے ملکی حقوق کو برابر کردیا اور صرف اُنہیں لوگوں کے حق میں انصاف
نہیں کیا جو اُس مذہب کے معتقد تھے بلکہ اُن شخصوں کے ساتھ بھی برابر
انصاف کیا جنکو اُسکے ہتھیاروں نے فتح کیا تھا۔ اِسلام نے اُس محصول
کو جو سلطنت کو دیا جاتا تھا گھٹا کر صرف دسواں حصہ کردیا۔ اِسلام نے تجارت
کو تمام محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کردیا۔ اِسلام نے مذہب کے معتقدوں

کو اس بات سے کہ اپنے مذہبی سرگروہ کو یا مذہبی کام کے لئے جبراً روپیہ
دیں اور تمام لوگوں کو اس بات سے کہ غالب مذہب (اسلام) کو ہر ایک
قسم کا مذہبی چندہ دیں بالکل بری کر دیا۔ اسلام نے فرقہ فتحمند کے تمام
حقوق مفتوحہ لوگوں میں سے اُن شخصوں کو دیدیئے جو اسکے یعنی مفتوحہ مذہب
کے پابند رہتے تھے اور اُنکو ہر ایک قسم کی پناہ دی۔ اسلام نے مال کی حفاظت
کی۔ سود لینے کو اور خون کا بدلہ بغیر حکم عدالت کے لینے کو موقوف کیا۔
صفائی اور پرہیزگاری کی حفاظت کی اور ان باتوں کی صرف ہدایت ہی نہیں
کی بلکہ اُنکو پیدا کیا اور قایم کر دیا۔ حرامکاری کو موقوف کر دیا غریبوں کو خیرات دینے
اور ہر ایک شخص کی تعظیم کرنے کی ہدایت کی۔

یہی مصنف یہہ بھی لکھتا ہے کہ وہ جو نتیجے اسلام سے ہوئے وہ
اسقدر وسیع اور دقیق اور مستحکم ہیں کہ اُنکی تکمیل کر لینا تو درکنار ہم یقین نہیں کر سکتے
کہ وہ انسان کے خیال میں بھی آسکیں اسی سبب سے بعوض اسکے کہ
اُسکی نسبت اسطرح پر دلیلیں کیجائیں جسطرح کہ سولن کے قانون یا نپولین
کی فتوحات کے نتیجوں کے اندازہ کرنے میں کیجاتی ہیں یا تو انکی نسبت یہہ
کہا جاے کہ اتفاقیہ ہو گئے ہیں یا بمجبوری ربّانی مرضی کی طرف منسوب کیا جاے
یا اینہمہ یہ نظم ایک شخص واحد نے کیا تھا جسنے اپنے ملک کے تمام باشندوں
میں اپنی روح پھونکدی۔ اور تمام قوم کے دل پر نہایت تعظیم و تکریم کا خیال جو کسی
انسان کے واسطے کبھی ظاہر نہیں کیا گیا نقش کر دیا۔ جو سلسلہ قوانین و اخلاق
کا اُسنے بنایا وہ اعلیٰ درجہ کی ترقی سے بھی ایسا ہی موافق تھا جیسا کہ ادنیٰ ترین لوگوں

سے اور اُس سلسلہ نے ایک قوم سے دوسری قوم میں گزر کر ہر ایک قوم
کو جسنے اُسکو قبول کیا اُن قوموں اور سلطنتوں سے فایق کر دیا جنسے اُسکا میل ہوا"
جو معجزانہ اور حیرت انگیز کامیابی قرآن مجید کو اپنے مقاصد میں ہوئی
اگرچہ اُسکا اصلی اور واقعی سبب وہ سچے اور سراپا صداقت اصول تھے جنکی
تلقین اُسنے کی ہے اور جو ہر ایک ایسے اُصول اور مسئلہ پر جو عقل و فطرت کے
موافق ہو (مثلاً تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث اور کفارہ اور روٹی اور
شراب پر پادری کے کچھ پڑھکر پھونک دینے اور اُسکے کھا لینے سے عیسائیوں
کے نجات پانیکا مسئلہ جو ایک ادنی قسم کا توہم ہے وغیرہ وغیرہ) غالب آئے
ہیں اور غالب آتے رہینگے۔ لیکن اکثر متعصب اور حق ناشناس عیسائی مورخوں
نے اُسکو تلوار اور جبر و تعدی سے منسوب کیا ہے۔ اسلئے ہمارا ارادہ تھا
کہ اسکی نسبت کچھ لکھیں مگر وہ جوش استحسان جو ہمارے دلمیں اُس نہایت درجہ
اور مدلّل و لاجواب بیان کی نسبت ہے جو ہمارے بوڑھے مگر جوان ہمت
مجاہد سر سیّد احمد خان بہادر نے اس معرکۃ الآرا مسئلہ کے باب میں کیا
ہے ہمکو مجبور کرتا ہے کہ ہم اُسکو بقدر حاجت بلفظہ یہاں نقل کر دیں اور یہ کہکر کہ

اے زور حیدری زبیان تو آشکار	کلک تو در کتاب کند کار ذوالفقار

خود کچھ لکھنے کے بار عظیم سے سبکدوش ہو جائیں۔ چنانچہ وہ سورہ
توبہ کی تفسیر شروع کرتے ہوے فرماتے ہیں کہ دو سورے انفال
اور سورہ توبہ دونوں میں کافروں سے لڑنے اور اونکو قتل کرنے اور
مغلوب کرنے کا ذکر ہے اور یہی امر بحث کے قابل ہے جسکی نسبت مخالفین

اِسلام نے اپنی غلطی اور ناسمجھی سے مختلف پیرایوں میں اعتراض قائم کئے ہیں اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کافروں کے ساتھ جو کچھ کیا اور جسقدر اور جسطرح اُنہوں نے خدا کے حکم سے کافروں کو قتل اور غارت کیا اگر اُسکا مقابلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کی لڑائیوں کے ساتھ کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ وہ لڑائیاں بمقابلہ حضرت موسیٰ کی لڑائیوں کے خدا کی رحمت تھیں۔ پس جو لوگ توریت اور حضرت موسیٰ کو مانتے ہیں اُنکے لئے تو حضرت مسیح کا یہ قول کافی ہے کہ "تو اُس تنکے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہے کیوں دیکھتا ہے اور جو شہتیر کہ تیری آنکھ میں ہے اُسے دریافت نہیں کرتا" مگر ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ہم صرف حجت الزامی پر اکتفا کریں۔ بلکہ ہمارا مقصود ہر امر کو تحقیق کرنا اور اُسکی اصلیت کو ظاہر کرنا ہے اسلئے ہم اس امر کو بخوبی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔

اس امر پر جو اعتراض جامع جمیع اعتراضات ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک بانی مذہب کو جسکا موضوع سچی اور سیدھی راہ کا بتانا۔ اور اُسکے نتیجوں کی خوشخبری دینا۔ اور بد راہ کی برائی کو جتلانا۔ اور اوسکے بد نتیجوں سے ڈرانا اور اپنی نصیحت اور وعظ سے انسانوں میں نیکی اور نیک دلی۔ رحم اور صلح آپس میں محبت و ہمدردی کا قایم کرنا ہے۔ تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو جو اِس راہ میں پیش آئیں صبر و تحمل سے برداشت کرنا زیبا ہے یا زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے اور قتل و خونریزی سے اُسکو منوانا لازم ہے۔

پس اب ہمکو اسی امر کا تحقیق کرنا مقصود ہے کہ قرآن مجید میں ہتھیار

اُٹھانے کا حکم زبردستی سے اِسلام منوانے کے لئے تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ
قرآن مجید سے اور تمام لڑائیوں سے جو آنحضرتؐ کے وقت میں ہوئیں بخوبی
ثابت ہے کہ وہ لڑائیاں صرف امن قایم رکھنے کے لئے ہوئی تھیں نہ زبردستی سے
اور ہتھیاروں کے زور سے اِسلام منوانیکے لئے"۔

اِس تمہید کے بعد محترم مجاہد نے اُس دشمنی و عناد اور بغض و عداوت کو
جو کفار مکہ آنحضرتؐ اور صحابہ کرام سے رکھتے تھے اور جو تکلیفیں اور اذیتیں اُنکے
ہاتھ سے صحابہ اور خود آنحضرتؐ کو پہنچیں اور جو سخت توہین و تحقیر وہ اپنے پیغمبر
کی کرتے تھے اور جو بار بار قصد اُنھوں نے آنحضرتؐ کے قتل کا کیا اور حبشہ
تک مہاجرین کے تعاقب میں گئے۔ اور پھر مدینہ میں بھی اُسی غرض
اور ارادہ سے پہنچے۔ اسکو بیان کیا ہے۔ مگر چونکہ ہم یہ سب کچھ تفصیل
لکھ آئے ہیں اسلئے اُسکو قلم انداز کرتے اور اِس سے آگے جو اُنھوں نے
بیان کیا ہے اُسکو لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ "اِن تمام حالات سے جو عداوت
کہ قُریش مکہ کو مسلمانوں سے ہوگئی تھی اور ہر طرح پر اُن کے معدوم کرنے
اور ایذا پہنچانے کی تدبیریں کرتے تھے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ قریش مکہ کو
مدینہ کے لوگوں سے بھی جو مسلمان ہوگئے تھے اور آنحضرتؐ کی نصرت
کا وعدہ کیا تھا ویسی ہی عداوت تھی جیسی کہ مکہ کے مہاجرین سے تھی۔
سب سے بڑا خوف قریش مکہ کو یہ تھا کہ اگر یہ لوگ زیادہ قوی ہوجائیں گے
تو مکہ پر حملہ کرینگے۔ چنانچہ جب دوبارہ آنحضرتؐ کے قتل کا مشورہ کیا تھا
تو اُس مشورہ میں جس شخص نے یہ رائے دی تھی کہ آنحضرت کو طوق و زنجیر ڈالکر قید

کر دیا جاے اُسکی راے اِسی دلیل پر نہیں مانی گئی تھی کہ آنحضرتؐ کے اصحاب
جو مکہ سے نکلگئے ہیں جمع ہو کر مکہ پر حملہ کرینگے۔ اور اُنکو چھڑا لے جائیں گے
اور جس شخص نے یہ راے دی تھی کہ آنحضرتؐ کو جلاوطن کر دیا جاے۔ اُسکی راے
بھی اسی وجہ پر رد کی گئی تھی کہ آنحضرتؐ اپنی فصاحت سے لوگوں کو اپنے گرد
جمع کرلیں گے اور قریش مکہ کو چل ڈالینگے۔ یہی سبب تھا کہ قریش مکہ مدینہ
پر چڑھائی کرنے کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی اِس
بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے وَلَا یَزَالُوْنَ
یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا (سورہ بقرہ آیت ۲۱۴)
یعنی اہل مکہ تمسے ہمیشہ لڑتے رہینگے یہانتک کہ وہ تمکو تمہارے دین سے
پھیر دیں اگر وہ ایسا کر سکیں۔ مدینہ والے بھی قریش کے حملہ سے
مطمئن نہیں رہتے تھے اسلئے کہ مدینہ کے اُن لوگوں میں سے جو
ایمان نہیں لاے تھے اور آنحضرتؐ کے مدینہ میں تشریف لانیکو پسند
نہیں کرتے تھے اور مدینہ کے اُن لوگوں سے جنہوں نے آنحضرتؐ
کی نصرت کا وعدہ کیا تھا نہایت ناراض تھے چند معزز لوگ مدینہ
کو چھوڑ کر مکہ چلے گئے تھے اور قریش سے جا ملے تھے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ ایسی حالت میں آنحضرتؐ اور مہاجرین اور انصار کو
اپنی اور مدینہ کی حفاظت اور امن وامان قائم رہنے کے لئے کیا کرنا لازم تھا
اِس مقصد کے حصول کے لئے چار امر لازمی تھے کہ بغیر اُنکے امن اور حفاظت
مطلوبہ کسیطرح قائم نہیں رہ سکتی تھی۔

اوّل - اس بات کی خبر رکھنی کہ قریشِ مکہ کیا کرتے ہیں اور کس منصوبہ میں ہیں

دویم - جو قومیں کہ مدینہ میں یا مدینہ کے گرد رہتی تھیں اُن سے امن کا اور قریش کی مدد نہ کرنے کا معاہدہ کرنا - لیکن عہد شکنی کی حالت میں اُنسے مقابلہ کرنا اُس منصوبہ کے لئے ایسا ہی ضروری تھا جیسا کہ امن کا معاہدہ کرنا - کیونکہ اگر عہد شکنی کی مکافات نہ قایم کیجاے تو کوئی معاہد اپنے عہد پر قایم نہیں رہ سکتا اور امن مطلوبہ حاصل نہیں کر سکتا -

سویم - جو مسلمان مکہ میں بمجبوری رہگئے تھے اور موقع پاکر وہاں سے بھاگ آنا چاہتے تھے اُنکے بھاگ آنے پر جسقدر ہو سکے اُن کی اعانت کرنا کیونکہ جو قافلہ مکہ سے نکلتا تھا ہمیشہ احتمال ہوتا تھا کہ شاید اُسکے ساتھ جا نہ کر کے کوئی مسلمان مدینہ میں بھاگ آنیکے ارادہ سے نکلا ہو -

چہارم جو گروہ قریش کا مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے کو نکلے یا کسی طرح پر احتمال ہو کہ وہ مدینہ پر آنے والا ہے ہتھیاروں سے اُسکا مقابلہ کرنا - کیونکہ ایسا کرنا اُسی امن کے قائم رکھنے کے لئے لازمی و ضروری ہے -

اِن چار باتوں میں سے کوئی بات ایسی نہیں ہے جسکی نسبت کہا جا سکے کہ اُس سے زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے اِسلام کا منوانا مقصود ہے اِن کے سوا دو امر اور ہیں جو ہتھیاروں کے اُٹھانیکا باعث ہوتے ہیں -

ایک یہہ - کہ کافر اُن مسلمانوں کو جو اُنکے قبضہ میں ہوں تکلیف اور ایذا دیتے ہوں اُنکی مخلصی کے لئے یا اُنکو اُن کے ظلم سے نجات دلوانیکے لئے لڑائی کیجاے - جسکی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے "مَا لَكُمْ

لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ
الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا
مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۔ سورہ نسا یعنی کیا ہوا ہے تمکو
کہ نہیں لڑتے ہو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کے بچانیکے لئے مردوں اور عورتوں
اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو نکال اس شہر سے
کہ ظلم کرنے والے ہیں اُسکے لوگ اور کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی والی
اور کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار"

کون شخص ہے جو اس لڑائی کو انسانی اخلاق اور انسانی نیکی کے برخلاف
کہہ سکتا ہے۔ اور کون شخص ہے جو اس لڑائی کی نسبت یہ اتہام کر سکتا ہے کہ وہ
زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے مذہب قبلوانیکے لئے ہے۔

دوسرے یہہ۔ کہ کافر مسلمانوں کو اُن کے احکام مذہبی ادا کرنیکے
لئے مانع ہوں۔ بشرطیکہ وہ اُنکی عملداری میں رہتے ہوں۔ کیونکہ اس صورت
میں اُنکو وہاں سے ہجرت لازم ہے نہ لڑائی کرنی۔ اگرچہ اس لڑائی کی بنیاد
ایک مذہبی امر پر ہے۔ لیکن اُسکا مقصد اپنی مذہبی آزادی حاصل کرنا ہے نہ کہ
دوسروں کو جبر و زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے مذہب کا منوانا۔ اگر ہندو
کسی قوم سے اسبات پر لڑیں کہ وہ قوم اُنکو اُنکے احکام مذہبی ادا کرنے نہیں دیتی
تو کیا یہہ کہا جائیگا کہ ہندوؤں نے دوسری قوم کو جبر اور ہتھیاروں کے زور سے
ہندو کرنا چاہا ہے۔؟

اور ایک اور امر ہے جو اِن ہی قسم کی لڑائیوں کا ضمیمہ ہے یعنی

جس ملک یا قوم سے ان ہی امور کے سبب مخالفت ہے اور لڑائی ان ہی امور کے سبب مشتہر ہو چکی ہے اس ملک یا قوم پر چھاپہ مارنا۔ یا اُن کا اسباب اور انکی رسد اور اُن کے ہتھیاروں کو لوٹ لینا۔ اس زمانہ تہذیب میں بھی کونسی مہذب سے مہذب قوم ہے جو اس فعل کو نامہذب اور ناجائز قرار دیسکتی ہے؟ اور کون شخص ہے جو اسکو بجبر و زبردستی ہتھیاروں کے زور سے مذہب کا قبلوانا قرار دیسکتا ہے؟ تمام لڑائیاں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئیں وہ ان ہی امور پر مبنی تھیں۔ ایک بھی لڑائی اس غرض سے نہیں ہوئی کہ مخالفوں کو زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے اسلام منوایا جاوے"

بزرگ مجاہد نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ "لڑائی کا حکم صرف امن قایم کرنے کیلئے تھا نہ زبردستی سے اسلام قبلوانا نے کے لئے" قرآن مجید کی چند آیتیں نقل کی ہیں۔ جنکو ہم مع اُنکے ترجمہ کے درج کرتے ہیں۔ خدا اپنے پیغمبر کو فرماتا ہے۔

(۱) اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ (سورہ نحل)	(۱) یعنی بلاؤ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف پکی بات سمجھا کر اور اچھی نصیحت کر کر اور اُن سے ایسی طرز پر بحث کر جو بہت اچھی ہو۔
(۲) قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ ۖ وَ	(۲) یعنی کہدے کہ خدا کا حکم مانو اور پیغمبر کی اطاعت کرو۔ پھر اگر منہ پھیر لوگے (یعنی ایمان نہ لاؤ گے) تو وہ صرف اتنی ہی بات کا ذمہ دار ہے

إِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى
الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝

(سورۂ نور)

جو اُسپر لازم کی گئی ہے۔ اور اُسکے ذمہ وہی تم ہو جو تمپر
لازم کیا گیا ہے۔ اور اگر اُسکی اطاعت کروگے
سیدھی راہ پر چلوگے۔ اور پیغمبر کے ذمہ حکم کے صاف
صاف پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(۳) أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا
الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا
عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝

(۳) یعنی۔ اطاعت کرو خدا کی اور پیغمبر کی تمسے
مانو۔ پھر اگر تم مونہہ پھیر لوگے تو ہمارے پیغمبر کے ذمہ تو
صرف حکم کا صاف صاف پہنچا دینا ہی ہے۔

(۴) وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۝
فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ۝

(سورۂ قاف)

(سورۂ قتال)

(۴) یعنی۔ تو اُنپر کسی طرح بھی جبر کرنے والا نہیں
(یعنی تجکو جبر کرنے کا اختیار نہیں ہے) پس جو
شخص ہمارے عذاب کے وعدہ سے ڈرے
اُسکو قرآن کے ساتھ نصیحت کر۔

(۵) فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝
لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُسَيْطِرٍ ۝

(سورۂ غاشیہ)

(۵) پس نصیحت کر کیونکہ تو صرف ایک نصیحت
کرنیوالا ہے۔ کچھ اُنپر کڑوڑا نہیں ہے (جو اُن کو
ایمان لانے پر مجبور کرے)

(۶) لَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ
فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ
أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا
مُؤْمِنِينَ ۝ (سورۂ یونس)

(۶) یعنی اگر تیرا پروردگار چاہتا تو ملک کے لوگ
سب کے سب اکٹھے ایمان لے آتے پھر اب
کیا تو لوگوں پر جبر کر سکتا ہے تاکہ وہ دل سے
مسلماں ہو جائیں؟

(۷) لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ

(۷) دین کے باب میں کسی قسم کی زبردستی کی

الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (سورہ بقرہ)	حاجت نہیں۔ کیونکہ حق و باطل کا فرق بخوبی ظاہر ہو چکا ہے پھر جو کوئی ماسوا اللہ کی پرستش کا منکر ہوا اور اللہ پر ایمان لایا تو بیشک اُسنے ایسی مستحکم گرہ میں مضبوط ہاتھ ڈال لیا جو ٹوٹ ہی نہیں سکتی۔ اور اللہ سننے والا ہے۔ جاننے والا

اسکے بعد جناب سید سلمہم اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں کہ "مخالفین اسلام یہ حجت پکڑتے ہیں کہ اِس قسم کی نصیحتیں آنحضرت صلعم کی اسیوقت تک تھیں جبتک کہ آپ مکہ میں تشریف رکھتے تھے۔ مگر جب مدینہ میں چلے آئے۔ اور انصار اہل مدینہ مسلمان ہوگئے۔ اور مہاجرین اور انصار ایک جگہہ جمع ہوگئے اور آنحضرت کو بہت بڑی قوت ہوگئی۔ اُسوقت اُن نصیحتوں کو بدل دیا اور لڑنے اور قتل کرنیکا اور تلوار کے زور سے اسلام قبلوانے کا حکم دیا۔ مگر یہہ حجت محض غلط ہے۔

اول تو اسلئے کہ اُن ہی سورتوں میں سے جنکی آیتوں کا ہمنے اوپر ذکر کیا ہے۔ سورہ نور اور سورہ بقرہ ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی ہیں جبکہ آنحضرت کو بخوبی قوت ہوگئی تھی۔ اور اُن ہی سورتوں میں حکم ہے کہ "رسول کا کام صرف حکموں کا پہنچا دینا ہے اور دین میں کچھ زبردستی نہیں ہے" پھر یہ کہنا کہ آنحضرت نے مدینہ میں آنے کے بعد اُن نصیحتوں کو بدل دیا تھا صریح جھوٹ ہے۔

دوسرے یہ کہ خدا کے احکام جو بطور اصل اصول کے نازل ہوئے

ہیں وہ جگہہ کی تبدیل یا قوت اور ضعف کی تبدیل سے تبدیل نہیں ہو سکتے
خدا کا حکم یہ ہے کہ "زبردستی سے کیسکو مسلمان نہیں کیا جا سکتا"
پس جب آنحضرت مکہ میں تھے اُسوقت بھی کوئی شخص زبردستی سے
مسلمان نہیں ہو سکتا تھا۔ اور جب آپ مدینہ میں تشریف لے آئے
اُسوقت بھی کوئی زبردستی سے مسلمان نہیں ہو سکتا تھا ہاں جب آپ مدینہ میں
تشریف لے آئے تو لڑائی کا حکم ہوا مگر وہ لڑائیاں لوگونکو جبر و زبردستی سے اور ہتھیار کے
زور سے مسلمان کرنیکے لئے نہ تھیں بلکہ امن قایم کرنیکے لئے تھیں جسکو ہم آیندہ
بالتفصیل بیان کرینگے۔

آزادی مذہب کی صلح اور معاہدے کی حالت میں

خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو کافروں سے صلح اور معاہدہ کرنے کی اجازت
دی جسکا ماحصل یہ ہے کہ کافروں کے مذہب میں کچھ دست اندازی
نہ کیجاے وہ اپنے مذہب پر رہیں۔ صرف مسلمانوں کو ایذا نہ دیں۔
اُنسے لڑیں نہیں۔ اور اُن کے دشمنوں کی مدد نہ کریں۔ اور اُن معاہدوں
پر قایم رہنے کی نہایت تاکید کی اور معاہدہ کرنیوالوں سے جو اپنے معاہدے
پر قایم رہے ہوں لڑنے کی ممانعت فرمائی۔ صلح اور معاہدے کی اجازت
ہی صاف دلیل اسبات کی ہے کہ مذہب کی آزادی میں خلل ڈالنا مقصود
نہ تھا اور نہ لڑائی سے کیسکو زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے مسلمان
کرنا مقصود تھا بلکہ صرف امن کا قایم رکھنا مقصود اصلی تھا۔

سورہ نحل میں خدا نے فرمایا "وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ" یعنی پورا کرو عہد اللہ کا (یعنی جو خدا کو درمیان میں دیکر عہد کیا ہے) جب کہ تمنے عہد کیا ہو اور نہ توڑو اپنی قسموں کو اُنکے مضبوط کرنیکے بعد۔ اور بیشک تمنے اللہ کو کیا ہے اپنا ضامن۔ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو"

خود سوچو اور غور کرو جسمیں نہایت خفگی سے (برائی کا حکم ہے خدا نے فرمایا ہے) "إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ" یعنی جن مشرکوں سے تمنے عہد کیا ہے پھر اُنہوں نے اُسکے پورا کرنے میں کچھ کمی نہیں کی۔ اور نہ تمہارے برخلاف کسیکی مدد کی تو تم پورا کرو اُنکے ساتھ اُنکا عہد اُنکی میعاد تک۔ بیشک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو

پھر اسی سورہ میں فرمایا "إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ" یعنی جن مشرکوں سے مسجد حرام کے پاس تمنے عہد کیا تھا۔ پھر جبتک کہ وہ تمہارے لئے عہد پر قائم رہیں تو تم بھی اُنکے لئے عہد پر قایم رہو۔ بیشک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں (یعنی بدعہدی سے بچنے والوں) کو"

اس سے زیادہ معاہدے کی رعایت کفار اور مشرکین کے ساتھ کیا ہو سکتی ہے جتنی کہ قرآن مجید میں کی گئی ہے۔ سورہ نساء مدینہ

میں ہجرت کے بعد اُتری ہے اُسمیں حکم ہے کہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (سورۂ نساء آیت ۹۲)

اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے کوئی مسلمان دھوکہ سے مارا جاے۔ تو قاتل کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے اور اگر مقدور نہو تو ساٹھ روزے رکھنے چاہئیں اور اسکے سوا مقتول کی دیت (خونبہا) اُسکے کنبے کو دیجاے۔ پھر اگر وہ مقتول ایک ایسی قوم میں کا ہے جنسے اور مسلمانوں سے دشمنی ہے اور وہ مقتول مسلمان ہے تو قاتل کو صرف مسلمان غلام ہی کا آزاد کرنا ہوگا۔ اور اگر مقتول ایسی قوم میں کا ہے کہ اُس قوم سے اور مسلمانوں سے معاہدہ ہے تو قاتل کو غلام بھی آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کی دیت اُسکے کنبے کو بھی دینی ہوگی"

اِس سے زیادہ معاہدے کی رعایت جسکا حکم خدا تعالیٰ نے دیا ممکن نہیں۔ کیونکہ جو حق خدا تعالیٰ نے ایسی حالت میں مسلمانوں کے لئے مقرر کیا تھا وہی حق اُن کفار اور مشرکین کے لئے بھی قرار دیا ہے جنسے اور مسلمانوں سے اسن کا معاہدہ ہو گیا ہو۔

جن لوگوں سے معاہدہ ہوا ہے اگر معلوم ہو کہ وہ لوگ دغابازی

کرنا چاہتے ہین تو معاہدہ توڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر ایسی احتیاط اور انصاف سے اُسکے توڑنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ اُن لوگوں کو کسی طرح نقصان نہ پہنچ سکے یعنی یہ حکم ہے کہ اسطرح پر معاہدہ توڑا جاے

اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ ۝ (سورۂ انفال آیت ۵)	کہ دونوں فریق برابری کی حالت پر رہیں اسمیں کچھ دغابازی نہونے پاے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ خیانت کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا
وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ (سورۂ توبہ آیت ۶)	عین لڑائی کے زمانہ میں اگر کوئی مشرک یا کافر پناہ مانگے تو اُسکو پناہ دینے کا حکم ہے اور صرف پناہ ہی دینے کا حکم نہیں ہے بلکہ یہ حکم بھی ہے کہ اُسکو اُسکی امن کی جگہ میں پہنچا دیا جاے۔ اِس سے زیادہ مذہب کی آزادی اور معاہدہ کی احتیاط کیا ہو سکتی ہے

اِسی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین عرب کے بہت سے قبیلوں سے اور قبائل یہود سے جو مدینہ میں رہتے تھے امن کے معاہدے کئے۔ جو دلیل واضح اِس بات کی ہے کہ مقصود یہ تھا کہ ملک میں لوگ امن سے رہیں مسلمانون کو ایذا نہ دین۔ اور خدا کے کلام کو سنیں۔ کَمَا قَالَ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ" پھر جسکا دل چاہے ایمان لاے جسکا دل نہ چاہے نہ لاے۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى "لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" وَقَالَ فِىْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ "فَمَنْ

شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ"

لڑائی کے احکام اور اُس حالت میں بھی آزادی مذہب

سب سے پہلے ہمکو یہ بیان کرنا چاہیئے کہ کن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہوا ہے اور کس مقصد سے۔

ہم اس سے پہلے بالتصریح بیان کر چکے ہیں کہ جو لوگ اپنے معاہدوں پر قایم ہیں اور مسلمانوں سے نہیں لڑتے اور نہ اُنکے دشمنوں کو لڑنے میں مدد دیتے ہیں اُنسے لڑنیکا حکم نہیں ہے۔ پس لڑائی کا حکم تین قسم کے لوگوں کے ساتھ ہوا ہے۔

اول اُن لوگوں سے جو مسلمانوں سے لڑائی شروع کریں۔ اللہ تعالےٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا ہے "وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ" (آیت ۱۸۶) یعنی لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جو تمسے لڑیں اور زیادتی مت کرو۔ بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو" دوسری جگہہ فرمایا "فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ" (سورہ ایضاً آیت ۱۸۹) یعنی اگر وہ لڑنا موقوف کردیں تو دست درازی کرنی نہیں چاہیئے۔ کیونکہ دست درازی صرف ظالموں پر کرنی ہے ایک اور جگہہ فرمایا "فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ" (سورہ ایضاً آیت ۱۹۰) یعنی جو کوئی تمپر زیادتی کرے تو تم بھی

اُسپر زیادتی کرو جتنی کہ اُسنے تمپر زیادتی کی ہے۔ اور خدا سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے (یعنی اُنکے ساتھ ہے جو زیادتی سے پرہیز کرتے ہین)

قدیم زمانہ سے عرب میں یہ دستور چلا آتا تھا کہ حرم کعبہ میں جدال و قتال نہیں کرتے تھے اُسکی نسبت خدا نے فرمایا۔ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" (سورہ ایضاً آیت ۱۸۰) یعنی لڑائی کی حالت میں اُنکو جہاں پاؤ (حرم کے اندر یا حرم کے باہر) قتل کرو کیونکہ فساد مچانا قتل سے بھی زیادہ ہے مگر اس حکم میں بھی احتیاط کی اور فرمایا "وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ" (ایضاً۔ آیت ایضاً) یعنی تم مسجد حرام کے پاس اُنکو مت مارو جبتک کہ وہ وہاں تمکو نہ ماریں پھر اگر وہ وہاں بھی تمکو ماریں تو تم بھی اُنکو مارو۔ یوں ہی ہے سزا کافروں کی" اسکے بعد فرمایا "فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" (ایضاً آیت ۱۸۸) یعنی اگر وہ باز رہین (یعنی لڑنا موقوف کردیں) تو بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان" یعنی تم بھی اُنکو معاف کرو اور لڑنا موقوف کردو۔ سورہ نحل میں خدا نے فرمایا "وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ (آیت ۱۲۶) یعنی اگر تم کافروں کے ایذا پہنچانے کا بدلہ لینا چاہو تو اُسیقدر ایذا کا بدلہ لو کہ جسقدر تمکو ایذا پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو بیشک وہ بہتر ہے صبر کرنیوالوں کے لئے

پھر سورہ حج میں اس سے بھی زیادہ تصریح فرمائی ہے "اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ہ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ (آیت ۳۸ - ۳۹) یعنی "اُن لوگونکو لڑنے کا اذن دیا گیا ہے جنسے کفار مکہ لڑتے ہیں اسلئے کہ کفار مکہ کے ہاتھ سے مسلمان مظلوم ہوئے ہین - اُنہوں نے مسلمانوں کو بغیر کسی حق کے اُنکے گھروں سے نکالدیا ہے صرف اسلئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے"

سورہ نسار میں خدا نے فرمایا ہے کہ "کافروں سے لڑو - اُن کو قتل کرو جہاں پاؤ" مگر اُن لوگوں سے نہ لڑو اور نہ اونکو قتل کرو جو ایسے لوگوں سے جا ملیں جنسے اور تم سے امن کا معاہدہ ہے - اور اون سے بھی

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْکُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَھُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَسَلَّطَھُمْ عَلَیْکُمْ فَلَقٰتَلُوْکُمْ فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْھِمْ سَبِیْلًا ہ (آیت ۹۲)	مت لڑو اور اُنکو قتل بھی مت کرو جنکا دل لڑنیسے تنگ ہوگیا ہے اور نہ وہ تم سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ اپنی قوم سے لڑنا چاہتے پھر جب وہ لڑائی سے الگ ہوجائین یعنی نہ تم سے لڑیں اور نہ تمہارے شامل ہوکر اپنی قوم سے لڑنا چاہین اور تمہارے پاس صلح کا پیغام بھیجیں تو اُنسے مت لڑو کیونکہ اللہ نے اُنپر تمکو لڑنیکا کوئی قابو نہیں دیا" اسکے بعد اسی سورہ میں فرمایا ہے کہ

"سَتَجِدُوْنَ آخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ
اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ
كُلَّمَا رُدُّوْا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا
فِيْهَا فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْا
اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ
وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ
وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا
مُّبِيْنًا" (آیت ۹۳)

"بعض قومیں چاہتی ہیں کہ تم سے بھی امن
میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں
رہیں اور فتنہ و فساد میں نہ پڑیں۔ پھر اگر تمہارے
ساتھ لڑنے سے علیحدہ نہ ہو جائیں اور پیغام
صلح نہ بھیجیں اور اپنے ہاتھ لڑنے سے
نہ روکیں تو انکو پکڑو اور مارو جہاں پاؤ یہی
لوگ ہیں جن پر خدا نے تمکو غلبہ کرنیکا حق دیا ہے
پس لڑنا اسی پر موقوف ہے جبکہ کافر
لڑائی شروع کریں۔ سورۂ ممتحنہ میں نہایت صفائی سے اور بطور قاعدہ کلیہ کے
بیان فرمایا ہے کہ کافروں سے کس طرح پیش آنا چاہیئے اور یہ فرمایا ہے کہ

"لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ
يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ
مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا
اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ
اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ
فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ
دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ
اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" (آیت ۷-۸)

"جو لوگ تمسے لڑے نہیں اور نہ تمکو تمہارے
گھروں سے نکالا ہے اُنکے ساتھ سلوک
اور احسان کرنے سے خدا تمکو منع نہیں کرتا
بلکہ سلوک کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے
صرف اُنسے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے
جو تمسے لڑتے ہیں تمہارے دین کے
سبب سے اور تمکو تمہارے گھروں سے نکالدیا
ہے اور جنہوں نے تمکو تمہارے گھروں سے
نکال دینے پر نکالنے والوں کی مدد کی ہے"

اِن تمام آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ لڑائی کا حکم کسی کو زبردستی اسلام قبلوانیکے لئے نہیں ہے۔ بلکہ جو لوگ مسلمانوں کو قتل کرنا اور اُن سے لڑنا چاہتے تھے اُن سے محفوظ رہنے کے لئے لڑنیکا حکم ہوا ہے۔ اور لڑائی میں یا لڑائی کے موقوف ہوجانے اور امن کے قایم ہوجانے پر کسی کے مذہب سے کسی قسم کا تعرض مقصود نہیں۔ **مخالفین اسلام** چند آیتیں اس امر کے ثابت کرنے کو پیش کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں عموماً کافروں کے قتل کرنیکا حکم ہے۔ اور نیز بجبر و تشدد ہتھیاروں کے زور سے اونکو مسلمان کرنے کی ہدایت ہے۔ مگر اُن کا یہ کہنا محض غلط اور صریح ہٹ دھرمی ہے۔ جسکو بالتفصیل ہم بیان کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ سورہ بقرہ اور سورہ نسا میں آیا ہے کہ "وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ" اسمیں صاف حکم ہے کہ کافر جہاں ملیں اُن کو قتل کرو۔ مگر یہ اونکی صریح غلطی ہے۔ حرم کعبہ میں قتل و قتال زمانہ جاہلیت سے منع تھا مگر جب قریش مکہ سے لڑائی ٹھنی تو خدا نے حکم دیا کہ اُنکو جہاں پاؤ یعنی حرم کعبہ میں یا اُسکے باہر۔ اُنسے لڑو اور اُنکو قتل کرو پس اس آیت سے عموماً کافروں کا قتل کرنا کہاں سے نکلتا ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ قرآن مجید میں اُن ہی سے لڑنیکا حکم ہے جو مسلمانوں سے لڑتے ہوں نہ اُنسے کہ جو لڑنا نہیں چاہتے۔

وہ کہتے ہیں کہ سورہ نسا میں صاف حکم ہے کہ "جبتک کافر مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں نہ چلے آئیں اُنکو جہاں پاؤ قتل کرڈالو کافروں کا

مدینہ میں ہجرت کرکے آنا اور مسلمان ہوجانا برابر ہے۔ پس اس کے
صاف معنی یہ ہیں کہ جبتک کافر مسلمان نہ ہوجائیں انکو جہاں پاؤ مار ڈالو"
مگر یہہ دلیل محض غلط ہے۔ یہہ آیت مکّہ کے منافقوں کے حق میں ہے
جیسا کہ اس آیت کے اوپر بیان کیا ہے "فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ" الخ
مکّہ کے بہت سے لوگ نفاق سے اپنے تئیں مُسلمان کہتے تھے
اور مسلمانوں کو تردد تھا کہ اُنکے ساتھ لڑائی میں کس طرح کا معاملہ کریں۔ اُن

"وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا	کی نسبت خدا نے فرمایا کہ اُنکا یہہ کہنا کہ ہم مسلمان
فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا	اور تمہارے طرفدار ہیں ہرگز نہ مانو۔ اگر وہ
مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا	سچے ہیں تو ہجرت کرکے چلے آئیں۔ پھر اگر
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا	وہ نہ آئیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ
فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ	وہ جھوٹے اور منافق تھے تو لڑائی میں
وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا	اُنکو بھی جہاں پاؤ حرم کے اندر یا باہر مارو اور
مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا" سورہ نسا آیت ۹۱	قتل کرو۔ پس ہجرت کا حکم کسی شخص کی نسبت جو

مسلمان ہونیکا دعویٰ نہیں کرتا تھا نہیں دیا گیا۔ وہ دلیل لاتے ہیں کہ سورہ نسار

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ	کی بعض آیتوں میں مطلقاً کافروں سے لڑنیکا
يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ	حکم ہے"۔ مگر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اُن آیتوں
وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ	سے کیا مطلب ثابت ہوتا ہے۔ بلاشبہ اُن آیتوں
أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا	اور اور بہت سی آیتوں میں لڑنیکا حکم ہے
عَظِيمًا۔ (سورہ نسا آیت ۷۶)	مگر لڑا بھی اُن ہی لوگوں سے جائیگا جنسے

"فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللّٰهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا" (سورہ نساء آیت ۱۱)	لڑنے کا حکم ہے۔ اور وہ وہی لوگ ہیں جو مسلمانوں سے بخصوصیت دین لڑتے ہیں۔ علاوہ اسکے اُن آیتوں میں بھی کسیکو بجبر اور ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنیکا اشارہ تک نہیں ہے۔

اِسی قسم کی آیتیں سورہ تحریم اور سورہ فرقان اور سورہ توبہ میں بھی آئی ہیں جنمیں کافروں سے لڑنے اور لڑائی میں اُنکے قتل کرنیکا حکم ہے۔ مگر جن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے اُن ہی لوگوں سے لڑنیکا حکم ان آیتوں میں سے نہ عموماً ہر ایک کافر یا عام کافروں سے لڑنے کا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (سورہ تحریم آیت ۸)	پس یہہ کہنا کہ اِن آیتوں میں لڑنے کا حکم ہے اور اس بات کو چھپا لینا اور نہ بیان کرنا کہ کن لوگوں سے منجملہ کفار کے لڑنے کا حکم ہے صریحاً خلاف دھرمی ہے۔ قرآن مجید
فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (فرقان آیت ۵۳)	میں کسی کافر سے بحیثیت کفر اُس سے لڑنیکا حکم نہیں ہے۔ صرف تین قسم کے کافروں
قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ	سے لڑنے کا حکم ہے۔ ایک وہ جو مسلمانوں سے لڑتے ہیں دوسری وہ جنہوں نے عہد شکنی کی ہو۔ اور مسلمانوں سے لڑنے والونکے ساتھ جا ملے ہوں تیسری وہ جنکے ہاتھ میں

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ۝ (سورہ توبہ آیت ۲۹)

قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۔ (ایضاً آیت ۳۶)

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۔ (ایضاً آیت ۱۲۴)

مسلمان عورت و مرد اور بچے بطور قیدی کے ہوں۔ اور وہ انکو ایذا پہنچاتے ہوں ایک قسم کا تو ہم ابھی بیان کر رہے ہیں اور باقی قسموں کو بھی عنقریب بیان کرینگے پھر کون شخص یا کوئی قوم مہذب سی مہذب اس قسم کی لڑائی کو ناواجب یا ظلم کہہ سکتا ہے اور کیونکر اس قسم کی لڑائیوں کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ بزور شمشیر اسلام قبول کروانیکے لئے کی گئی تھیں۔ ہاں چند آیتیں ہیں جنپر بحث کرنا ہمکو ضرور ہے۔ سورہ بقرہ۔ اور انفعال میں خدا نے

قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۸۹)

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۔ (سورہ فتح آیت ۱۶)

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۔ (انفعال آیت ۴۰)

فرمایا ہے کہ "کافروں سے لڑو تاکہ فتنہ مٹ جائے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے" اور سورہ فتح میں فرمایا ہے کہ "اے پیغمبر تو ان گنوار عربوں سے جو پیچھے رہگئے تھے کہدے کہ تم ایک سخت لڑنیوالی قوم سے لڑنیکو بلائے جاؤ گے۔ پھر تم انسے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائینگے۔

معترض کہہ سکتا ہے کہ ان آیتوں سے اس بات کا اشارہ نکلتا ہے کہ جبتک کافر مسلمان نہو جائیں انسے لڑے جانا

چاہیئے اول تو یہہ کہنا غلط اسلیئے ہے کہ اِن لفظون سے کہ "دین کلہ للہ" کسی طرح یہہ مطلب نہین نکلتا کہ جبتک کافر مسلمان نہون اُنسے لڑے ہی جاوے۔ کیونکہ ان لفظون کے صرف یہہ معنی ہین کہ "دین خدا کے لئے ہوجاوے۔ یعنی کافرون کی مزاحمت احکام مذہبی کے بجالانے مین جاتی رہے" سورۂ توبہ مین بھی اللہ نے فرمایا ہے کہ

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (توبہ آیت ۵)	"مشرکون کو مارو جہاں پاؤ اور پکڑو اُنکو اور گھیرو اُنکو اور اُنکی گھات مین بیٹھو۔ پھر اگر توبہ کریں اور نماز پڑھین اور زکات دین تو اُنکا رستہ چھوڑ دو (یعنی پھر کچھ تعرض نکرو۔) بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان"

معترضین کو اس مقام پر نہایت موقع ہے اگر وہ کہین کہ نماز ادا کرنے اور زکات دینے کو مشروط کرنا صاف ایسا ہے جیسے کہ اِسلام لانیکو شرط کرنا۔ مگر جب اُسکی تفریع پر خیال کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ اُس شرط کو لڑائی سے کچھ تعلق نہین ہے۔ بلکہ اونکی آمد و رفت کی روک ٹوک کے موقوف ہونیسے تعلق ہے۔ جبتک وہ کافر تھے بلاشبہ روک ٹوک اور خبر گیری کی ضرورت تھی کیونکہ اُنسے اندیشہ تھا۔ مگر مسلمان ہونے کے بعد وہ اندیشہ نہین رہا اسلیئے فرمایا "فخلوا سبیلھم" اِن سب باتون سے قطع نظر کرکے ہم تسلیم کرتے ہین کہ اِن آیتون مین اُن الفاظ

سے مُسلمان ہوجانا ہی مقصود ہے تو بھی منجملہ اسباب موقوفی لڑائی کے
اسلام بھی ایک سبب ہے مگر اس تسلیم کے بعد بھی بجبر و بزور شمشیر کافروں کا
مُسلمان کرنا لازم نہیں آتا۔ ہمنے بالتفصیل اوپر بیان کیا ہے کہ کفار سے
لڑائیکا حکم صرف مسلمانوں کے لئے امن قائم کرنیکا تھا اور وہ امن
صرف تین طرح پر قایم ہوسکتا تھا۔

اوّل۔ قبل جنگ یا بعد جنگ آپسمیں صلح ہونے اور امن کا
معاہدہ ہونیسے جسکے کرنیکا خدا نے حکم دیا ہے۔ جہان فرمایا ہے
"فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ
عَلَيْهِمْ سَبِيلًا" اور خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
بہت سی کافر قوموں سے امن کے معاہدے کئے ہیں جنکا ذکر آگے آئیگا
دوسرے۔ فتح پانے اور کافروں کا مغلوب ہوکر جزیہ دینا قبول کرنیسے
جسکے بعد وہ اپنے دین و مذہب پر بدستور قایم رہتے ہیں جیسا کہ خدا نے
فرمایا ہے "حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ"
تیسرے۔ مسلمان ہوجانیسے۔

پس یہ تینوں صورتیں امن قایم ہونیکی ہیں۔ ان تینوں صورتوں میں سے
کوئی صورت پیش آئے تو لڑائی قایم نہیں رہتی تھی۔ پس ہر شخص سمجھ
سکتا ہے کہ لڑائی سے بزور شمشیر کافروں کو مسلمان کرنا مقصود نہ تھا
بلکہ صرف امن کا قائم کرنا مقصود تھا۔ دوم اُن لوگوں سے لڑنیکا حکم ہے
جنہوں نے دغابازی کی ہو اور معاہدوں کو توڑ دیا ہو۔ خدا نے سورۂ توبہ میں

فرمایا ہے کہ

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ط

(سورہ توبہ آیت ۱۲)

"اگر عہد کرنیکے بعد اپنی قسم کو توڑ دین تو جو کفر کے سردار ہیں اُنسے لڑو۔ کیونکہ اُنکی قسم کچھ نہین"

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط (سورہ ایضاً آیت ۱۳)

اور ایک جگہہ فرمایا ہے کہ "کیون نہین لڑتے ایسی قوم سے جسنے اپنی قسم توڑ دی اور رسول کو نکالنا چاہا اور اُن ہی نے پہل کی"

اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝

اور سورہ انفال مین فرمایا ہے کہ "جن لوگون سے تونے عہد کیا ہے پھر اُنھون نے اپنا عہد ہر دفع توڑ دیا اور پرہیزگاری نہین کرتے (یعنی عہد شکنی سے نہین بچتے) پھر اگر تو اونکو لڑائی مین پاوے تو اونکو ایسا مار کہ اُنکے پیچھے جو لوگ ہین متفرق ہو جائین"

پس معاہدہ توڑنیکے بعد اُن سے لڑنا امن قایم رکھنے کے لئے ایسا ہی ضرور ہے جیسا کہ معاہدہ کرنا کیونکہ بغیر اِسکے نہ امن قائم رہ سکتا ہے نہ معاہدہ۔ مگر ایسی حالت مین لڑنا اس بات کا ثبوت نہین ہے کہ اُس سے بزور شمشیر اُنکو مسلمان کرنا مقصود ہے۔ اور نہ ایسی لڑائی مہذب سی مہذب قوم کے نزدیک بھی ناواجب ہے۔ سو اُن لوگون سے لڑنیکا حکم

ہے جنہوں نے مسلمانوں کو اور اُن کے بچوں اور عورتوں کو عذاب میں اور تکلیف میں ڈال رکھا ہے۔ اُسکا ذکر سورہ نسا میں ہے جسکو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور ترتیب قایم رکھنے کے لئے اُس آیت کو دوبارہ لکھتے ہیں خدا نے فرمایا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا (سورہ نسا آیت ۷۷)	اور کیا ہوا ہے تمکو کہ نہیں لڑتے ہو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کے بچانیکے لئے مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو نکال اس شہر سے کہ ظلم کرنیوالے ہیں اُسکے لوگ اور کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی والی اور کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار"

کیا یہہ انسانیت اور رحم کی بات نہین ہے؟ کہ لاچار بے بس مسلمان مرد اور عورتوں اور بچوں کو کافروں کے ظلم سے بچایا جاے۔ اور اُنکی فریاد رسی کے لئے ہتھیار اُٹھایا جاے۔ کون شخص ہے جو اس لڑائی کو ناواجب کہہ سکتا ہے" (انتہی قولہ سلمہ اللہ تعالیٰ)

اَب ہم اُن واقعات کو بیان کرتے ہیں جو غزووں اور سریوں کے نام سے مشہور ہیں۔ اور یہہ دکھاتے ہیں کہ کوئی غزوہ یا سریّہ اس مقصد سے نہیں ہوا تھا کہ بجبر و بزور شمشیر لوگوں کو مسلمان کیا جاے بلکہ ہر ایک

غزوہ یا سریہ کا کوئی نہ کوئی سبب اُن ہی اسباب میں سے تھا
جن کو جناب سیّد نے اپنی مندرجہ صدر تقریر میں مفصل بیان کیا ہے
بزرگ سید نے اِن واقعات کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے
مگر ہم کسیقدر تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے۔ اور چونکہ اِن کے وقوع کو کسی
مورّخ نے کسی سنہ میں اور کسی نے کسی سنہ میں لکھا ہے اسلئے بتقلید جناب سید ہمکو
بھی مجبوراً اُن میں سے ایک سلسلہ اختیار کرنا پڑا اور ہمنے اُسی سلسلہ کو اختیار
کیا جسکو اُنہوں نے اختیار کیا ہے۔ اور اُن کے سنہ بیان کرنے میں محرّم
سے سال کی تبدیلی کا لحاظ نہیں کیا بلکہ واقعی زمانہ ہجرت سے برس کا شمار کیا ہے
اور اگرچہ اُن میں سے بعض واقعے ایسے ہیں جو نہ سریہ تھے نہ غزوہ مگر
اُنکو بھی احتیاطاً لکھدیا ہے۔ بزرگ سید نے اِن واقعات اور اُنکے مقامات
کو جن کتابوں سے اخذ کیا ہے وہ یہ ہیں۔

سیرت ہشامی۔ کامل التواریخ ابن اثیر۔ مواہب لدنیہ۔ تاریخ
ابن خلدون۔ تاریخ ابو الفدا۔ سیرت ابن اسحاق۔ مغازی واقدی
تاریخ یافعی۔ تاریخ واقدی۔ سیرت المحمدیہ مولوی کرامت علی
زاد المعاد ابن القیم۔ فتوح البلدان بلاذری۔ صحیح بخاری۔ صحیح
مسلم۔ مراصد الاطلاع۔ مشترک یاقوت حموی۔ معجم البلدان
جنمیں ہم ناسخ التواریخ اور تاریخ واشنگٹن ارونگ کو بھی شامل کرتے ہیں

سریہ سیف البحر یعنی ساحل بحر

یہ ایک جگہ بحر فارس کے کنارہ پر بنی زہیر کے متعلق ہے۔

ہمارے اختیار کردہ سلسلہ کے موافق یہ پہلا سریہ ہے جو یہ سرداری حضرت حمزہ بن عبدالمطلب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل مکہ کے تجسس حال کے لئے بھیجا گیا تھا اور اسمیں تیس سوار تھے۔ قریش کی دشمنی اور عداوت کا حال تو ظاہر ہی تھا۔ مگر اب جو مدینہ پر اُنکے حملہ کے ارادہ کی خبریں سنی جانے لگیں تو صحیح حال معلوم کیا جانا ضرور ہوا تاکہ مدینہ کے تحفظ اور قریش کے حملہ کو روکنے کا انتظام ہو سکے۔ پس جب یہ لوگ بمقام سیف البحر پہنچے تو ابوجہل کو مکہ والوں کے تین سو سواروں کیساتھ موجود پایا۔ اب لڑائی ہونے میں شک نہ تھا مگر مجدی بن عمرو الجہنی نے جو دونوں فریق کا حلیف تھا سمجھا بوجھا کر لڑائی نہونے دی اور ابوجہل مکہ کو اور حضرت حمزہ مدینہ کو چلے آئے۔

بعض مورخوں نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ سریہ اُس قافلہ پر بھیجا گیا تھا جو ابوجہل کے ساتھ شام سے مکہ کو آرہا تھا وہ اسلئے غلط ہے کہ تیس آدمیوں کا تین سو سواروں پر بھیجا جانا ممکن نہیں ہے۔ البتہ خبر رسانی کے لئے اور دشمنوں کے ارادہ کی تفتیش کے لئے جو ایک ضروری امر تھا ہو سکتا ہے چنانچہ وہ نتیجہ حاصل ہوا اور اون کی حملہ آوری کی نیت کی خبر ملگئی۔

سریہ رابغ۔ شوال سنہ ۱ ہجری

یہ ایک میدان ہے درمیان ابوا اور جحفہ کے۔ اس سریہ میں ساٹھ یا اسی سوار تھے اور آنحضرتؐ کے چچازاد بھائی عبیدہ بن الحارث اُنکے سردار تھے۔ جب یہ لوگ ثنیۃ المرہ میں پہنچے تو قریش کے دو سو

سوار بسرداری عکرمہ بن ابی جہل یا مکرز بن حفص کے موجود پائے جنمیں سے مقداد بن عمرو حلیف بنی زہرہ اور عتبہ بن غزوان حلیف بنی نوفل جو دل میں مسلمان تھے موقع پاتے ہی ادھر چلے آئے اور غالبًا یہی باعث لڑائی نہونے کا ہوا۔ کیونکہ اگر ہوتی تو قبیلہ بنی زہرہ اور بنی نوفل اپنے حلیفوں مقداد اور عتبہ کیوجہ سے قریش سے برگشتہ ہوجاتے۔ مگر بعض مورخوں نے اسکا سبب یہ بیان کیا ہے کہ کافروں کو یہہ گمان ہوا کہ مسلمانوں کا اپنے سے اسقدر زیادہ جنگ آزمودہ سواروں کے مقابلہ میں آنا بجز اسکے نہیں ہوسکتا کہ اُنکے پیچھے گھات میں کوئی بھاری فوج ہے۔ اور اسلئے وہ دور ہی سے چند تیر مار کر بھاگ گئے جسکو مسلمانوں نے غنیمت جانا اور مدینہ کو واپس چلے آئے۔

یہہ سریہ خواہ بقصد دریافت حالات اہل مکہ بھیجا گیا ہو۔ یا بارادہ مقابلہ لشکر قریش مگر حملہ آوری کے طور پر بھیجنا کسی طرح قرار نہیں پاسکتا۔ انتہا یہہ ہے کہ قریش کے حملہ کے روکنے کے لئے جو امن رہنے کے لئے لازمی تھا بھیجا گیا تھا۔

سریہ خرار۔ ذی قعدہ سنہ (۱) ہجری

یہہ جحفہ کے نزدیک مقام ہے۔ اِس سریہ میں اسّی[۵۱] آدمی مہاجرین میں سے تھے اور سعد بن ابی وقاص اُنکے سردار تھے اُنکو کہیں کسی دشمن کا پتہ نہیں ملا اور خرار تک جاکر واپس آگئے اس سے ظاہر ہے کہ

۵۱ ناسخ التواریخ میں بیس لکھے ہیں۔ مولف عفی عنہ۔

یہ لوگ صرف خبر رسانی کی غرض سے روانہ ہوئے تھے۔

غزوۂ ودان یا غزوہ ابوا۔ صفر سنہ (۱۱) ہجری

یہ ایک بستی مکہ اور مدینہ کے درمیان فرع کی طرف جحفہ کے پاس تھی۔ مدینہ سے تخمیناً تیرہ میل اور ابوا آٹھ میل تھا۔ ابوا فرع کے متعلقات سے ہے اور وہاں حضرت امین عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ خاتون کی قبر ہے۔ خود جناب رسول خدا اس سفر میں تشریف لیگئے اور بنی ضمرہ بن بکر بن عبد مناف بن کنانہ سے جنکا سردار مخشی بن عمرو الضمیری تھا اس بات کا معاہدہ کیا کہ وہ نہ آپکی مدد کرینگے نہ قریش مکہ کی۔ اور یہ معاہدہ کرکے واپس تشریف لے آئے۔ اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ مدینہ والوں کو قریش مکہ کے حملہ کا کسقدر خوف تھا۔

غزوۂ بواط۔ ربیع الاول سنہ (۱) ہجری

یہ ایک پہاڑ ہے جہنیہ کے پہاڑوں میں سے رضوے کے پاس خود آنحضرت صلعم نے سفر فرمایا اور رضوے کی طرف سے بواط میں ہوکر واپس تشریف لے آئے۔ یہ صرف ایک سفر تھا خواہ اس سے مقصود لوگوں میں وعظ کرنا ہو یا قریش مکہ کے ارادوں کا پتہ لگانا یا دونوں۔

غزوۂ سفوان۔ یا بدر اولی۔ ربیع الاول سنہ (۲) ہجری

یہ بدر کے پاس ایک میدان ہے۔ اور بدر ایک چشمہ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان وادی صفرا کے اخیر پر واقع ہے اور وہاں سے سمندر کا کنارہ ایک رات کے راستہ ہے۔ کرز بن جابر الفہری نے

مدینہ والوں کی مویشی لوٹ لی تھی۔ پس آنحضرت نے بذات خاص
اُن کا تعاقب کیا اور سفوان تک تشریف لے گئے۔ مگر وہ ہاتھ نہ آئے

غزوہ ذوالعشیرہ۔ جمادی الآخر سنہ (۲) ہجری

یہ ایک جگہ ہے مکہ اور مدینہ کے درمیان ینبوع کی طرف
خود آنحضرتؐ نے سفر کیا اور بنی مدلج اور اُنکے حلیف بنی ضمرہ سے
امن کا معاہدہ کرکے واپس تشریف لے آئے۔

سریہ نخلہ۔ رجب سنہ (۲) ہجری

یہ ایک جگہ ہے مکہ کے پاس مکہ اور طائف کے درمیان
اس سریہ میں مہاجرین میں سے آٹھ آدمی اور بعضوں نے لکھا ہے
کہ بارہ آدمی تھے اور آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحش
اُنکے سردار تھے۔ چونکہ ان لوگوں کا مکہ کے قریب بھیجا جانا مقصود تھا
جہاں جان جانیکا نہایت اندیشہ تھا اسلئے آنحضرتؐ نے احتیاطاً
عبداللہ کو ایک سربمہر رقعہ دیکر حکم دیا کہ مکہ کی طرف چلے جاؤ
اور تین روز بعد اسکو کھولکر پڑھو۔ اور جو لکھا ہے اُسپر عمل کرو۔ اس رقعہ میں
لکھا تھا کہ امض حتی تنزل نخلۃ فترصد بہا قریشا وتعلم لنا من
اخبارھم۔ یعنی نخلہ تک برابر چلے جاؤ اور جب وہاں پہنچ جاؤ تو
مخفی طور پر دشمنوں کی حرکات وسکنات کو دیکھو اور اُن کے ارادوں کی
خبر لاؤ۔ مگر ان کے نخلہ میں پہنچنے کے دو دن بعد جو انکا ایک قریش
کا ایک چھوٹا سا قافلہ طائف کا مال تجارت لئے ہوئے آن پہنچا تو عبداللہ

اور اُن کے ساتھیوں نے حکم کے برخلاف اُنپر حملہ کر دیا اور عمرو بن عبد اللہ الحضرمی جو مکہ کے سرداروں میں سے تھا تیر سے مارا گیا اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبد اللہ المخزومی جو ابوجہل کے قبیلہ میں سے تھا گرفتار ہو گئے۔ مکہ والوں میں سے کسی نے اُنکا تعاقب نہیں کیا۔ جسکی وجہ غالباً یہ تھی کہ ابن اثیر کی ایک روایت کے موافق جو درایۃً صحیح معلوم ہوتی ہے رجب کا مہینہ ختم نہیں بلکہ شروع ہو گیا تھا جسمیں مشرکین عرب لڑائی کو حرام مطلق جانتے تھے۔ کیونکہ اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو عبد اللہ اور اُسکے ساتھیوں میں سے کسی ایک کا بھی زندہ بچنا محال تھا جب یہ لوگ لوٹ کا مال اور قیدیوں کو لیکر مدینہ میں آئے تو آنحضرتؐ کو اونکی اس حرکت سے بہت ملال ہوا اور آپ نے اُنکو بہت ملامت کی اور قیدیوں کو سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کے واپس آنے پر جو اپنے اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے تھے اس غرض سے چھوڑ دیا اور عبد اللہ بن الحضرمی کا خونبہا بھی اپنے پاس سے دیدیا کہ مکہ والوں کے کینہ کو اشتعال نہ ہو۔

اِس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سریوں کے بھیجنے سے قریش کے ساتھ چھیڑ چھاڑ مقصود نہ تھی جیسا کہ سر ولیم میور وغیرہ نے لکھا ہے بلکہ صرف اُن کے ارادوں کا حال دریافت کرنا مقصود تھا نہ لڑنا اور کسی پر حملہ کرنا۔ اور نیز یہ کہ کوئی شخص بجبر مسلمان نہیں کیا جا سکتا۔

غزوۂ بدر الکبریٰ - رمضان ۲ سنہ ہجری

جیسا کہ متوقع تھا عبداللہ بن جحش کی اس خلاف حکم حرکت سے قریش کے مدینہ پر حملہ کرنیکے ارادہ کو سخت تحریک ہوئی اور اُنہوں نے قریب ایکہزار کے جنگ آزمودہ لوگ جمع کیے جنمیں سے سَو کے پاس گھوڑے اور باقی کے پاس سواری اور باربرداری کے لئے سات سَو اونٹ تھے ہمدریں اثنار اُنکو یہہ خبر پہنچی کہ اُنکا وہ قافلہ جسکو ابوسفیان بن حرب تیس یا چالیس آدمیوں کے ساتھ شام سے مکہ کو لئے آرہا تھا اور جس میں بہت سامال واسباب تھا مسلمان اُسپر حملہ کرنا اور اوسکو لوٹنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ یہہ خبر فی الواقع صحیح نہ تھی مگر اُسنے آگ پر تیل کا کام کیا اور قریش فوراً قافلہ کے بچانے اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ اور ہر مدینہ میں بھی یہہ خبر پہنچ چکی تھی کہ قریش مکہ سے بڑے کروفر کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں اور یہہ بھی کہ اُنکا ایک قافلہ بہت سامال واسباب تجارت لئے ہوئے شام سے مکہ کو جارہا ہے۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سو تیرہ ۳۱۳ لڑنے والے لوگوں کے ساتھ مدینہ سے کوچ فرمایا جنمیں سے ایک یا دو کے پاس گھوڑے تھے اور باقی لوگوں کے لئے صرف ستر اونٹ تھے جنپر نوبت بہ نوبت تین تین ۳ چار چار ۴ آدمی سوار ہوتے تھے۔ چنانچہ خود آنحضرتؐ اور جناب علی مرتضیٰ اور زید بن حارثہ ایک ہی اونٹ پر نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے۔ پس بمقام بدر پہنچکر قریش سے لڑائی ہوئی۔ اور اُن کے ستر آدمی مارے گئے اور اسیقدر گرفتار ہوگئے

اور اُن کا تمام مال و اسباب جو وہ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے مسلمانوں کو ملگیا۔
مقتولین میں سے ابوجہل اور ربیعہ کے دونوں بیٹے عُتبہ اور شیبہ
اور عتبہ کا بیٹا ولید اور حنظلہ بن ابی سفیان اور نوفل اور ابوالبختری
وغیرہ چوبیس ۲۴ آدمی قریش کے نامی گرامی سرداروں میں سے تھے جنمیں
سے موافق روایت ابن ہشام کو جناب علیؑ مرتضیٰ نے لڑ کر
مارا۔ اور یہ پہلی دفعہ تھی کہ آپکو اپنی بے مثل شجاعت و شہامت کے جوہر
دکھانیکا موقع ملا۔ مسلمانوں میں سے صرف چودہ ۱۴ آدمی مارے گئے جنمین
سے چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔ قیدیوں میں سے دو شخص نضر
بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط جن کی دشمنی مذہب اسلام
سے مشہور و معروف تھی اُسوقت کی لڑائی کے دستور کے موافق اپنی
کردار زشت کی سزا کو پہنچے۔ یعنی قتل کئے گئے۔ مگر باقی قیدیوں کی نسبت
سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ "بتعمیل حکم آنحضرتؐ مسلمانوں نے
انکو اپنے گھروں میں رکھا اور بڑی خاطر و مدارات کی۔ چنانچہ چند روز کے
بعد اُن میں سے ایک قیدی نے کہا کہ خدا اہل مدینہ کو آباد رکھے کہ اُنہوں
نے ہمکو سواری پر چڑھایا اور خود پیدل چلے۔ اور ہمکو گیہوں کی روٹی کھلائی
اور آپ کھجوروں پر قناعت کی" سر سید احمد خان بہادر اس لڑائی کے
ذکر میں لکھتے ہیں کہ "زمانہ جاہلیت میں غنیمت کے مال کا جیسا کہ اشعار
مندرجہ حاشیہ سے ظاہر ہوتا ہے یہ دستور تھا کہ تقسیم ہونے سے پہلے

+ ہم نے یہ اشعار بغرض اختصار چھوڑ دیے ہیں۔ مؤلف عفی عنہ

سردار لشکر جو چیز چاہتا پسند کر لیتا تھا۔ اور بروقت تقسیم چوتھا یعنی حصّہ چھارم
سردار لشکر کو دیا جاتا تھا اور باقی لڑنے والوں اور فتح کرنے والوں میں تقسیم
ہوتا تھا اور خاص کسی شخص کے ہاتھ جو مال آتا تھا وہ اسکو اپنی ملکیّت سمجھتا تھا۔
غالباً فتح کرنے والوں میں نسبت کسی مال غنیمت کے اس قسم کا جھگڑا پیدا
ہوا کہ کوئی اسکو خاص اپنی ملکیّت قرار دیتا تھا اور کوئی اپنی ملکیّت۔ اور کوئی مشترک
ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ اور اوسوقت تک مسلمانوں کے لیے غنیمت کے
مال کی نسبت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اسلیے لوگوں نے آنحضرت سے
غنیمت کے مال کی نسبت پوچھا۔ اسپر یہ حکم ملا کہ "قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ"
یعنی غنیمت کا مال کسی کی ملکیت نہیں بلکہ خدا اور رسول کی ملکیت ہے"۔ رسول کا
نام لینے سے یہ مدعا نہیں ہے کہ رسول کی ذاتی ملکیت ہے بلکہ اس طرح
کے کلام سے صرف خدا ہی کی ملکیت ہونا مراد ہے۔ خدا کی ملکیت
قرار دینے سے یہ مراد ہے کہ کوئی خاص شخص اُسپر دعویٰ نہیں کر سکتا بلکہ خدا جسطرح
پر حکم دیگا اُس طرح پر کیا جائیگا۔ پھر اسی سورہ (یعنی انفال) کی بیالیسویں آیت
میں یہ حکم آیا کہ "مال غنیمت میں سے خمس خدا اور رسول کے لئے ہے جو
قرابت مندوں اور غریبوں اور یتیموں اور مسافروں کے فائدہ کے لئے
رہیگا۔ اور چار خمس اُن لوگوں میں جو لڑتے تھے یا لڑائی کے متعلق کاموں میں
مصروف تھے تقسیم کیا جائیگا۔

جو رسم کہ زمانہ جاہلیت میں تھی اُس سے یہ حکم تین باتوں میں مختلف تھا
اوّل۔ سردار کی چوتھ موقوف کرنے اور خدا کے لئے خمس نکالنے میں

دویم - عام طور پر کسی خاص مال پر کسیکا حق نہونے میں -

سویم - جو لوگ عین لڑائی میں موجود تھے اور جو لوگ لڑائی کے متعلق کسی کام پر متعین تھے اُنکو بھی مال غنیمت میں سے حصہ ملنے میں -

یہ تمام احکام اور خصوصاً خمس کا نکالنا ایسے عمدہ احکام ہیں کہ اُنسے بہتر اور مفید تر کوئی حکم مال غنیمت کی نسبت نہیں ہوسکتا " انتہا قولہ اسلمہ

مسٹر جارج سیل اپنے ترجمۂ قرآن میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ " یہ عجیب بات ہے کہ پیغمبر اسلام کے اصحاب میں بھی جنگ بدر کے مال غنیمت پر ویسی ہی نزاع پیدا ہوئی جیسے حضرت داؤد کی فوج میں عمالقہ کے مال غنیمت پر جھگڑا ہوا تھا - جو لوگ لڑائی میں شریک ہوئے تھے اُنہوں نے یہی اصرار کیا کہ جو لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اُنکو مال غنیمت میں کچھ حصہ نہ ملنا چاہیئے - اور دونوں صورتوں میں یہی فیصلہ کیا گیا کہ وہ سب برابر تقسیم کرلیں اور یہ فیصلہ آیندہ کے لئے قانون ہوگیا -

مگر مسٹر سیل کا یہ تعجب بیجا ہے کیونکہ حضرت داؤد کا فیصلہ حکم ربانی کی رو سے تھا اور آنحضرتؐ نے جو فیصلہ فرمایا وہ بھی خدا کی ہدایت سے تھا اور اسی لئے دونوں باہم موافق تھے - اس لڑائی کا اصل واقعہ تو اسیقدر ہے جو ہمنے صاف طور پر بیان کردیا ہے - مگر چونکہ مخالفین اسلام نے اسپر بہت کچھ الزام لگائے ہیں اسلئے بزرگ مجاہد (سر سید احمد خان بہادر) نے اِسکی نسبت نہایت عمدہ اور محققانہ بحث کی ہے اور ثابت کردیا ہے کہ وہ الزام محض غلط ہیں - چنانچہ فرماتے ہیں کہ ذرا آپ چند امر اسمیں بحث طلب ہیں

اوّل یہ کہ مکہ کے قریش نے کیوں لڑائی کے لئے لوگ جمع کئے تھے
اور کیوں لڑنیکے ارادہ سے نکلے تھے۔ تمام مسلمان مورخ لکھتے ہیں
ہیں کہ قریشِ مکہ کو یہ خبر پہنچی تھی کہ آنحضرت کا ارادہ ابی سفیان والے قافلہ
کے لوٹنے کا ہے اسلئے اُنہوں نے اُس قافلہ کے بچانے کو لوگ جمع
کئے اور لڑائی کے ارادہ سے نکلے۔ اگر یہ روایتیں صحیح مان لی جائیں تو بھی
یہ بات لازم نہیں آتی کہ جو خبر اُنکو پہنچی تھی وہ صحیح تھی اور درحقیقت آنحضرت کا ارادہ
اُس قافلہ کو لوٹنے کا تھا۔ علاوہ اسکے جبکہ قریشِ مکہ نے بہت
سے لڑنے والے آدمی جمع کر کے لڑائی کے ارادہ پر
کوچ کیا تھا تو اس بات کا کسی طرح پر یقین نہین ہو سکتا
کہ اُن کا ارادہ صرف اُس قافلہ ہی کی حفاظت کا تھا اور
خاص مدینہ پر چڑھائی کرنے کا نہ تھا۔ بلکہ دو دلیلیں ایسی صاف
ہیں جنسے پایا جاتا ہے کہ اُن کا ارادہ اُس سے زیادہ تھا اسلئے کہ اُنہوں نے
اسقدر آدمی جمع کئے تھے اور لڑائی کا سامان اور نفیر[1] عام اس طرح پر کی تھی جو
قافلہ کی حفاظت کی ضرورت سے بہت زیادہ تھی۔ اور جبکہ وہ قافلہ خدشہ کر
مقام سے بچکر نکل گیا اُسوقت بھی اُنہوں نے کوچ کو اور لڑائی کے ارادہ کو
موقوف نہیں کیا۔ اور اگر فرض کیا جاے کہ اُن کا ارادہ اُس قافلہ ہی کے بچانیکا
تھا تب بھی اہل مدینہ کو کسی طرح اسبات پر طمانیت نہیں ہو سکتی تھی کہ اُنکا
ارادہ مدینہ پر حملہ کرنے کا نہیں ہے۔ بلکہ جو عداوت اہل مکہ کو مہاجرین
اور مدینہ کے انصار سے تھی اور جسپر حملہ کرنے اور غارت کرنیکی وہ ہمیشہ

[1] - لڑائی کے لیے لوگوں کے جمع کرنیکو عربی زبان مین "نفیر" کہتے ہین - مولف عفی عنہ

دشمکی دیتے تھے اور اُسکے خواہشمند بھی تھے وہ ایک قومی دلیل
اس خیال بلکہ یقین کرنے کی تھی کہ وہ ضرور مدینہ پر بھی حملہ کرینگے۔
دوسری یہ کہ آنحضرتؐ نے کیوں مدینہ سے بقصد جنگ کوچ کیا تھا
تمام مسلمان مورخوں کا جنکی عادت میں داخل ہے کہ بلا سند روایتوں
اور غلط و صحیح افواہوں کو بلا تصحیح و تنقید اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں اور اُن ہی پر
بنا سے واقعات قایم کرتے ہیں یہ قول ہے کہ "آنحضرتؐ اور اُنکے صحابہ
نے یہ بات خیال کرکے کہ ابی سفیان کے ساتھ کے قافلہ میں لوگ
بہت تھوڑے اور مال بہت زیادہ ہے لوٹ لینے کا ارادہ کیا تھا اور
اسیوجہ سے کوچ کیا۔ اسکی خبر قریش مکہ کو پہنچی تو اُنھوں نے نفیر عام کی
اور قافلہ کے بچانیکو نکلے" جسکا نتیجہ یہ ہے کہ قریش کے ساتھ لڑتے اور
اُن کے قافلہ کے لوٹنے کا قصد اول آنحضرت نے کیا اور اُسکے دفع
کرنیکو قریش بقصد لڑائی نکلے۔ ان مسلمان مورخوں کی نادانی اور غلطی
سے مخالفین مذہب اسلام کہ آنحضرتؐ اور صحابہ کی نسبت قافلوں کے
لوٹنے کا بیجا غیر بری کی شار کے شایاں نہیں ہے اور بلا سبب لڑائی کے
لیے ابتدا کرنیکے الزام لگانیکا موقع ہاتھ آیا ہے اور بہت زور و شور
سے ان الزامون کو قایم کیا ہے۔ لیکن اُس زمانہ کی حالت پر اور جو طریقہ دشمنوں
کے ساتھ پیش آنیکا اُس زمانہ میں بلا اعتراض کے مروج تھا اُسپر اگر لحاظ کیا جاے
تو ایسا کرنے میں بھی اگر کیا گیا ہے کوئی مقام اعتراض کا نہیں ہوسکتا اور
اگر ہم اُس طریقہ تعجب انگیز کا جو حضرت موسےٰ نے اپنے دشمنوں

کے ساتھ اختیار کیا تھا اسکے ساتھ مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اگر ایسا کیا گیا
بھی ہو تو حضرت موسیٰ کے برتاؤ سے بہت ہی خفیف درجہ رکھتا ہے
مگر درحقیقت یہ الزام محض غلط اور بے بنیاد ہیں اور وہ حدیثیں اور روایتیں
جنکی بنا پر وہ الزام قایم کئے ہیں از سرتا پا غلط اور غیر مستند ہیں۔
قرآن مجید میں یہ واقعہ نہایت صفائی سے مندرج ہے اور اسمیں صاف
بیان ہوا ہے کہ کس گروہ کے مقابلہ میں آنحضرتؐ نے مقاتلہ کے قصد سے
کوچ فرمایا تھا۔ آیا قافلہ کے لوٹنے کے ارادہ سے یا اُس گروہ کے مقابلہ
کے لئے جسکو قریش مکہ نے اسکے ارادہ سے جمع کرکے کوچ کیا تھا
اور آنحضرتؐ کا کوچ فرمانا قریش مکہ کے کوچ کرنیکے بعد ہوا تھا یا اُسکے قبل
ہوا تھا۔ ہم قرآن مجید کی آیتوں سے ثابت کرینگے کہ آنحضرت کا خیال بھی
اُس قافلہ کے لوٹنے کا نہ تھا اور قریش مکہ کے بقصد جنگ فوج کثیر کیساتھ
کوچ کرنیکے بعد جس سے ہر طرح مدینہ پر اُنکا ارادہ حملہ کرنیکا پایا جاتا تھا اور اسلئے
یہ کہ بوجہ قوی احتمال ہوتا تھا مدینہ کی حفاظت کی غرض سے کوچ کیا تھا۔
اور جبکہ خود قرآن مجید کی آیتوں سے یہ امر ثابت ہوتا ہے تو روایت یا
کوئی حدیث جو اُسکے برخلاف ہو اور کتاب میں مندرج ہو اور کسی نے روایت
کی ہو عقلاً و نقلاً مردود ہے۔ عقلاً اسلئے کہا کہ جو لوگ مسلمان نہیں ہیں
اگر صرف تاریخانہ اصول پر نظر رکھیں تو بھی اس بات کو تسلیم کرینگے کہ زبانی
روایتیں جو ایک زمانہ بعد تحریر میں آئیں قرآن مجید کے مقابلہ میں جبکہ اُن
دونوں میں اختلاف ہو قابل قبول اور لایق وثوق نہیں ہوسکتیں۔ اسی سورہ (انفال)

کی پانچویں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آنحضرتؐ اپنے گھر یعنی مدینہ ہی میں تھے اور وہاں سے کوچ بھی نہیں کیا تھا کہ آپس میں صحابہ کے اختلاف تھا بعض تو لڑنیکے لئے نکلنا پسند کرتے تھے اور بعضے ناپسند جیسا کہ خدا فرماتا ہے،

"کَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝"

(سورۂ انفال آیت ۵)

یعنی وہ جسطرح تیرے پروردگار نے تجکو تیرے گھر (مدینہ) سے حق پر نکالا۔ اور بیشک ایکگروہ ایمان والوں میں سے ناپسند کرتا تھا (لڑائی کے لئے نکلنے کو) جو لوگ لڑنے کے لئے نکلنا ناپسند کرتے تھے اوسکی وجہ چھٹی آیت میں بیان ہوئی ہے یعنی

"يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝"

(سورہ ایضاً آیت ۶)

تجھسے جھگڑتے ہیں حق بات میں اُسکے بعد ظاہر ہوجانیکے بعد بھی گویا کہ وہ ہانکے جاتے ہیں موت کیطرف اور وہ اُسکو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں"

اوپر کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی سفیان کا قافلہ جو شام سے آتا تھا اُسمیں نہایت قلیل آدمی تھے اُنسے لڑنیکے لئے کوچ کرنے میں اور اُسکے لوٹنے میں کوئی خوف کی بات نہ تھی۔ بلکہ یہ خوف قریش مکہ کی اُس فوج سے تھا جو اُنہوں نے نفیرِ عام کے بعد جمع کی تھی۔ اِس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قبل اسکے کہ آنحضرتؐ مدینہ سے کوچ فرمائیں قریش مکہ لڑنیکو نکل چکے تھے یا آمادۂ جنگ ہو چکے تھے۔

اِسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ آمادگی جنگ کے بعد اور مدینہ سے

کوچ کرنیکے قبل بعض صحابہ کی یہ راے ہوئی کہ شام کے قافلہ کو لوٹ لیا جاے
معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان مورخوں اور راویوں نے اس راے کو جو بعض
صحابہ نے دی تھی غلطی سے اس طرح پر بیان کیا ہے کہ گویا پیغمبر خدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ قافلہ کے لوٹنے ہی کا تھا اور جو آماوگی جنگ مدینہ
میں ہوئی تھی وہ قافلہ ہی کے لوٹنے کے لئے ہوئی تھی۔ زمانہ دراز کے
بعد کسی واقعہ کے بیان میں جو افواہی چلا آتا ہو اس قسم کی غلطی کا واقع ہونا
کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ مگر قرآن مجید سے صاف ظاہر ہے
کہ وہ زبانی روایتیں غلط ہیں بلکہ جو آماوگی جنگ کی مدینہ میں ہوئی وہ
بمقابلہ قریش کے ہوئی تھی نہ واسطے لوٹنے قافلہ کے۔

اس سورہ کی چھبیسویں آیت میں جو جملہ "بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ" آیا ہے وہ
اسپر دلالت کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ پر منکشف کر دیا تھا کہ اس
لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوگی۔ اسکے بعد ساتویں آیت میں دو گروہوں کا ذکر
ہے۔ ایک وہ گروہ جسکے ساتھ کچھ شان و شوکت یعنی لڑائی کا سامان نہ تھا۔

"وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ	اس گروہ سے وہ قافلہ مراد ہے جو شام
اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ	سے آتا تھا اور جسکے ساتھ صرف تیس چالیس
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ	آدمی تھے۔ دوسرا گروہ قریش مکہ
اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ	کا تھا جسکے ساتھ بہت سا لشکر اور بہت کچھ
دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ" (سورۂ انفال آیت)	شان و شوکت تھی۔ خدا نے کہا ان دو گروہوں
یعنی یاد کرو جبکہ تم سے اللہ نے وعدہ	گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارے

کیا تھا دو گروہوں میں سے ایک کا	لئے ہے۔ تم اُس بے شان و شوکت
کہ وہ بیشک تمہارے لئے ہے	گروہ کو لینا چاہتے ہو۔ مگر خدا چاہتا ہے
اور تم یہ چاہتے تھے کہ اُن میں سے	کہ جو حق بات ہے یعنی دین اسلام وہ ثابت
غیر مسلح گروہ تمہارے لئے ہو اور	ہو جاوے۔ اور کافروں کی جڑ کٹ جاوے
اللہ چاہتا تھا کہ سچ کو سچ کر دے اپنے	پس اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتا ہے
حکم سے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے"	کہ لڑنے کا حکم قریش مکہ کے مقابلہ کے لئے

تھا نہ اُس قافلہ کے لوٹنے کے لئے۔

ساتویں آیت سے چھٹی آیت کے مضمون کی بھی زیادہ تشریح ہوتی ہے کہ بعض صحابہ جو لڑائی کے لئے نکلنے کو ناپسند کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ گویا انکو موت کیطرف ہانکا جاتا ہے اور وہ اپنے مارے جانے کو دیکھ رہے ہیں اُس خوف کا سبب یہی تھا کہ انکو قریش مکہ کے مقابلہ میں نکلنے کا حکم ہوا تھا جو لشکر کثیر کے ساتھ لڑائی کو نکلے تھے اور جس سے یقین یا احتمال قوی مدینہ پر اور مہاجرین اور انصار پر حملہ کرنے کا تھا۔ نہ اُس قافلہ پر حملہ کرنے کا جسکے ساتھ کچھ شان و شوکت یعنی سامان جنگ نہ تھا۔

بیان مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود قرآن مجید سے مندرجہ ذیل امر ثابت ہوتے ہیں۔

اوّل یہ کہ مدینہ ہی میں اور مدینہ سے کوچ کرنے سے پہلے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ قریش مکہ لشکر کثیر کے ساتھ جنگ کے ارادہ سے نکلے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مدینہ ہی میں خدا نے حکم دیدیا تھا کہ قریش

مکہ کے مقابلہ میں لڑنے کو جاؤ اور جن صحابہ نے اس درمیان میں قافلہ لوٹنے کی رائے دی تھی خود خدا تعالیٰ نے مدینہ ہی میں اُسکو نامنظور کیا تھا

اَب ہم اگر اُن روایتوں پر جو قرآن مجید کے برخلاف نہیں ہیں اعتبار کریں تو معلوم ہوتا ہے اور جو واقعات پیش آئے اُنسے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ سے جو لوگ لڑنے کو نکلے وہ قریش مکہ کے مقابلہ میں اُنکے حملہ کے دفع کرنے لئے نکلے تھے نہ قافلہ کے لوٹنے کے لئے۔

سیرت ہشامی میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے مکہ کیطرف کوچ فرمایا اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہہ کوچ قریش مکہ کے مقابلہ میں تھا نہ شام کے قافلہ پر۔ کیونکہ وہ قافلہ شام سے آتا تھا جو مدینہ سے جانب شمال واقع ہے اور مکہ سے جانب جنوب اور شام سے قافلہ کے مکہ میں آنیکا رستہ مدینہ سے جانب غرب پڑتا ہے۔ پس اگر قافلہ پر حملہ کرنیکے لئے کوچ کیا جاتا تو مدینہ سے غرب کی جانب کا رستہ اختیار کیا جاتا نہ جنوب کا۔

سیرت ہشامی میں لکھا ہے کہ آنحضرت مدینہ سے نکلکر نقب المدینہ میں تشریف لائے۔ پھر وہاں سے عقیق میں وہاں سے ذوالحلیفہ میں۔ وہاں سے اثالت الجیش یا ذات الجیش میں وہاں سے تربان میں۔ وہاں سے ملل میں۔ وہاں سے عمبس الحمام میں۔ وہاں سے ضجنوات الیمام میں۔ وہاں سے صیالد میں۔ وہاں سے

بخار الرحا میں۔ وہاں سے شوکہ میں اور عرق الظبیہ میں پہنچے
تو وہاں ایک عرب ملا (غالباً مکہ سے آنیوالا تھا) اُس سے لوگوں کا
حال پوچھا۔ مگر اُسنے کچھ نہیں بتایا۔ پھر آنحضرتؐ وہاں سے چلکر سجسبج
میں ٹھہرے۔ پھر وہاں سے چلے اور جب منصرف میں پہنچے تو
بائیں طرف مکہ کا رستہ چھوڑ دیا اور دائیں طرف پھرے اور نازیہ ہو کر
بدر جانیکا ارادہ کیا اور حقان اور وہاں سے مضیق الصفرا میں
پہنچے اور بسبس بن عمرو الجُہنی اور عَدِی بن ابی الزغباء الجُہنی
کو ابوسُفیان کی اور اور لوگونکی (قریش مکہ کی) خبر دریافت کرنیکو روانہ
کیا اور مضیق الصفرا کو بھی بائیں طرف چھوڑ کر دائیں طرف چلے اور
وادی ذفران میں پہنچے وہاں قریش کے آنیکی خبر ملی"

ذفران کے مقام میں آنحضرتؐ نے تمام لوگوں سے جنمیں انصار
بھی شامل تھے قریش کے بڑھے چلے آنیکی خبر کی اور سب کو لڑنے مرنے
پر مستعد پایا۔ تب آنحضرتؐ وہاں سے ثنایا یعنی اصافر پر گئے اور وہاں سے
دَبہ میں اُترے۔ اور وہاں سے قریب بدر پہنچکر مقام کیا اور تحقیق خبر
ملی کہ قریشِ مکہ کا لشکر یہاں سے بہت قریب پڑا ہوا ہے۔ انجام کار
دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی۔

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے پہلے شام کا قافلہ جسکے
ساتھ ابوسفیان بن حرب تھا سمندر کے کنارے کنارے ہو کر نکلگیا تھا
اور بدر میں نہیں آیا تھا۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ "جب ابوجہل

مکّہ سے لوگوں کو لیکر نکلا تو اُس سے کہا گیا کہ قافلہ نے سمندر کے کنارہ کا رستہ لیا اور سلامت چلا گیا۔ اَب مکّہ کو پھر چلو۔ اُسنے کہا کہ خدا کی قسم ایسا نہو گا۔" پس یہ تمام واقعات ثابت کرتے ہیں کہ مدینہ سے آنحضرت کا لڑائی کے لئے نکلنا صرف قریش مکّہ کے مقابلہ میں اور اُنکے حملہ کے دفع کرنے کی غرض سے اور مدینہ کو جہاں مہاجرین نے پناہ لی تھی اور مہاجرین اور انصار کو قریش کے حملہ سے بچانیکے لئے تھا۔ ہر ایک لایق شخص جسکو خدا نے معاملات جنگ کے سمجھنے کی لیاقت دی ہو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اگر حملہ آور قریش مدینہ کی دیواروں تک پہنچ جاتے تو اُن کا روکنا اور اُنکے حملہ کو دفع کرنا ناممکن تھا۔ مہاجرین کو وہاں گئے ہوئے پورے دو برس بھی نہیں ہوئے تھے۔ مدینہ کے جن لوگوں نے انکو پناہ دی تھی اور دل وجان سے مہاجرین کے مددگار تھے اور جو انصار کہلاتے تھے اُنکی تعداد بھی بمقابلہ آبادی مدینہ اور اُسکے گردونواح کے کچھ زیادہ نہ تھی۔ پس جبکہ اہل مدینہ یہ حالت دیکھتے کہ اُن لوگوں کے سبب سے مدینہ پر کیا آفت آئی ہے اور غنیم نے اُسکو گھیر لیا ہے تو اُن سب کی حالت بالکل بدل جاتی۔ اور حملہ آور کا حملہ دفع کرنا غیر ممکن ہو جاتا۔ اور اسلئے ضرور تھا کہ مدینہ سے آگے بڑھکر اُنکا مقابلہ کیا جاوے اور جو کچھ خدا کو کرنا منظور ہو وہ مدینہ سے باہر ہو جاوے اسی لئے آنحضرتؐ نے قریش کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے باہر نکلنا اور آگے بڑھکر اُنکو روکنا ضرور سمجھا تھا۔ اَب کون شخص ہے جو ان

واقعات کو انصاف کی نظر سے دیکھکر انکو کسی الزام کی بنیاد قرار دیسکتا ہو"
(انتہی قولہ رسلہ اللہ تعالیٰ)

(۱) (سریۂ عمر بن العدی الخطمی - رمضان ۲ سنہ ہجری)

(۲) (سریۂ سالم بن عمیر - شوال ۲ سنہ ہجری)

تعجب ہے کہ علامہ قسطلانی نے ان دونوں واقعوں کو سریہ کرکے لکھا ہے حالانکہ نہ وہ سریہ تھے نہ آنحضرت نے ان دونوں میں سے کسیکو کہیں بھیجا تھا عمر بن عدی نے از خود ایک عورت عصماء بنت مروان کو جو یزید بن الخطمی کی جورو تھی اور اوسکی رشتہ دار تھی مار ڈالا اور سالم بن عمیر نے ایک بڈھے یہودی کو مار ڈالا - یہ ایک معمولی واقعات ہیں جو دنیا میں ہوتے رہتے ہیں انکو اس خیال سے کہ وہ کافر مارے گئے سریہ میں داخل کرنا محض غلط ہے - بالفرض اگر پہلے واقعہ کی خبر آنحضرت کو ہوئی اور اُسپر کچھ مواخذہ نہیں کیا جسکے کچھ اسباب ہونگے تو بھی اُسکو سریہ قرار نہیں دیا جا سکتا -

غزوہ بنی قینقاع - شوال ۲ سنہ ہجری

بنی قینقاع یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مدینہ میں رہتے تھے اور ایک بازار اُن کے نام سے موسوم تھا اور سوق بنی قینقاع کہلاتا تھا ان سے بھی امن کا معاہدہ تھا - مگر جب بدر کی لڑائی ہوئی تو انہوں نے اظہار بغاوت کیا - اسی درمیان میں ایک مسلمان عورت سے جو سوق

† دیکھو تاریخ ابن اثیر جلد ثانی صفحہ ۵۶ مطبوعہ مصر - مؤلف عفی عنہ

بنی قینقاع میں کسی کام کو گئی تھی نالایق طور پر ہنسی کی اور اسکا کپڑا اٹکا کر
اسکا ستر عورت کھول ڈالا۔ اسپر ایک مسلمان غصہ میں آیا اور اُس یہودی
کو جسنے عورت کو بے ستر کیا تھا مار ڈالا۔ یہودیوں نے اُس مسلمان
کو گھیر کر مار ڈالا۔ اسپر یہودیوں اور مسلمانوں میں نزاع قائم ہوگئی۔
ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات اُسوقت ہوے ہیں جب
آنحضرتؐ بدر کی لڑائی میں مصروف تھے۔ جب آپ واپس تشریف لائے
تو اُن یہودیوں نے علانیہ معاہدہ توڑ دیا اور عہدنامہ جو تحریر ہوا تھا واپس بھیج دیا[۵۱]
اب اگر ایسے ہنگامے اور فساد جائز رکھے جاتے تو نتیجہ یہ ہوتا
کہ مدینہ ایک جنگ گاہ بنجاتا جسمیں مخالف فرقوں کے لوگ بلا مزاحمت
و بلا عقوبت ایک دوسرے کو قتل کرتے۔ اسلئے اُنکے محلہ کا محاصرہ
کرلینا ضرور ہوا۔ اور قبل شروع کرنے لڑائی کے بطور قطع حجت اُنکو کہا گیا کہ
اسلام قبول کرو ورنہ تمہارا بھی وہی حال ہوگا جو بدر والوں کا ہوا۔ اُنہوں نے
اسپر سختی سے یہ گستاخانہ جواب دیا کہ "اے محمدؐ اپنی قوم کو شکست دیکر
نازان نہو تجکو ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا جو ہنر جنگ سے محض ناواقف
تھے۔ اگر تو ہمسے بھی ویسا ہی برتاؤ کیا چاہتا ہے تو ہم تجکو دکھا دینگے
کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں"[۵۲] پس پندرہ دن محاصرہ جاری رہا
اور اسکے بعد اُنکا حلیف عبداللہ بن اُبی بن سلول خزرجی جو منافقانہ
طور پر مسلمان کہلاتا تھا درمیان میں پڑا اور یہ ٹھہرا کہ یہودی مدینہ سے

---

۵۱ دیکھو تاریخ ابن اثیر جلد ثانی صفحہ ۵۲ ۵۲ دیکھو تاریخ ابن اثیر و تاریخ ابن ہشام۔

چلے جائیں۔ چنانچہ عُبادہ بن صامِتؓ اُنکی حفاظت کو متعین ہوئے اور وہ لوگ بامن وامان مع مال واسباب مدینہ سے چلے گئے۔ البتہ اُن کے ہتھیار اور مکان ضبط کر لئے گئے۔ اَب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ واقعہ آنحضرتؐ کی طرف سے حملہ تھا۔ یا بجبر مسلمان کرنا مقصود تھا۔ یا صرف امن کا قایم رکھنا۔

غزوۃ السویق۔ ذی الحجہ ۲ سنہ ہجری

اَبوجہل وغیرہ صنادید قریش کے مارے جانے سے قریش کی سرداری اُبُوسفیان کے ہاتھ آئی چونکہ اُسکا بیٹا حنظلہ اور اور اقربا جنگ بدر میں مارے گئے تھے اُنکے جوش انتقام میں اُسنے قسم کھائی کہ جب تک بدلہ نہ لوں گا خوشبو نہ لگاؤنگا اور نہ عورت سے ہمبستر ہونگا۔ پس جوہیں ایران قریش چھوٹ کر صحیح سلامت اپنے گھروں میں پہنچے وہ دو سو سواروں کے ساتھ مکّہ سے نکلا اور چھپتا ہوا مدینہ کے قریب پہنچگیا اور رات کو قبیلہ بنی نضیر کے یہودیوں کے سردار حُیَیّ بن اخطب کے پاس مسلمانوں کے تجسس حال کے لئے گیا مگر اُسنے ملاقات نہ کی اسلئے سلام بن مِشکم اُنکے ایک دوسرے سردار کے پاس پہنچا اور وہاں رہا اور صبحکو عُرَیض تک مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر آیا اور کھجوروں کے درخت جلا دیئے اور دو آدمیوں کو مار ڈالا۔ خبر کے معلوم ہونے پر آنحضرت نے خود اُسکا تعاقب کیا اور قرقرۃ الکدر تک تشریف لیگئے مگر کوئی ہاتھ نہ آیا۔ چونکہ قریش خوراک کے لئے ستو اپنے ساتھ لائے تھے

جنکو بھاگتے وقت گھوڑوں کا بوجھ کم کرنیکو پھینک گئے اسلئے یہ غزوہ اسی نام سے مشہور ہوگیا۔

غزوۂ قرقرۃ الکدر یا بنی سلیم۔ محرم ۲ سنہ ہجری

یہ ایک چشمہ ہے اُس رستہ کے قریب جو عراق سے مکہ کو جاتا ہے مدینہ سے تین منزل پر۔ یہ معلوم ہوا تھا کہ بنی سلیم اور بنی غطفان مدینہ پر چھاپا مارنے کو وہاں جمع ہوئے ہیں۔ اسلئے آنحضرتؐ دو سو آدمیوں کے ساتھ اُدھر تشریف لیگئے۔ مگر وہ آپکا آنا سنکر پہلے ہی منتشر ہوگئے تھے۔ اسلئے آپ مدینہ کو واپس تشریف لے آئے۔ مگر آتے ہی غالب بن عبد اللہ لیثی کو اُنکی گوشمالی کے لئے بھیجا اور وہ کچھ مارگئے اور کچھ بھاگ گئے۔ ادھر کے بھی تین آدمی مارگئے۔

سریۂ محمد بن مسلمہ۔ ربیع الاول ۳ سنہ ہجری

کعب بن اشرف یہودی کفار قریش کا تھانگی تھا اور مسلمانوں کو اور آنحضرتؐ کو ایذا پہنچاتا تھا اور قریش مکہ کو حملہ کرنے کی ترغیب دیتا تھا چنانچہ علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی کے بعد یہ خود مکہ کو گیا اور قریش کو جنگ پر آمادہ کیا۔ مقتولین بدر کے مرثیے لکھے اور قریش کو نہایت جوش دلایا۔ اسکو محمد بن مسلمہ نے اپنے چند ساتھیوں کی مدد سے مار ڈالا۔ واقعہ تو اسیقدر ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اُن لوگوں نے خود مارا یا آنحضرتؐ کے حکم سے۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ جسکا قابلِ اطمینان تصفیہ نہیں ہوسکتا۔ مگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے

حکم سے مارا اور اس بات کا تصفیہ کہ ایسی حالتیں کہ وہ دشمنوں سے سازش رکھتا اور مدینہ پر حملہ کی ترغیب دیتا تھا اُسکا قتل کروا دینا بلحاظ اُن اصولوں کے جو انتظام جنگ اور دشمنوں کے جاسوسوں اور تھانگیوں سے علاقہ رکھتے ہیں واجب تھا یا ناواجب - اُن لوگوں کے تصفیہ پر چھوڑتے ہیں جو اصول جنگ سے واقف ہیں" یہ تقریر ہمارے بوڑھے مجاہد کی ہے اور ہم اسقدر اور اضافہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے خواہ اُسکو از خود مارا ہو یا آنحضرتؐ کے حکم سے - دونوں صورتوں میں کچھ قابل الزام نہیں ہے کیونکہ وہ اُس قبیلہ میں سے تھا جس نے مسلمانوں کے ساتھ عہد کیا تھا اور یہ حلف کر لیا تھا کہ اُس چھوٹی سی جمہوری سلطنت کو جو آنحضرتؐ کے تحت میں ابھی قائم ہوئی تھی اندرونی اور بیرونی خطروں سے بچائیں گے - پس جس سلطنت کا وہ شریک تھا اُسی کے برخلاف علانیہ کارروائی کرنیکا مجرم اور اُس سزا کا مستوجب تھا جو ایسے جرائم کے لئے اس تہذیب و شائستگی کے زمانہ میں بھی نہایت واجب بلکہ ضروری سمجھی جاتی ہے -

بعض عیسائی مورخ جنہوں نے اپنی نادانی یا تعصب سے اُسکو "خون ناحق" سے تعبیر کیا ہے وہ غالباً اس امر کو بھول گئے ہیں کہ آنحضرتؐ کے اُس فرمانِ عام میں جسکی رو سے مدینہ اور اُسکے مضافات کی رعایا کی ملکی اور مذہبی آزادی کا تحفظ کیا گیا تھا اور جسمیں یہودی بھی شامل تھے ایک شرط یہ بھی تھی کہ "ہر ایک مجرم کا تعاقب کیا جائیگا اور اُسکو سزا دیجائیگی" پس مسلمانوں نے اس شخص کو سزا دینے میں گویا اُس قانون پر

عمل کیا جو یونان کے مشہور و معروف مقنن سولن نے اپنے شہر ایتھنز کی حفاظت کے لئے اُسکے باشندوں پر فرض کر دیا تھا کہ جلاّد بننا اختیار کریں اور مفسدوں کو تلاش کر کے قتل کریں۔ اور نیز اُس قانون پر جو عیسائی سلطنت انگلستان نے جاری کیا ہوا ہے اور جس کے بموجب وہاں کا ہر ایک شخص مجاز ہے کہ ہر ایک مفسد و غدّار کو پکڑ کر مار ڈالے۔

غزوہ ذی اَمر۔ ربیع الاول سنہ ۳ ہجری

یہہ ایک موضع کا نام ہے جو نواح نجد میں واقع ہے۔ مجاہد سیّدنا نے لکھا ہے کہ "یہہ صرف ایک سفر تھا جو آنحضرت نے نجد اور غطفان کی جانب فرمایا تھا۔ اِس سفر میں نہ کسی سے مقابلہ ہوا اور نہ کسی سے لڑائی ہوئی۔ ایک مہینہ تک اُس نواح میں آپ نے قیام کیا۔ پھر واپس تشریف لے آئے۔ مگر مسٹر واشنگٹن اَروِنگ نے اسکے متعلق ایک ایسے واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کریم النفسی اور رحم دلی اور خوف و خطر کی حالت میں صرف خدا تعالیٰ کے حفظ و حمایت پر اعتماد اور بھروسہ کرنیکا ایک عجیب و غریب اور بے مثل و بے نظیر ثبوت حاصل ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہہ ایک ایسے شخص کی شہادت ہے جسکو شہادت دینی منظور نہیں اسلئے زیادہ تر توجہ اور اعتماد کی مستحق ہے وہ لکھتا ہے کہ "اِس سفر میں آنحضرت ایک درخت کے نیچے اپنے لشکر سے دور تن تنہا سو رہے تھے کہ یکایک ایسا غل ہوا کہ آپ بیدار ہو گئے اور آپ نے دیکھا کہ ایک کافر جو آپکا جانی دشمن تھا ننگی تلوار لئے

ہوئے سر پر کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ "اے محمدؐ بتا کہ اب تجھکو کون بچا سکتا ہے"۔ آپ نے فرمایا خدا۔ جو ہر ایک سر پر قادر اور ہر ایک شے پر غالب ہے۔ جسکو سنکر اُسپر ایسا رعب طاری ہوا کہ جسم میں تھرتھری پڑ گئی اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی جسکو آپ نے اٹھا لیا اور تکرار فرمایا کہ "اب بتا کہ تجھکو کون بچائیگا"۔ اُسنے کہا کہ "افسوس میرا بچانیوالا کوئی نہیں"۔ آپ نے ارشاد کیا کہ "خیر رحم کرنا مجھسے سیکھ لے"۔ اور یہ فرماکر اُسکی تلوار اُسکو دیدی۔ اُس سنگدل کا دل آپکے اِس رحم سے موم ہوگیا۔ اور اسکے بعد وہ مدت العمر آپکی وفاداری و جان نثاری میں سرگرم و ثابت قدم رہا۔

سریّہ قردہ۔ جمادی الآخر ۳ھ ہجری

یہ ایک چشمہ کا نام ہے جو نجد میں ہے۔ قریش مکّہ کی تجارت کا روکنا جن سے ہر وقت اندیشۂ جنگ تھا ایک ضروری امر تھا۔ اُنہوں نے قدیم رستہ تجارت کا چھوڑکر ایک نیا رستہ عراق میں ہوکر نکالنا چاہا اور ابوسفیان قافلہ لیکر نکلا اور فرات بن حیّان رستہ بتانے والا تھا جب اِسکی خبر آنحضرت کو پہنچی تو زید بن حارثہ کو اُنپر بھیجا اُسنے قافلہ لوٹ لیا اور فرات بن حیّان کو پکڑ لایا جو بعد اِسکے مسلمان ہوگیا۔

یہ تمام واقعات ایسے ہیں کہ ایک جنگجو دشمن کے مقابلہ میں ہر ایک قوم کو کرنے پڑتے ہیں۔ اِن واقعات سے اِس بات پر استدلال نہیں ہوسکتا کہ یہ لڑائیاں بزور شمشیر مسلمان کرنیکے لئے تھیں۔

غزوۂ اُحد۔ شوال سنہ (۳) ہجری

یہ اُس سرخ پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ سے کچھ فاصلہ پر واقع ہے جیسا کہ اوپر لکھا آئے ہیں مقتولین بدر کے وارثوں کو خونخواہی کے جوش نے بیچین کر رکھا تھا۔ پس اُنہوں نے ملکر یہ تجویز کی کہ اُس مال تجارت سے جسکو اَبُوسُفْیَان شام سے لایا تھا اور ابتک بلا تقسیم پڑا ہوا تھا مدینہ پر ایک بھاری فوج کے ساتھ حملہ کرنے کی تیاری کیجاے۔ چنانچہ وہ مال بیچا گیا اور اصل سرمایہ تقسیم ہوکر پچاس ہزار مثقال[1] سونا اور ایکہزار اونٹ جو منافع کا تھا مہم کی تیاری کے لئے رکھا گیا۔ مختلف قبائل عرب کے پاس چار معزز اور ذی اثر شخص استمداد کے لئے بھیجے گئے جنمیں سے ایک وہ مشہور و معروف ابو عزّہ شاعر بھی تھا جو بدر کی لڑائی میں پکڑا گیا تھا اور اس وعدہ پر اُسکی جان بخشی کیگئی تھی کہ اپنے پر تاثیر اشعار سے مشرکوں کو مسلمانوں کے برخلاف کبھی برانگیختہ نہ کریگا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تین ہزار اور صاحب ناسخ التواریخ کی روایت کے موافق پانچ ہزار سپاہی مکہ میں جمع ہوگئے جنمیں سے سات سو زرہ پوش تھے۔ سواری کے لئے دو سو عربی گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے اور پندرہ عماریاں عورتوں کی سواری کی تھیں جنکو اس غرض سے ساتھ لائے تھے کہ لڑائی کے وقت دفین بجاکر اور غیرت انگیز گیت گاکر لوگوں کو لڑنے مرنے پر آمادہ کریں۔

الغرض یہ فوج قہار مکہ سے چلکر بلا مزاحمت مدینہ کے سامنے

---

[1] ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ مؤلف عفی عنہ

پہنچگئی۔ اور اسمین اور شہر میں صرف کوہ اُحُد حد فاصل رہگیا اور اُنہوں نے کھیتوں اور باغوں کو تاخت وتاراج کرنا شروع کردیا۔

اِدھر بھی لڑائی کی تیاری ہوئی اور اگرچہ آنحضرتؐ کی مرضی مدینہ ہی میں بیٹھکر لڑنے کی تھی لیکن مُسلمانوں کے اصرار سے ایکہزار آدمی کیساتھ باہر نکلکر ڈیرہ کیا۔ یہودی جنپر معاہدے کی شرایط کے موافق مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوکر مخالفوں کے حملہ کو دفع کرنا فرض تھا اپنا نفاق مخفی نرکھ سکے اور باوجود طلب اُن میں سے ایک بھی شریک لشکر اسلام نہوا۔ اور عبداللہ بن اُبی بن سلول بھی تین سو سے زیادہ منافقوں کے ساتھ مدینہ کو واپس چلاگیا۔ جس سے سپاہِ اسلام میں صرف سات سو آدمی رہگئے۔ مگر مسلمانوں کی قوتِ ایمانی اور ثابت قدمی کو دیکھنا چاہیئے کہ اُن کو اسکی کچھ پروانہ ہوئی اور ثباتِ عزم میں ایک سرِ مو فرق نہ آیا یہانتک کہ چودہ یا پندرہ برس کے دو لڑکے بھی نہایت شوق اور اصرار کے ساتھ شریکِ جہاد ہوے۔ رات معمولی انتظامِ حفاظت کے ساتھ گزری اور صبحکو نماز کے بعد آنحضرتؐ نے پہاڑ کو پشت کی طرف رکھکر لڑائی کی صف باندھی اور پچاس تیراندازوں کو لشکر کے عقب میں ایک گھاٹی کی حفاظت کے لئے جو محل خطر تھی مقرر فرمایا۔ اور تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ خواہ فتح ہو یا شکست مگر تم اپنی جگہہ نہ چھوڑنا۔

مشرکین کو اپنی کثرت اور قوت وشوکت پر بڑا گھمنڈ تھا پس وہ اپنے بڑے بُت ہُبل کی سواری کے اونٹ کو قلب فوج میں رکھکر بڑے

جوش وخروش کے ساتھ آگے بڑھے۔ اور عورتوں نے جن کی سرحلقہ ابوسفیان کی جورو ھِنْدَہ تھی گیت گاکر اور دفیں بجاکر سپاہیوں کو لڑائی کی رغبت اور جرأت دلانی شروع کی۔

گیت

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقِ	نَمْشِیْ عَلَی النَّمَارِقِ	مَشْیَ الْقَطَا الْبَرَارِقِ
وَالْمِسْكُ فِي الْمَفَارِقِ	وَالدُّرُّ فِي الْمَخَانِقِ	إِنْ تُقْبِلُوا نُعَانِقِ
وَنَفْرُشُ النَّمَارِقِ	أَوْ تُدْبِرُوا نُفَارِقِ	فِرَاقَ غَيْرِ وَامِقِ

یعنی "ہم بیٹیاں ہیں ستارۂ صبح کی۔ مسندوں کو اپنے پانو سے روندتی ہیں قطا[1] پرندے کیطرح۔ بانکپن اور چمک دمک کی چال سے۔ سر کے بالوں میں مشک ملے ہوئے۔ اور موتیوں کے کنٹھے پہنے ہوئے۔ اگر لڑائی میں آگے بڑھوگے تو ہم تمکو پیار سے گلے لگائینگی۔ اور تمہارے لئے مسندیں بچھائینگی۔ اگر پیٹھ پھیرلوگے تو ہم الگ ہوجائینگی۔ بیزاری کا الگ ہونا"

اور چونکہ فوج کا نشان بَنِي عَبْدِ الدَّار کے لوگوں کے پاس تھا اُن کو یہ گیت سناکر آمادۂ جنگ کرتی تھیں۔

گیت

ضَرْبًا بَنِي عَبْدِ الدَّارِ	ضَرْبًا بِصَمْصَامَةِ الدَّارِ	ضَرْبًا بِكُلِّ بَتَّارِ

یعنی ہاں! اے بَنِي عَبْدِ الدَّار کے بہادرو ایک وار کرکے دِکھاؤ۔ ہاں! اے وطن یعنی مکّہ کے حمایتیو اپنی تلواروں کے جوہر دکھاؤ۔ ہاں!

[1] ایک پرند جانور کا نام ہے جو خوش رفتاری میں مشہور ہے۔ مؤلف عفی عنہ

خوب تلواریں مارو۔"

اول مشرکوں نے لڑائی میں سبقت کی اور بڑے زور شور سے حملہ کیا مگر اُنکا حملہ روکیا گیا اور جناب علیؑ مرتضیٰ اور حمزہ سیّد الشہدا اور ابو دجانہ انصاری اور اور بہادرانِ اسلام کے دلیرانہ بلکہ شیرانہ حملوں نے کافروں کے پانوں اُکھاڑ دیئے اور اُن میں بھاگڑ پڑ گئی اور ابو سفیان بھی بھاگ نکلا۔ اُنکے بارہ[۱۲] مشہور و معروف بہادر علمدار یکے بعد دیگرے مارے گئے جنمیں سے آٹھ[۸] کو حضرت علیؑ مرتضیٰ نے مارا۔ اب فتح کامل ہونیکو تھی کہ مسلمان لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ اور چند آدمیوں کے سوا وہ لوگ بھی جو گھاٹی کی حفاظت پر متعین تھے مورچہ چھوڑ کر چلے آئے۔ خالد بن ولید نے جو ہمیں یہ دیکھا سواروں کو سمیٹ کر اسی گھاٹی کے رستے سے مسلمانوں کے عقب پر آن گرا۔ اور ابو سفیان اور فوج کے پیادے بھی پھر پڑے اور مسلمانوں کو دونوں طرف سے گھیر لیا اور سخت لڑائی ہوئی اور یکایک مخالف سمت سے آندھی کے آجانیسے مسلمانوں کو خود اپنی پہچان نرہی اور باہم لڑنے لگے اور بعض بڑے بڑے شجاعانِ اسلام کے مارے جانیسے لڑائی کا رنگ بدل گیا اور کافر خود آنحضرتؐ پر اُمڈ آئے اور ایک پتھر لگ کر آپ کے نیچے کے چار دانت ٹوٹ گئے اور پیشانی مبارک بھی زخمی ہوئی اور آپ گھوڑے سے گر گئے اور مشہور ہو گیا کہ شہید ہو گئے جس سے بجز معدودے چند سب لوگ بھاگ نکلے۔ مگر حضرت علیؑ مرتضیٰ ایک قدم بھی میدان سے نہ ہٹے اور چونکہ آپنے

سن لیا تھا کہ آنحضرتؐ شہید ہو گئے ہیں اسلئے آپکو سخت طیش تھا کہ یکایک
آپ نے دیکھا کہ کچھ مسلمان دوسری طرف ابتک لڑ رہے ہیں۔ پس آپنے
اُسطرف کا قصد کیا اور کفار کی صفوں کو چیر کر لڑتے بھڑتے وہاں تک
پہنچگئے جہاں اَبُودُجَانَہ وغیرہ چند مجاہدین جانباز اپنا سینہ سپر کئے ہوئے
آنحضرتؐ کو دشمنوں کے حملہ سے بچا رہے تھے۔ آنحضرتؐ کو زندہ و سلامت
دیکھکر آپکی جان میں جان آگئی اور پہلے سے بھی زیادہ شدت و قوت
کے ساتھ دشمنوں پر متواتر حملے کر کے اُنکو پیچھے ہٹا دیا۔ اور آنحضرتؐ کو
پہاڑ کے ایک محفوظ مقام پر چڑھا لیگئے اور اپنی ڈھال میں پانی لاکر آپکے
زخموں کو دُھویا۔ اور جناب سَیِّدَۃُ النِّسَاء فاطِمَۃُ الزَّھرا نے جو آپکی
شہادت کی خبر سنکر چند عورتوں کے ساتھ مدینہ سے چلی آئی تھیں بوریا
جلاکر اُسکی راکھ زخموں میں بھری جس سے خون بند ہو گیا۔ اور آپنے بیٹھے
بیٹھے لوگوں کو نماز ظہر پڑھائی جو آپکو زندہ و سلامت معلوم کر کے پھر اکٹھے
ہو گئے تھے۔

مشرکین لڑتے لڑتے ایسے تھک گئے تھے کہ اپنی فتح کی
تکمیل نہ کر سکے۔ پس اَبُوسُفیَان مسلمانوں کو بآواز بلند یہ سنا کر کہ
آئندہ سال تمسے بمقام بدر پھر لڑونگا میدان سے ہٹ گیا۔ مشرکین
کی عورتوں نے شہیدوں کے ناک اور کان کاٹ لئے اور ہار اور پنچیاں
بنا کر پہن لیں اور ھندہ نے حضرت حمزہ کا جگر نکالکر دانتوں سے چبایا۔
آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو شہیدوں خصوصاً حضرت حمزہ کی یہ حالت دیکھکر

نہایت طیش اور قلق ہوا اور اسی حالت میں بمقتضائے بشریت آنحضرتؐ کی زبان سے یہ نکلا کہ اگر خدا نے مجکو قابو دیا تو میں ایک حمزہ کے بدلے قریش کے کئی سرداروں کی لاشوں کے ساتھ ایسا ہی کرونگا۔ لیکن معاً آپکو نزول وحی کا احساس ہوا اور یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی "وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝" (یعنی اے مسلمانوں! اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اسیقدر بدلہ لو کہ جسقدر تمپر عقوبت کی گئی ہے۔ اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنیوالوں کے لئے بہتر ہے۔ اور آنحضرتؐ کو حکم ہوا "وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ" یعنی۔ اور تو صبر کر اور تو صبر نہیں کر سکتا مگر اللہ کی مدد سے" چنانچہ آپ نے بجواب اس کے جناب احدیت میں عرض کیا کہ میں صبر ہی کرونگا۔ اور شہیدوں کو جو شمار میں ستر یا کچھ زیادہ تھے دفن کر کے مدینہ کو چلے آئے۔

اب ہم مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ لوگ جنہوں نے اپنے پیغمبر کی حفاظت میں سینہ سپر ہو کر اپنی جانیں لڑا دیں بزور شمشیر مسلمان ہوئے تھے؟

غزوۂ حمراء الاسد۔ شوال سنہ ۳ ہجری

یہ ایک جگہ ہے مدینہ سے آٹھ میل پر

اُحد سے واپس آنیکے دوسرے دن آنحضرتؐ نے اس خیال سے کہ مبادا دشمن یہ سمجھکر کہ مسلمانوں میں اب کچھ سکت باقی نہیں رہی مدینہ کا پھر قصد کریں اُن ہی لوگوں کے ساتھ جو شریک جنگ تھے مدینہ سے نکلکر حمراء الاسد میں قیام فرمایا۔ اور جب اطمینان ہو گیا کہ قریش

مکّہ کو چلے گئے تو تین روز بعد مدینہ میں واپس آگئے۔ جو لوگ اس غزوہ میں شریک تھے اگرچہ اُن میں سے بعض ۹۹ نو اور دس دس اور بعض اس سے بھی زیادہ زخموں سے مجروح تھے۔ چنانچہ جناب علیؑ مرتضیٰ بہت کثرت سے زخم کھائے ہوئے تھے مگر کسی نے لڑائی کے لئے نکلنے میں توقف اور درنگ نہیں کیا۔ بلکہ بڑی خوشی اور اُمنگ سے آنحضرتؐ کی رکاب سعادت انتساب میں دشمنوں کے تعاقب میں نکلنے کو معادات دارین سمجھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بزرگوار آنحضرتؐ کے احکام کی بجاآوری اور نصرتِ دینِ حق کو اپنے اوپر کسقدر واجب و لازم جانتے تھے۔ اور یہ کہ اس سے کوئی غرض دنیوی اُنکو مدنظر نہ تھی۔

اس غزوہ میں قریش میں سے دو شخص گرفتار ہوئے۔ ایک ولید ابن مغیرہ مغنّی شاعر جسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ دوسرا معاویہ بن مغیرہ جسنے عمرؓ کی لاش کی ناک کاٹ لی تھی۔ ابوعزہ فوراً قتل کیا گیا اور معاویہ جو آنحضرتؐ کے والد عثمان بن عفّان معروف بذی النورین کا رشتہ دار تھا انکی سفارش سے آنحضرتؐ نے اس شرط پر اُسکو چھوڑ دیا کہ تین دن کے اندر مدینہ سے چلا جائے مگر موت اسکو گھیر کر پھر وہیں لے آئی۔ یعنی رستہ بھولکر پھر مدینہ میں آگیا اور اس امید پر کہ وہ پھر بچا لینگے اپنے شفیع کے گھر میں جا چھپا۔ مگر مسلمانوں نے پکڑ کر اُسکو مار ڈالا۔

سریہ عبداللہ بن انیسؓ محرم سنہ ۳۱ ہجری

عبداللہ بن انیسؓ نے آنحضرتؐ سے یہ بات سنی کہ سفیان بن خالد ہذلی نے عرنہ میں جو وادی عرفات کے پاس ایک آبادی ہے کچھ لوگ آنحضرتؐ سے لڑنے کے لئے جمع کئے ہیں۔ یہ سنکر وہ مدینہ سے غائب ہوگیا اور سفیان کے پاس پہنچا۔ اُسنے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اسنے کہا کہ میں بنی خزاعہ کا ایک شخص ہوں مینے سنا ہے کہ تمنے محمدؐ سے لڑنیکو لوگ جمع کئے ہیں۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوا چاہتا ہوں۔ اُسنے کہا اچھا آؤ۔ عبداللہ تھوڑی دور اُسکے ساتھ چلے اور اُسکو دھوکا دیکر مار ڈالا۔ اور اُسکا سر کاٹ کر آنحضرتؐ پاس لے آئے۔ مگر کسی کتاب میں یہ بات نہیں لکھی ہے کہ آنحضرتؐ نے اُسکو ایسا کرنیکو کہا تھا۔ یہ تحقیق تو ہمارے بوڑھے مجاہد کی ہے۔ مگر صاحب ناسخ التواریخ نے اس واقعہ کو آنحضرتؐ کے حکم سے منسوب کیا ہے۔ لیکن یہ روایت ویسی ہی غلط اور اُسی وجہ سے نامعتبر ہے جس وجہ سے وہ روایت غلط اور نامعتبر ہے کہ ابی سفیان بن حرب کے قتل کرنیکو آنحضرتؐ نے ایک شخص کو مکہ بھیجا تھا اور جسکا ذکر ہم سال ششم کے واقعات میں کرینگے۔

سریہ قطن یا سریہ ابی سلمہ بن عبدالاسد المخزومی محرم سنہ ۳ ہجری

قطن ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جو فید کی طرف واقع ہے اور فید پانی کا ایک چشمہ ہے قبیلہ بنی اسد کے متعلق۔

ابی سلمہ مخزومی ڈیڑھ سو آدمی لے کر جنمیں مہاجرین اور انصار

دونوں تھے طلیحہ اور سلمہ پسران خُوَیلِدْ کی تلاش میں نکلے جو سُنا گیا تھا کہ مدینہ پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہیں اور قطن پہاڑ تک اُنکی تلاش میں گئے مگر کوئی ہاتھ نہیں آیا اور نہ کسی سے لڑائی ہوئی۔

سریہ رجیع۔ صفر سنہ ۳ ہجری

یہ ایک چشمہ کا نام ہے جو حجاز کے کنارہ قوم ھذیل کے متعلق ہے۔ چند لوگ قوم عُضل اور قوم قارہ کے آنحضرتؐ پاس آئے اور کہا کہ ہم لوگوں میں اسلام پھیل گیا ہے کچھ لوگ مذہب کے مسائل سکھانیکو ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ آپ نے چھ آدمی ساتھ کر دیئے جب رجیع میں پہنچے تو اُنھوں نے دغابازی کی اور اُنکو تلواروں سے گھیر لیا۔ اخیر کو یہ کہا کہ اگر تم قریشِ مکہ کے قبضہ میں جانا قبول کر لو تو ہم تمکو مارینگے نہیں۔ قریش نے ہمارے آدمی قید کر لئے ہیں اُنکے بدلے تمکو دیکر اپنے آدمی چھڑا لینگے اُن چھ میں سے مَرثَدْ بن ابی مرثد۔ خالد بن بکر۔ عاصم بن ثابت نے نہ مانا اور نہایت بہادری سے وہیں لڑکر شہید ہو گئے۔ اور زید بن دَثِنَہ اور عَبدُ اللہ بن طارق اور خبیب بن عدی نے جو اُن کا کہنا مان لیا تو اُنکی مشکیں باندھکر مکہ لے چلے اتفاقاً عبدُ اللہ نے زور کیا اور چھوٹ گئے اور تلوار پکڑ کر لڑنے پر طیار ہوئے۔ کافروں نے پتھروں سے مار کر اُنکو بھی شہید کیا۔ باقی دو کو مکہ لیجا کر بیچ ڈالا قریش نے خبیب کو سولی پر لٹکایا اور چالیس آدمیوں نے جنکے باپ اُحد کی لڑائی میں مارے گئے تھے نیزے مار مار کر مار ڈالا اور اسکے بعد اسیطرح زید بن دثنہ کو شہید کر دیا

اور چالیس روز تک برابر صبح ہی پر لٹکائے رکھا۔

سریہ بیر معونہ۔ صفر ۴ سنہ ۳ ہجری

یہ ایک کنواں ہے درمیان بنی عامر اور حرہ بنی سلیم کے
ابو براء عامر بن مالک اگرچہ مسلمان نہیں ہوا تھا مگر مذہب اسلام کو
ناپسند بھی نہیں کرتا تھا اس نے آنحضرتؐ سے کہا کہ اگر آپ کچھ لوگ اسلام کا
وعظ کرنیکو نجد کیطرف بھیجیں تو غالباً اس طرف کے لوگ اسلام قبول کرلینگے
آپ نے فرمایا اہل نجد سے اندیشہ ہے۔ ابو براء نے کہا انکی حفاظت کا
میں ذمہ دار ہوں۔ اسپر آپ نے چالیس آدمی جو قرآن کے قاری اور نہایت
عابد و زاہد تھے ساتھ کر دیئے۔ بیر معونہ پر یہ لوگ ٹھہرے اور حرام
بن ملحان کے ہاتھ آنحضرتؐ کا شقہ عامر بن طفیل نجدی کے
پاس بھیجا اس نے حرام کو قتل کر ڈالا۔ اور بہت بڑی جماعت سے بیر
معونہ پر چڑھ آیا اور سب مسلمانوں کو گھیر کر مار ڈالا۔ صرف ایک شخص عمرو
میں پڑا ہوا بچ گیا۔ عامر بن فہیرہ جنکا ذکر خیر ہم واقعہ ہجرت مقدسہ میں کر آئے
ہیں اور جو اس گروہ کے سردار تھے وہ بھی مارے گئے۔

غزوہ بنی نضیر۔ ربیع الاول ۴ سنہ ۴ ہجری

یہ یہود یوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے عمرو بن امیۃ الضمیری
مدینہ کو آتا تھا۔ رستہ میں قبیلہ بنی عامر سے جس سے کہ آنحضرتؐ کا
عہد تھا دو شخص ملے۔ عمرو بن امیہ نے ان دونوں کو سوتے میں مار ڈالا
جب آنحضرتؐ کو خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ میں ان دونوں کی دیت دونگا

اور اُسمیں بنی نضیر سے بھی مدد چاہی۔ کیونکہ بنی نضیر اور آنحضرتؐ کے درمیان بھی معاہدہ تھا۔ اور بنی نضیر اور بنی عامر آپسمیں حلیف تھے آنحضرتؐ خود اُن کے محلہ میں تشریف لے گئے اور ایک دیوار کے تلے جا بیٹھے اُنہوں نے آنحضرتؐ کے قتل کا باہم مشورہ کیا اور یہ تجویز کی کہ دیوار پر چڑھکر ایک بڑا پتھر آپ پر ڈالدیا جاوے۔ اور عمرو بن حجاش اس کام کے لئے مقرر ہوا۔ اتنے میں آنحضرتؐ وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کو چلے آئے۔ جبکہ بنی نضیر کی یہ دغابازی محقق ہوگئی تو آنحضرتؐ نے اُنپر چڑھائی کی اور وہ قلعہ بند ہوگئے۔ اور آپ نے اُنکا محاصرہ کرلیا اور یہ بات ٹھہری کہ وہ مدینہ سے چلے جائیں۔ اور اُن کے اونٹ سوا ہتھیاروں کے جسقدر مال و اسباب اُٹھا سکیں لیجائیں چنانچہ اُنہوں نے چھ سو اونٹوں پر اپنا اسباب لادا اور اپنے مکانوں کو خود توڑ دیا اور خیبر میں جا کر آباد ہوگئے۔

غزوہ بدر الاخریٰ۔ ذیقعدہ ۴ھ ہجری

اُحد سے واپس جاتے ہوئے ابوسفیان نے وعدہ کیا تھا کہ میں تم سے پھر لڑوں گا۔ اُس وعدہ پر آنحضرتؐ نے مدینہ سے کوچ کیا۔ اور بدر میں پہنچکر مقام فرمایا۔ ابوسفیان بھی مکہ سے نکلکر ظہران یا عسفان تک آیا۔ مگر آگے نہیں بڑھا اور کہا کہ یہ سال محط کا ہے اسمیں لڑنا مناسب نہیں اور سب لوگوں کو لیکر مکہ کو واپس چلا گیا۔

غزوہ ذات الرقاع - محرم سنہ (۴) ہجری

اس غزوہ کا یہ نام اسلئے ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے جھنڈوں میں جو پھٹ گئے تھے پیوند لگائے تھے۔ اور بعضوں کا قول ہے کہ جہاں مسلمانوں کا لشکر ٹھہرا تھا وہاں ایک درخت تھا جسکا نام ذات الرقاع تھا۔ بنی محارب۔ اور بنی ثعلبہ نے جو قبیلہ غطفان سے لڑائی کے لئے کچھ لوگ جمع کئے تھے۔ اُنکے مقابلہ کے لئے آنحضرتؐ نے کوچ کیا تھا جب آپ غطفان میں پہنچے تو ایک بہت بڑا گروہ دشمنوں کا نظر آیا۔ دونوں طرف کے لوگ لڑنیکے ارادہ سے آگے بڑھے مگر لڑائی نہیں ہوئی اور ہر ایک گروہ واپس چلا گیا۔

غزوہ دومۃ الجندل - ربیع الاول سنہ (۴) ہجری

یہ ایک قلعہ کا نام ہے جو مدینہ اور دمشق کے بیچ میں ہے اور اُسکے قریب پانی کا ایک چشمہ ہے۔ اس بات کا خیال ہونے پر کہ یہاں کے لوگوں نے بھی لڑائی کے لئے کچھ لوگ جمع کئے ہیں آنحضرتؐ نے اُسطرف کوچ کیا مگر اثنائے راہ میں سے واپس تشریف لے آئے۔ غالباً اسلئے کہ اُس خیال کی صحت نہ پائی ہوگی۔

غزوہ بنی المصطلق یا مُریسیع - شعبان سنہ ۵ ہجری

یہ عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ اور مُریسیع ایک چشمہ کا نام ہے جو قدید کی طرف واقع ہے۔ آنحضرت کو یہ خبر پہنچی کہ حارث بن ضرار نے لڑائی کے ارادہ پر لوگوں کو جمع کیا ہے۔ آنحضرتؐ نے اُنکے

مقابلہ کے لئے کوچ کیا اور مرد سیع کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور بنی مصطلق کو شکست ہوئی۔

غزوہ خندق یا احزاب ذیقعدہ ۵ سنہ ہجری

اب بنی نضیر کے جلاوطن یہودی انتقام پر آمادہ ہوئے اور اُنکے چند سردار بنی وائل کے کئی رئیسوں کو ساتھ لیکر مکہ گئے اور ابوسفیان کو مدینہ پر حملہ کرنیکے لئے اُبھارا اور وہ چار ہزار آدمیوں کے ساتھ بقصد مدینہ مکہ سے نکلا۔ رستہ میں غطفان اور کنانہ اور اور قبائل صحرائی کے لوگ شامل ہوتے گئے اور قریب دس ہزار کے لشکر جمع ہوگیا۔

آنحضرتؐ نے شہر سے باہر جاکر لڑنا خلاف احتیاط سمجھا اور مدینہ کے گرد خندق کھود کر جسمیں بنفس نفیس شریک ہوتے تھے مورچے باندھ لئے۔ ابتک یہود بنی قریظہ کی نسبت عہد شکنی اور دغابازی کا گمان نہ تھا۔ بلکہ یہ اُمید تھی کہ وہ شرائط معاہدہ کے موافق مسلمانوں کی مدد کرینگے اور کم سے کم یہ کہ دشمنوں کے شریک نہونگے۔ مگر اُنہوں نے اپنے ہمجنس یہودیوں کی ریاست سے عہد توڑدیا اور صاف کہدیا کہ "محمدؐ کون ہے اور رسول کیا چیز ہے کہ ہم اُسکی اطاعت کریں۔ ہم سے اور اُس سے کوئی عہد و پیمان نہیں ہوا"۔ اِن کے علاوہ سیکڑوں منافق موجود تھے۔ جنسے یہ اندیشہ تھا کہ دشمنوں کو شہر کے غیر محفوظ مقامات بتادینگے۔ پس مسلمان ایک سخت ضغطہ کی حالت میں تھے اور ایک

شخص کے بھی بچنے کی توقع نہ تھی۔ الغرض یہ تمام لشکر مدینہ پر آپہونچا اور ایک مہینہ کے قریب تک لڑائیاں ہوتی رہیں اور دشمنوں نے دو دو دفعہ بڑی شدت اور قوت کے ساتھ عام حملہ بھی کیا۔ مگر ہر دفعہ ناکام ہٹا دیئے گئے محاصرہ کو طول ہو گیا تھا اور سخت جاڑے کا موسم تھا۔ لشکر کفار میں رسد کی بہت قلت تھی۔ اور بھوک اور تکلیف کے مارے گھوڑے مرتے جاتے تھے۔ اعراب صحرائی جو صرف لوٹ کی طمع سے شریک ہو گئے تھے ہمت ہار چکے تھے اور خدا نے یہودیوں اور مشرکوں میں تفرقہ اور پھوٹ ڈالدی تھی اور ایک دوسرے سے بدگمان ہو گئے تھے اسی درمیان میں قریش کا رستم دستاں عمرو بن عبد وُدّ جو اکیلا ہزار آدمی کو اکیلا کافی ہوتا تھا اسلام کے شیر لشکر شکن علیؑ مرتضیٰ کے ہاتھ سے مارا جا چکا تھا۔

اس شخص کی ایسی دھاک پڑی ہوئی تھی کہ جب اُسنے خندق کو پھاند کر دیو کی طرح چنگھاڑنا شروع کیا کہ "هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ۔ هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ" یعنی کوئی ہے؟ جو مجھسے لڑنیکو نکلے۔ کوئی ہے؟ جو میرے مقابلہ میں آئے" تو خوف کے مارے مسلمانوں کا یہ حال ہو گیا "كَأَنَّ عَلَىٰ رُءُوسِهِمُ الطَّيْرَ" مگر غیرت و شجاعت اسد اللّٰہی اسکی متحمل نہ ہو سکی اور آنحضرتؐ سے اُسکے مقابلہ کی اجازت چاہی۔ اور آپنے جو یہ فرمایا کہ "إِنَّهُ عَمْرٌو" تو عرض کیا کہ ع "وہ ہے گر عمرو تو ہوں نام کو حیدر میں بھی" اس مضمون کو فتحعلیخان صبا ملک الشعرائے ایران نے کیا خوب ادا کیا ہے ؎

بیامد بسر دوش کہ عمرو است ایں	کہ دست یلی آختہ زاستیں
علی گفت اے شاہ اینک منم	کہ یک بیشہ شیر است در جوشنم

چنانچہ اجازت ملتے ہی شیر غضبناک کی مانند اوسکی طرف جھپٹے اور ایک بڑی کشش و کوشش کے بعد اُسکو پچھاڑا اور چھاتی پر چڑھکر سر کاٹ لیا اور حسب معمول نعرۂ تکبیر بلند کیا جسکے مارے جانیسے مشرکوں کی گویا کمر ٹوٹ گئی۔ اسی اثنا میں یکایک خدا نے برق و باد کا ایک بھاری لشکر اُن پر بھیجا۔ جس سے ابوسفیان محاصرہ اُٹھاکر رات ہی کو بھاگ جانے پر مجبور ہوا۔ اور اسکے بعد اُسکو پھر کبھی مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے نکلنے کی جرأت نہوئی۔

یہہ واقعہ قرآن مجید میں ایسے لطف کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اُسکا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا الیٰ اخر الآیات (سورۂ احزاب)

یعنی اے مسلمانوں۔ یاد کرو خدا کے احسان کو جو تمپر ہوا۔ جبکہ چڑھ آئی تھیں تمپر فوجیں پھر بھیجی ہمنے اُنپر ایک تند ہوا اور ایسی فوجیں کہ جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے (یعنی ملائکہ برق و باد) اور خدا دیکھتا تھا جو کچھ کہ تم کر رہے تھے۔ جبکہ چڑھ آئے تھے دشمن تمہارے اوپر (مشرق)

کیطرف سے اور نیچے (مغرب) کی جانب سے۔ اور جبکہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے مونہہ کو آگئے تھے۔ اور تم خدا (کے وعدۂ نصرت) کی نسبت طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔"

سریۂ عبداللہ بن عتیک۔ ذیقعدہ ۵ھ ہجری

جس زمانہ میں مدینہ پر چڑھائی کرنے کو قومیں جمع ہو رہی تھیں اور آنحضرتؐ مدینہ کے گرد خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ اُسی زمانہ میں اَبُو رافع بن عبداللہ جسکو سلاّم بن ابی الحُقَیق بھی کہتے تھے یہودیوں کا ایک سردار مدینہ پر حملہ کرنیکے لئے قوموں کے جمع کرنیمیں بہت کوشش کر رہا تھا۔ عبداللہ بن عتیک اور عبداللہ بن اُنیس اور اَبُو قتادہ اور اَسود بن خزاعی اور مسعود بن سنّاد خیبر کو گئے جہاں وہ رہتا تھا اور کسی طرح رات کو اُسکی خوابگاہ میں چلے گئے اور اُسکو مار ڈالا مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا نے اُنکو اُس یہودی سردار کے قتل کرنیکو بھیجا تھا شاید ایسا ہوا ہو۔ مگر ہم اسلئے شبہ میں ہیں کہ عیسائی مورخوں کی عادت ہے کہ خواہ مخواہ ہر چیز کو جناب پیغمبرؐ سے منسوب کر دیتے ہیں۔ علاوہ اسکے یہ قصہ ایسی عجیب باتوں کے ساتھ ملا کر لکھا ہے کہ وہی باتیں اُسکے سچ ہونے میں شبہ ڈالتی ہیں۔ نہایت شبہ ہے کہ یہ واقعہ ہوا بھی یا نہیں مگر ہمکو مناسب ہے کہ جو طرف ضعیف ہے اُسکو اختیار کریں۔ پس ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا کے حکم سے وہ گئے اور اُنہوں نے اُس یہودی کو جو قوموں کو مدینہ پر حملہ کرنیکے

لئے جمع کر رہا تھا مار ڈالا مگر اس واقعہ سے ہمارے اُس دعوی میں کہ تلوار کے زور سے اِسلام قبول کرانا اِن لڑائیوں سے مقصود نہ تھا۔ کچھ خلل واقع نہیں ہوتا۔ اور ہم ناظرین کو اپنی اُس توجیہہ پر توجہ دلاتے ہیں جو کعب بن اشرف یہودی کے قتل کے باب میں لکھ آئے ہیں۔

غزوۂ بنی قریظہ۔ ذی الحجہ ۵ سنہ ہجری

یہ بدر کی لڑائی کے موقع پر بھی بدعہدی کر چکے تھے اور دشمنوں کو ہتھیار دینے سے اُنکی مدد کی تھی۔ مگر معاف کر دیئے گئے تھے اور دوبارہ عہد لیا گیا تھا۔ اب جو اُنہوں نے ایسے سخت موقع پر جیسا کہ خندق کی لڑائی کا موقع تھا پھر دغابازی کی اور عہد توڑ ڈالا تو کسی طرح درگزر نہیں کیجا سکتی تھی پس جونہی اَبُوسُفیان محاصرہ اُٹھا کر مکّہ کو گیا اُنکی گڑھی کا محاصرہ کر لیا گیا چوبیس دن تک جاری رہا۔ اسی درمیان میں اُنہوں نے اپنے سردار کعب بن اَسَد سے صلاح کی کہ کیا کرنا چاہیئے اُسنے کہا کہ تین کاموں میں سے ایک اختیار کر لو۔ یا ہم سب اِسلام قبول کر لیں۔ یا خود اپنی آل اولاد اور عورتوں کو قتل کر کے محمد سے لڑ کر مر جائیں۔ یا آج ہی کہ سبت کا دن ہے اور اسوجہ سے مسلمانوں کو ہم سے حملہ کی توقع نہیں ہے اُنپر حملہ کر دیں مگر وہ اِن تینوں باتوں میں سے کسی پر بھی راضی نہوے۔ اور صلح کا پیغام بھیجا۔ اسکا جواب یہ تھا کہ "بلا کسی شرط کے اپنے تئیں سپرد کریں اور آنحضرتؐ جو چاہینگے اُنکی نسبت حکم دینگے" اسپر اُنہوں نے درخواست کی کہ تھوڑی دیر کے لئے ابولبابہ کو جو اُن لوگوں میں سے تھے جو بنی قریظہ

کے حلیف تھے ہمارے پاس بھیجدیا جاوے۔ وہ گئے اور اُن لوگوں نے
اُن سے پوچھا کہ ہم پیغمبر کے حکم پر اپنے تئیں سپرد کردینا قبول کرلیں یا نہیں
اُنہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ مگر ساتھ ہی اپنی گردن پر ہاتھ پھیرا جس سے یہ
اشارہ تھا کہ سب قتل کئے جائینگے۔ تب اُنہوں نے اس بات پر اپنے تئیں
سپرد کرنیسے کہ آنحضرتؐ جو چاہیں گے اُنکی نسبت حکم دینگے انکار کیا۔
ابولبابہ خوب جانتے تھے کہ بنی قریظہ دو دفعہ اپنا عہد توڑ چکے ہیں
انکا کوئی معاہدہ جو وہ آیندہ کے لئے کریں قابل اعتبار نہوگا۔ اور اگر وہ اسلام
قبول کرنے پر راضی ہوں تو بھی اُسپر یقین نہوگا اور وہ منافق سمجھے جائینگے
جنکی نسبت جب وہ علانیہ کوئی دشمنی کرچکے ہوں وہی حکم ہوگا جو اُن لوگوں
کی نسبت ہے جو علانیہ کافر ہیں۔ اسکے علاوہ ابولبابہ کو معلوم تھا کہ وہ بغاوت
کی سزا کے مستحق ہیں۔ اگر انکی جگہ کوئی مسلمان قوم ہوتی تو وہ بھی اُس سزا
سے بچ نہیں سکتی تھی۔ اسی سبب سے اُنہوں نے اشارہ کیا کہ سب قتل کئے
جائینگے۔ اب بنی اَوس جو بنی قریظہ کے حلیف تھے درمیان میں پڑے
اور آنحضرت سے عرض کیا کہ جس طرح آپنے یہود بنی قینقاع سے جو بنی
خزرج کے حلیف تھے معاملہ کیا وہی اُنکے ساتھ بھی کیجئے۔ اسپر آپنے
فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو؟ کہ تمہاری قوم میں کا ایک شخص
یعنی سعد بن معاذ جو حکم دیدے وہ منظور کیا جائے؟ بنی اَوس اور
بنی قریظہ دونوں اسپر راضی ہوگئے اور بنی قریظہ نے اپنے تئیں سپرد کردیا
بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ بنی قریظہ نے اول اپنے تئیں اسی بات پر

سپرد کر دیا تھا کہ آنحضرتؐ اُنکی نسبت جو چاہیں حکم دیں اور بعد کو سعد بن معاذ
حکم یعنی پنچ قرار دیئے گئے تھے مگر یہ قول صحیح نہیں۔ بخاری
میں جو سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے ابو سعید خدری سے وہ
روایتیں منقول ہیں اور اُن میں اور تاریخ ابن ہشام میں صاف بیان
ہوا ہے کہ بنی قریظہ نے اس بات پر اپنے تئیں سپرد کیا تھا کہ سعد
بن معاذ جو اُنکی نسبت حکم دیں وہ کیا جائے۔ غرضکہ سعد بن معاذ
بُلائے گئے اور اُنہوں نے یہ حکم دیا کہ لڑنے والوں کو قتل کر دیا جاوے
اور اُنکی عورتیں اور بچے قید کر لئے جائیں۔ اور اُنکا مال تقسیم کر دیا جاوے
مگر بخاری کی حدیث میں عورتوں اور مال کی تقسیم کا کچھ ذکر نہیں۔ بہرحال اس
حکم کی تعمیل ہوئی۔ تمام عورتیں اور بچے اور لڑکے جنکے ڈاڑھی موچھ نہیں
نکلی تھی قتل سے محفوظ رہے اور تمام مرد بجز تین شخصوں کے جنکی نسبت
ثابت ہوا تھا کہ اس بغاوت میں شریک نہ تھے قتل کئے گئے۔ ایک
عورت جسنے ایک شخص کو مار ڈالا تھا بطور قصاص کے ماری گئی۔ اس موقع
پر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ان لوگوں کو بطور قیدیان جنگ سزا نہیں دیگئی
تھی بلکہ باغیوں کے لئے جو سزا ہونی چاہیئے وہ دیگئی تھی۔ مقتولین کی
تعداد میں نہایت مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ کسی مورخ کا چار سو اور کسی کا
چھ سو اور آٹھ سو اور نو سو بیان کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایتیں
قابل اعتماد نہیں ہیں۔ اور بلحاظ اُس آبادی کے جو اس زمانہ میں مدینہ
میں تھی یقین نہیں ہو سکتا کہ چار سو آدمی بھی لڑنے والے بنی قریظہ کی

بستی میں ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور بچوں سمیت چار سو یا کچھ زیادہ تعداد اُن لوگوں کی ہوگی جسکو لوگوں نے غلطی سے مقتولین کی تعداد سمجھ لیا اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ واقعہ نہایت خوفناک تھا۔ مگر کونسا زمانہ ہے اور کونسی قوم ہے جسکے ہاتھ سے باغیوں کو اس سے سخت سزائیں دیگئی ہوں۔ جن لوگوں نے بغاوت کی تاریخیں پڑھی ہیں یا اپنی آنکھوں سے اس اُنیسویں صدی عیسوی میں بھی جو سیول ریفارمیشن کا زمانہ کہلاتا ہے یا اس سے تھوڑا زمانہ پہلے بغاوت کے واقعات دیکھے ہیں اُنکی آنکھوں میں کئی سو آدمیوں کا بجرم بغاوت قتل ہونا کوئی بڑا واقعہ معلوم نہو گا۔

رہی یہ بات کہ اس قسم کی لڑائیوں اور ایسی خونریزی کو حضرت موسیٰؑ نے اپنے زمانہ میں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ میں کیوں جائز رکھا اور مثل حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے کیوں نہ اپنی جان دیدی۔ اُسکی نسبت ہم اخیر کو بحث کرینگے اس مقام پر صرف ہمکو یہ بات دکھانی ہے کہ جو لڑائیاں آنحضرت کے زمانہ میں ہوئیں وہ اس بنا پر نہ تھیں کہ لوگوں کو بجبر اور ہتھیاروں کے زور سے مسلمان بنایا جاوے۔ سو اس عظیم واقعہ سے بھی جو بنی قریظہ کے قتل کا واقعہ ہے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ زور و شمشیر صرف امن کا قائم رکھنا مقصود تھا نہ کسیکو بجبر مسلمان کرنا۔

سریہ قریظا یا محمد بن مسلمہ۔ محرم ۵ھ ہجری

قریظا ایک قبیلہ ہے بنی بکر بن کلاب میں کا یہ لوگ ضرب ہیں

کی طرف رہتے تھے جو مدینہ سے سات منزل ہے اور عمرہ کے
لئے مکہ جانے کو نکلے تھے۔ جیسا کہ اُنکے سردار نے آنحضرتؐ کے
سامنے بیان کیا۔ غالباً اُنکے نکلنے سے شبہ ہوا ہوگا اسلئے محمد بن مسلمہ
کو تیس سوار دیکر اُسطرف روانہ کیا گیا۔ مگر وہ لوگ اُنکو دیکھکر بھاگ گئے اور
اُن میں سے ثمامہ بن اثال پکڑا گیا۔ جسکو محمد بن مسلمہ نے لاکر مسجد کے
ایک ستون سے باندھ دیا۔ مگر آنحضرتؐ کے حکم سے اُسکو چھوڑ دیا گیا اور
بعد کو وہ مسلمان بھی ہوگیا۔

غزوۂ بنی لحیان۔ ربیع الاول سنہ ۶ ہجری

غزوہ رجیع میں ذکر ہوچکا ہے کہ رجیع کے مقام پر لوگوں نے
دغابازی سے مسلمانوں کو مار ڈالا تھا اُسکا بدلہ لینے کو آنحضرتؐ نے
دو سو سواروں کے ساتھ کوچ کیا اور غیر معروف رستہ اختیار کیا تاکہ بنی لحیان
یہ نہ سمجھیں کہ اُنپر چڑھائی ہوتی ہے۔ مگر جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ اُن کو
خبر پہنچگئی تھی اور پہاڑوں میں جا چھپے تھے اسلئے آپ واپس تشریف لے آئے

غزوہ ذی قردہ یا غزوہ غابہ۔ ربیع الآخر سنہ ۶ ہجری

غابہ ایک گانوں ہے مدینہ کے پاس شام کی طرف
عُیینہ بن حصن الفزاری نے بنی غطفان کے سوار لیکر مقام
غابہ میں آنحضرتؐ کے اونٹوں کو لوٹ لیا اور وہاں ایک آدمی بنی غفار
میں کا مع اپنی جورو کے تھا اُسکو مار ڈالا اور اُسکی جورو اور اونٹوں کو لیگئے سلمہ بن
عمرو بن اکوع نے جو ایک نامی تیرانداز تھا تن تنہا اُن کا تعاقب کیا

اور اونٹوں کو چھڑا لیا۔ جب یہ خبر مدینہ میں پہنچی تو لوگ آنحضرتؐ پاس۔
جمع ہو گئے تاکہ اُنکو سزا دیں۔ آپ نے سعد بن زید کو سردار
کر کے اُن لوگوں کے تعاقب میں بھیجا۔ کچھ خفیف سی لڑائی ہوئی اور
چند آدمی مارے گئے۔ اُن لوگوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گئے۔
سعد کے روانہ ہونے کے بعد آنحضرتؐ خود بھی روانہ ہوئے اور ذی قردہ
تک جو ایک چشمہ کا نام ہے پہنچے اور پھر سب لوگ واپس چلے آئے۔

سریہ عکاشہ بن محصن اسدی۔ ربیع الآخر ۶ ہجری

غمر مرزوق ایک چشمہ ہے بنی اسد میں قید سے دو منزل
عکاشہ بن محصن اسدی چالیس آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے
اِسطرف اعراب یعنی گنوار عرب رہتے تھے غالباً اُن ہی کی تنبیہ و تادیب
کو گئے ہونگے۔ وہ لوگ بھاگ گئے عکاشہ اُن کے دو سو اونٹ
پکڑ لائے۔

سریہ ذی القصہ یا سریہ بنی ثعلبہ۔ ربیع الآخر ۶ ہجری

ذی القصہ ایک گانو ہے مدینہ سے چوبیس ۲۴ میل۔
آنحضرتؐ نے دس آدمی بنی ثعلبہ کے پاس روانہ کئے تھے
محمد بن مسلمہ اُن کے سردار تھے۔ یہ لوگ ذی القصہ میں رات
کو رہے۔ مگر رات کو وہاں کے تو آدمیوں نے انکو گھیر کے تیروں سے
مار کر مار ڈالا۔ صرف محمد بن مسلمہ بچے مگر زخمی ہوئے صبح
کو ایک شخص اُنھیں اُٹھا کر مدینہ میں لے آیا۔ اِس واقعہ کے

بعد آنحضرتؐ نے ابُو عُبَیدَہ بن الجرّاح کو چالیس آدمی دیکر اُن لوگوں کی سزا دینے کے لئے بھیجا تھا مگر وہ سب پہاڑوں میں بھاگ گئے انکا گلا سڑا اسباب جو رہگیا تھا اُسکو ابُو عُبَیدَہ لوٹ لائے۔

سَرِیَّہ جموم۔ ربیع الآخر سنہ ۶ ہجری

جموم ایک مقام ہے بطن نخلہ میں

زید بن حارثہ بطور گشت کے اُس طرف گئے قوم مُذَینَہ کی ایک عورت نے جسکا نام حلیمہ تھا بنو سُلَیم کی کچھ مخبری کی جسپر زید نے اُس بستی کو گھیر لیا۔ اُنکے اونٹ چھین لئے اور چند آدمیوں کو قید کر لیا جنمیں حلیمہ کا شوہر بھی تھا۔ مگر آنحضرتؐ نے اُسکو چھوڑ دیا۔

سَرِیَّہ عِیص۔ جمادی الاوّل سنہ ۶ ہجری

یہ ایک موضع ہے مدینہ سے چار میل پر

قریش مکّہ کا ایک قافلہ جس میں تجارت وغیرہ کا سامان تھا شام سے آتا تھا آنحضرت نے زید بن حارثہ کو بھیجا کہ قریش مکّہ تک اُس سامان کو نجانے دے۔ زید گئے اور قافلہ کا مال و اسباب چھین لیا۔ اور چند آدمی قید کر لئے۔

سَرِیَّہ طرف۔ جمادی الآخر سنہ ۶ ہجری

یہ ایک چشمہ کا نام ہے مدینہ سے چھتیس ۳۶ میل

زید بن حارثہ پندرہ آدمیوں کے ساتھ بطور گشت کے بنو ثعلبہ کی طرف گئے جو اعراب میں سے تھے۔ مگر وہ بھاگ گئے اور اپنے

اُونٹ بھی چھوڑ گئے جنکو زید لیکر چلے آئے۔

سَرِیّہ حِسمی۔ جمادی الآخر سنہ ۶ ہجری

یہ وادی القُریٰ سے دو منزل ورے ہے جو مدینہ سے چھ منزل ہے۔

دحیہ بن خلیفہ کلبی شام سے واپس آتے تھے۔ جب ارض جُذام میں پہنچے تو ھُنَید بن عوص اور اُسکے بیٹے نے اُنکو لوٹ لیا۔ دحیہ نے مدینہ میں آکر یہ حال بیان کیا۔ اسی درمیان میں بنو نَصِیب نے جو رُفاعہ کی قوم سے تھے اور مسلمان ہو چکے تھے ھُنَید پر حملہ کیا اور مال و اسباب واپس کر لیا۔ آنحضرتؐ نے زید بن حارثہ کو ھُنَید کی سزادہی کو مقرر کیا۔ وہ گئے اور لڑائی میں ھُنید اور اُسکا بیٹا مارا گیا۔ اُنکا اسباب لوٹ لیا گیا۔ اور کچھ لوگ قید ہوئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اِس ہنگامہ میں بنی نَصِیب کا بھی کچھ اسباب لوٹا گیا۔ اور اُن کے کچھ آدمی بھی قید ہو گئے۔ جب اُنہوں نے آنحضرت پاس آکر یہ حال بیان کیا تو آپ نے حضرت علی مرتضیٰ کو متعین کیا۔ اُنہوں نے جاکر بنی نصیب کا سب مال و اسباب واپس دلا دیا اور قیدیوں کو چھڑا دیا

سَرِیّہ وادی القریٰ۔ رجب سنہ ۶ ہجری

یہ ایک میدان ہے مدینہ اور شام کے درمیان۔ وہاں بہت سی بستیاں ہیں۔ زید بن حارثہ کچھ آدمی لیکر بطور گشت اُس طرف گئے وہاں کے لوگوں سے لڑائی ہوئی۔ زید کے ساتھ کے آدمی جو سلیمؑ

تھے مارے گئے اور زید بھی سخت زخمی ہوئے۔

سریہ دومۃ الجندل۔ شعبان ۶ سنہ ہجری

دومۃ الجندل کے لوگ (جو عیسائی تھے) ہمیشہ حملہ کا موقع تکتے تھے۔ چنانچہ ہجرت کے چوتھے سال میں بھی اُنکے حملہ کا احتمال ہوا تھا۔ اور خود آنحضرتؐ نے کوچ فرمایا تھا۔ اُن ہی اسباب سے اِس سال عَبْدُ الرَّحْمٰن بن عوفؓ کو سردار کر کے اُن لوگوں پر بھیجا اور فرمایا کہ کوئی دغا کی بات مت کرو اور خدا کی راہ میں لڑو۔ اور کسی نابالغ بچہ کو مت مارو یہ بھی فرمایا کہ اگر وہ تیری اطاعت کرلیں تو اُنکی سردار کی بیٹی سے شادی کرلینا۔ عرب میں قوموں کا اپنا پورا پورا ساتھی یا حمایتی بنا لینے کے صرف دو طریقے سب سے عمدہ تھے۔ ایک حلیف ہوجانا۔ دوسرا رشتہ مندی کرلینا اسی پولیٹیکل مصلحت سے آنحضرتؐ نے عبد الرحمٰن کو وہاں کے سردار کی بیٹی سے شادی کر لینے کی ہدایت کی تھی۔ اور یہی ایک بڑا سبب تھا کہ آنحضرتؐ نے اخیر عمر میں متعدد قبیلوں کی عورتوں کو اپنی ازواج مطہرات میں داخل کیا تھا باوجودیکہ عالم شباب میں بجز ایک بیوی کے کوئی اور نہ تھی

پس عبد الرحمٰن وہاں گئے تین دن قیام کیا۔ اور اسلام کا وعظ کیا کئے۔ اور مسلمان ہوجانے کی اُنکو ہدایت کی۔ اصبغ بن عمرو کلبی جو وہاں کا سردار اور عیسائی تھا مسلمان ہوگیا اور اُسکے ساتھ اور بہت سے آدمی مسلمان ہوگئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے اُنہوں نے اطاعت اختیار کی۔ اور جزیہ دینا قبول کرلیا۔ عبد الرحمٰن

نے اصبح کی بیٹی سے شادی کرلی۔

سریہ فدک۔ شعبان سنہ ۶ ہجری

یہ ایک گانوں ہے حجاز میں مدینہ سے دو منزل۔
آنحضرتؐ کو خبر پہنچی کہ قبیلہ بنو سعد بن بکر لوگوں کو جمع کرکے یہودیوں کو جو جلاوطن ہوکر خیبر میں جا بسے تھے مدد دینے کا ارادہ کر رہے ہیں اسلئے جناب علیؑ مرتضیٰ کو سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ آپ نے اپنے پہنچتے ہی مارا اور اُن کے سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں لوٹ لائے اور کوئی لڑائی نہیں ہوئی

سریہ زید بن حارثہ یا سریہ اُم قرفہ۔ رمضان سنہ ۶ ہجری

زید بن حارثہ مسلمانوں کا بہت سا مال تجارت لئے ہوئے شام کو جاتے تھے۔ جب وادی القریٰ میں پہنچے تو قوم فزارہ کے بنی بدر کی ایک شاخ ہے اور جنکی سردار اُم قرفہ نامی ایک عورت تھی سب اسباب لوٹ لیا۔ آنحضرتؐ نے زید ہی کو اُنکے سزا دینے کو متعین کیا۔ زید نے یکایک اُنپر چھاپا مارا۔ اور اُم قرفہ اور اُسکی بیٹی کو پکڑ لیا۔ قیس بن محسر نے اُس ضعیف عورت کو نہایت بُری طرح سے مار ڈالا یعنی اُسکا ایک پاؤں ایک اونٹ سے اور دوسرا پاؤں دوسرے اونٹ سے باندھکر اونٹوں کو مختلف سمت میں ہانکا کہ اوسکے دو ٹکڑے ہوگئے۔ تاریخوں سے یہ بات قابل اطمینان نہیں معلوم ہوتی کہ اُم قرفہ کے مار ڈالنے کے بعد اُسکے پاؤں اونٹوں سے باندھے تھے یا وہ زندہ تھی اور اونٹوں کے پاؤں سے باندھکر اُسکو مارا تھا۔ مورخین نے اسکا

ذکر بھی فروگزاشت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس ہر حرم واقعہ کو اگر درحقیقت
وہ ہوا تھا سنکر کیا فرمایا۔ ضرور قدغیں پر نہایت درجہ کی خفگی فرمائی ہوگی
کیونکہ عموماً آپکی یہ نصیحت تھی کہ عورتیں اور بچے نہ مارے جائیں۔ مع ہذا اس
سریہ کے متعلق ایسی مختلف روائتیں ہیں جنمیں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں
ہوسکتا۔ علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اس سریہ کے سردار ابوبکرؓ
صدیق تھے اور سلمہ بن الاکوع لڑے تھے اور اُسمیں ایک ضعیف
عورت کے مع اُسکی بیٹی کے پکڑے جانیکا ذکر ہے۔ مگر اُسکے مارے
جانیکا ذکر نہیں۔ اُسکا نہ مارا جانا زیادہ تر یقین کے قابل ہے کیونکہ صحیح مسلم
میں جو حدیث کی نہایت معتبر کتاب ہے اُس عورت کا پکڑا جانا بیان ہوا
ہے مگر مارے جانیکا ذکر نہیں۔ پھر ایک روایت میں ہے کہ اُسکی بیٹی
حزن بن ابی وھب کو دیدی گئی۔ اور اُس سے عبداللہ بن حزن
پیدا ہوے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ لڑکی آنحضرتؐ نے
لے لی اور اُسکو مکہ بھیجدیا اور اُسکے بدلے میں چند مسلمانوں کو قریش
سے چھڑالیا۔ سر ولیم میور نے تسلیم کیا ہے کہ اس عورت کے قتل
ہونیکا علم آنحضرتؐ کو نہیں ہوا۔ لیکن تعجب ہے کہ اسپر بھی اُنہوں نے آپکو اُسکے
قتل کا شریک گردانا ہے۔

سریہ عبداللہ بن رواحہ۔ شوال سنہ ۶ ہجری

ابورافع سلام بن ابی الحقیق یہودی کے مرنے یا مارے جانے
کے بعد جسکا ذکر ہم سریہ عبداللہ بن عتیک میں کر آئے ہیں

اُسیر بن رزام یہودیوں کا سردار قرار پایا اُسنے اپنے حلیف بنی غطفان کو اپنے ساتھ ملایا اور لڑائی کی تیاری کی۔ آنحضرتؐ کو جب یہ خبر ملی تو آپنے عبداللہ بن رواحہ کو مع تیس ۳۰ اور آدمیوں کے اس خبر کی تحقیق کرنے کو بھیجا۔ جب عبداللہ واپس آئے تو آپ نے تیس ۳۰ آدمی اُنکے ساتھ کئے اور اُسیر بن رزام پاس روانہ کئے ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ اُنکا بھیجنا کسی معاہدے یا صلح یا اور کسی قسم کی گفتگو کے لئے تھا نہ لڑائی کے لئے۔ کیونکہ لڑائی کے لئے تیس ۳۰ آدمی نہیں بھیجے جا سکتے تھے عبداللہ نے اُس سے گفتگو کی اور وہ اس لالچ میں آپکے پاس آنے پر راضی ہوا کہ خیبر کی سرداری اُسکو مل جائے۔ وہ بھی تیس ۳۰ آدمی اپنے ساتھ لیکر چلا۔ یہ سب اونٹوں پر سوار ہو کر چلے۔ یہودی آگے اور مسلمان اُنکے پیچھے بیٹھے۔ جب قرقرہ میں پہنچے تو اُسیر کے دل میں کچھ شبہ ہوا جیسا کہ زاد المعاد میں لکھا ہے اور اُسنے عبداللہ کی تلوار پر ہاتھ ڈالا عبداللہ کو بھی شبہ ہوا۔ اور وہ اونٹ پر سے کود پڑے اور اُسکے پاؤں پر تلوار ماری۔ اُسیر بھی کود پڑا۔ اور خار دار سونٹا عبداللہ کے موہنہ پر مارا۔ اس ہنگامہ کو دیکھکر ہر ایک مسلمان نے اپنے ساتھی پر حملہ کیا اور مار ڈالا۔

سریۂ عُرَینیین۔ شوال سنہ (۶) ہجری

عُرَینہ مدینہ کے قریب ایک میدان میں ایک باغ تھا۔ وہاں کے چند کسان آنحضرتؐ پاس آئے۔ نہایت مفلس اور تباہ حال

اور بیمار تھے - شاید استسقا کی بیماری تھی جس کا علاج اونٹ کا دودھ اور پیشاب پینا اور جہان اونٹ بٹھائے جاتے ہون وہین پڑے رہنا تھا - اُنھون نے جھوٹ موٹ بیان کیا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہین - ہماری مدد کرو - آپ نے اپنی چند اونٹنیان اور چرواہے اُنکے ساتھ کر دیئے - مگر جب وہ حَرّہ کے مقام پر پہنچے تو اُنھون نے جیسا کہ صحیح مُسلم مین بیان ہوا ہے اُن چرواہون کی آنکھین پھوڑ دین اور اُن کے ہاتھ پانون کاٹ ڈالے جس سے وہ مر گئے - اور اونٹنیان لیکر چلدیئے کُرز بن جابر الفہری مع چند آدمیون کے اُنکے تعاقب مین بھیجا گیا - وہ پکڑے گئے - اور اُنکی بھی آنکھین پھوڑی گئین - اور ہاتھ پانون کاٹ کر ڈالدیئے گئے کہ وہ مر گئے -

ہم غزوۂ اُحُد مین لکھ آئے ہین کہ مسلمانون کو یہ حکم مل چکا تھا کہ اگر تم عقوبت کرنا چاہو تو اُسیقدر عقوبت کرو کہ جسقدر تُمپر عقوبت کی گئی ہو پس غالباً اِسی بنا پر مسلمانون نے اُنکو اُسیطرح مارا جسطرح اُنھون نے چرواہون کو مارا تھا -

سَرِیّہ عَمرو بن اُمَیّہ - شوال ۶ ہجری

اَبُوسُفیان بن حرب نے مکّہ سے ایک آدمی مدینہ مین بھیجا کہ کسی بہانہ سے آنحضرتؐ کو قتل کر دے - وہ مع خنجر جو اُس کے پاس چھپا ہوا تھا پکڑا گیا مگر جان بخشی کے وعدہ پر جب اُسنے یہ حال بتا دیا تو اُسکو چھوڑ دیا گیا - اور وہ مکّہ کو چلا گیا مَوَاہِبِ لَدُنّیَہ مین لکھا ہے

کہ اسپر آنحضرتؐ نے ابوسفیان کے قتل کے لئے عمرو بن اُمیّہ اور سلمہ بن اسلم کو بھیجا لیکن اُن کا وہان جانا کھل گیا۔ لوگ اُن پر دوڑے مگر وہ کسی طرح پر بچکر نکل آئے۔ مگر یہ روایت اور اِس قسم کی اور روایتین جو ہم اوپر لکھ آئے ہین اسقدر لغو ہین کہ مخالف مذہب مورخون نے بھی اُن کو صحیح نہین سمجھا۔ چنانچہ واسنگٹن ارونگ جو ایک عیسائی مؤرخ ہے اپنی تاریخ اسلام کے بیسوین باب مین لکھتا ہے کہ "محمدؐ پر جو یہ الزام لگایا گیا ہے کہ دشمن سے فریب کی تدبیرین کین۔ کیونکہ سُنا گیا ہے کہ اُسنے عمرو بن اُمیّہ کو خفیہ پیغام کے ساتھہ مکّہ کو بھیجا کہ ابوسفیان کو مار ڈالے مگر یہ راز کھل گیا اور قاتل بسرعت بھاگ آنے سے بچگیا۔ مگر یہ الزام اچھی طرح ثابت نہین ہے اور اُنکی (یعنی آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) کردار اور سیرت عام کے برخلاف ہے"

غزوۂ حدیبیّہ۔ ذی قعدہ (۶) سنہ ہجری

یہ ایک گانو ہے اور اُسمین اِس نام کا ایک کنوان ہے اُسی کے نام سے یہ گانو مشہور ہوگیا ہے۔ یہان سے مکّہ ایک منزل ہے۔

زمانہ جاہلیّت مین۔ ذیقعد۔ ذی الحجہ۔ محرّم اور رجب کے مہینون مین لوگ لڑنے بھڑنے کو حرام جانتے تھے۔ اور یہ مہینے حج اور زیارت کعبہ کے لئے جو تمام اقوام عرب کا قومی اور مشترک معبد تھا مخصوص تھے۔ چنانچہ کعبہ مین انبیاے سلف خصوصاً حضرت

ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام اور قربانی کے مینڈھے اور
عیسیٰ علیہ السلام کو گود مین لئے ہوئے حضرت مریم کی تصویر
کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ عرب کے بعض قبیلون کے لوگ
جو یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے وہ بھی حج اور زیارت کو
آتے تھے اور کوئی کسی سے مزاحم ہونے کا حق نہ رکھتا تھا - پس اسی بنا
پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّہ مین جاکر حج و عمرہ ادا کرنے کا
ارادہ کیا - قربانی کے لئے اونٹ ہمراہ لئے اور قربانی کی علامت
کے طور پر جو نشانیان مقرر تھین وہ اُن پر کر دین - اور ایکہزار یا نسو بیس لوگون
کے ساتھ کوچ فرمایا - اور چونکہ یہ امید تھی کہ قریشِ مکّہ حج اور زیارت
کے مانع نہونگے - اسلئے لوگون کے پاس احتیاطاً صرف ایک ایک
تلوار تھی اور کوئی ہتھیار نہ تھا مگر جب حدیبیّہ مین پہنچے تو قریش
نے مکّہ مین آنے سے روکا - دونون طرف سے پیغام سلام ہوئے -
اور لوگ آئے گئے مگر اُنہون نے نہ مانا آخرکار عثمان بن عفّان
بھیجے گئے اور اُن کو بھی اُنہون نے قید کر لیا - اور یہ مشہور ہو گیا کہ قریش
نے اُنکو قتل کر ڈالا - پس آنحضرتؐ نے مجبوراً لڑنے کا ارادہ کیا - اور سب
لوگون سے لڑنے اور مارنے مرنے پر بیعت لی - مگر بعد کو وہ خبر
غلط معلوم ہوئی - اسکے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو صلح کا
پیغام دیکر بھیجا اور صلح اس بات پر منحصر تھی کہ اس سال آپ مکّہ مین حج

لہ دیکھو کتاب اخبار مکّہ مصنفہ علامہ ازرقی صفحہ ۱۲۰ - تاریخ ابن ھشام وغیرہ مؤلف

اور عمرہ کو نہ آئین اور واپس چلے جائین - اور سال آیندہ کو قضا کرلین
اور تین دن سے زیادہ مکّہ مین نہ ٹھہرین - اور ایک ایک تلوار
کے سوا کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہو - بعد لمبی گفتگو کے آنحضرت اس پر
رضامند ہوگئے - اور حضرت علیؓ مرتضیٰ کو عہدنامہ لکھنے کو فرمایا - اور
کہا کہ لکھو "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" سہیل نے کہا کہ ہمتو یہ نہین جانتے
صفر یہ لکھو "بِاسْمِکَ اَللّٰھُمَّ" آپ نے فرمایا کہ یہی لکھو - پھر فرمایا
کہ لکھو "ھٰذَا مَا صَالَحَ عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" سہیل نے کہا کہ اگر ہم
اس بات کو قبول کرتے کہ آپ خدا کے رسولؐ ہین تو آپ سے لڑتے
ہی کیون - آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیے - آپ نے فرمایا
کہ لکھو "ھٰذَا مَا صَالَحَ عَلَیْہِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ" غرض کہ اس سال
واپس چلے آنے کے علاوہ اس بات پر صلح ہوئی کہ دس برس تک لڑائی
موقوف رہے سب لوگ امن مین رہین اور لڑائی نہو - اور یہ بھی معاہدہ
ہوا کہ اگر کوئی شخص قریش مکّہ مین کا بلا اجازت اپنے ولی کے آنحضرتؐ
پاس چلا آئے تو آپ اُسکو اُنکے پاس بھیجدین - اور اگر آنحضرتؐ کے
ساتھیون مین سے کوئی شخص مکّہ مین چلا آئے تو قریش اُسکو واپس
نہین دینے کے[1] غرضکہ آنحضرتؐ نے اس معاملہ مین ایسی نرمی اور
عالی ظرفی کا برتاؤ کیا کہ دونون طرف سے عہدنامہ کی تصدیق ہوگئی - اور

[1] کسی مسلمان کا آنحضرتؐ کی مرضی کے برخلاف قریش کے پاس چلا جانا مرتد ہونے کے بغیر
ممکن نہ تھا پس مرتد کو واپس لیکر آپ کیا کرتے - مؤلف عفی عنہ

آنحضرتؐ نے اُسی مقام پر قربانی کے اونٹ ذبح کئے اور ارادہ حج وعمرہ کا موقوف کیا اور مدینہ کو واپس تشریف لے آئے۔

غزوہ خیبر۔ جمادی الآخر (۷) سنہ ہجری

یہ ایک مشہور و معروف بہت بڑا شہر ہے مدینہ سے آٹھ منزل شام کی طرف۔

اہلِ خیبر جنمیں وہ تمام یہودی بھی جا ملے تھے جو مدینہ سے جلاوطن کئے گئے تھے ہمیشہ مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں کرتے رہتے تھے۔ اور اُنہوں نے بنی اسد اور بنی غطفان کو اپنا حلیف کرلیا تھا اور اپنے قلعوں کی مضبوطی پر جو شمار میں دس تھے بہت نازاں تھے۔ جب اُن لوگوں کی آمادگی جنگ نے زیادہ شہرت پائی تو آنحضرتؐ نے اِس فساد کے مٹانے کا ارادہ کیا اور مدینہ سے چڑھائی کی۔ بنی اسد کا سردار طلیحہ بن خویلد اسدی اور بنی غطفان کا سردار عیینہ بن حصن ابن بدر فزاری تھا خیبر والوں نے اپنے قلعوں کو بند کرلیا اور ایک مہینہ تک لڑائی جاری رہی۔ سب سے پہلے حصن ناعم فتح ہوا اور پھر بعض اور قلعے بھی فتح ہوئے اہل خیبر سخت لڑائیاں لڑتے رہے مگر جب جناب حیدر کرارؑ نے یہودیوں کے بڑے نامی گرامی بہادروں حارث اور اُسکے بھائی مرحب اور عنتر اور یاسر کو مار لیا۔ اور ایک عجیب و حیرت انگیز قوت و صولت کے ساتھ اُنکے سب سے مضبوط قلعوں وطیح۔ سلالم اور

قموص کو فتح کرلیا - تو اُنھون نے امن چاہا اور تین امر پر صلح ہوئی -

اول - یہ کہ تمام اہل خیبر کو اور اُن کے اہل وعیال کو جان کی امان دیجاے دوسرا - یہ کہ تمام اہل خیبر اپنا مال واسباب بطور تاوانِ جنگ کے دیدین - لیکن اگر کوئی شخص اپنا مال چھپا رکھے تو اُس سے جان اور اہل وعیال کے امن کا معاہدہ قائم نہ رہے گا - تیسرا یہ - کہ تمام زمین خیبر کی اُنکی ملکیت نہ رہے گی - مگر وہ اپنے گھرون مین آباد رہین گے - اور زمینون پر بھی قابض رہین گے - اور اُنکی پیداوار کا نصف حصّہ بطور خراج دیا کرینگے - اور کسی بدعہدی پر آنحضرتؐ کو اختیار رہوگا کہ اُنکو جلاوطن فرمائین - کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق نے نہایت دغابازی کی اور نہایت بیش قیمت مال چھپا رکھا - جو تلاش کے بعد ملا - پس وہ مارا گیا - اور اُسکے اہل وعیال قید کرلئے گئے -

غزوہ وادی القریٰ - جمادی الآخر ۷ سنہ ہجری

خیبر سے مراجعت فرماکر آنحضرتؐ وادی القریٰ مین پہنچے اور وہان چار دن ٹھہرے تو اہل بتماء نے اسلام تو قبول نہین کیا - مگر جزیہ دینے پر صلح کرلی -

سریّہ تربہ وغیرہ - شعبان ۷ سنہ ہجری

اس مہینے مین تین مختلف اطراف مین تین سریے بھیجے گئے جنمین پہلا سریّہ تربہ کا تھا - جو مکہ کے قریب دو منزل پر ایک جگہ ہے اس سریّہ کے سردار عمر فاروق تھے اور تیس آدمی اُنکے ساتھ تھے مگر وہان کے لوگ بھاگ گئے اور یہ واپس چلے آئے

دُوسرا سریہ ابوبکر صدّیق کا بنی کلاب پر تھا اُنسے کچھ خفیف سی لڑائی ہوئی - کچھ آدمی مرے - کچھ قید ہوئے -

تیسرا سریہ بنی مُرّہ پر بھیجا گیا جو فدک مین رہتے تھے - اِس سریہ مین تیس آدمی تھے اور بشیر بن سعد اُنکے سردار تھے جو خفیف لڑائی کے بعد واپس آگئے -

سریہ غالب لیثی واُسامہ بن زید رمضان ۷ سنہ ہجری

غالب بن عبد اللہ لیثی نجد کی طرف منقعہ پر جو مدینہ سے آٹھ منزل پر ہے بھیجے گئے تھے اور دو سو تیس آدمی اِس سریہ مین تھے مگر وہان بہت ہی خفیف سی لڑائی ہوئی - اور پھر سب لوگ واپس آگئے - اُسامہ بن زید الحربہ کی طرف بھیجے گئے تھے جو ضریہ کی طرف ہے یہان کسی سے لڑائی نہین ہوئی - مگر ایک شخص اُسامہ کو ملا جسپر اُنہون نے تلوار اُٹھائی اور اگرچہ اُسنے کلمہ شہادت پڑہا - مگر اُسامہ نے اُسکو مار ڈالا - اور اِس باعث سے اُنپر آنحضرتؐ نے نہایت خفگی ظاہر فرمائی -

سریہ بشیر بن سعد انصاری شوّال ۷ سنہ ہجری

یمن اور حباب جسکو فزارہ اور عذرا بھی کہتے ہین - بنی غطفان سے علاقہ رکھتے تھے جو خیبر والون کی مدد کو گئے تھے اِس وجہ سے یہ سریہ اُنپر بھیجا گیا تھا - مگر وہ لوگ بھاگ گئے - اُنکا مال واسباب ہاتھ آیا اور صرف دو آدمی قید ہوئے -

سریہ ابن ابی العوجا سلمی - ذی الحج ۷ سنہ ہجری

یہ سریہ بنی سلیم کی طرف بھیجا گیا تھا - وہان سخت لڑائی ہوئی اور دشمن چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور سب لوگ مارے گئے اور ابن ابی العوجاء بھی زخمی ہوئے اور مُردوں مین پڑے رہگئے -

سریہ غالب بن عبداللہ لیثی صفر ۷ سنہ ہجری

یہ سریہ بنی مُلوّح پر جو کدید مین رہتے تھے بھیجا گیا تھا - وہان کچھ لڑائی نہین ہوئی - مگر کچھ اسباب ہاتھ آیا - اسی مہینہ مین خالد بن ولید اور عثمان بن ابی طلحہ اور عمرو بن عاص مکّہ سے مدینہ مین چلے آئے اور مسلمان ہو گئے -

سریہ غالب بن عبداللہ لیثی صفر ۷ سنہ ہجری

یہ سریہ بھی فدک کی جانب بھیجا گیا تھا اُن ہی لوگون پر جنپر بشیر بن سعد بھیجے گئے تھے - اُن سے لڑائی ہوئی کچھ لوگ مارے گئے اور کچھ اسباب لوٹ لیا گیا -

سریہ شجاع بن وہب اسدی - ربیع الاوّل ۸ سنہ ہجری

یہ سریہ ذات عرق کی طرف بھیجا گیا تھا جو مدینہ سے پانچ منزل ہے - اور جہان بنی ہوازن نے لوگ جمع کئے تھے وہان کچھ لڑائی نہین ہوئی - مگر اُنکے اونٹ لوٹ لائے -

سریہ کعب بن عُمیر غفاری - ربیع الاوّل ۸ سنہ ہجری

یہ سریہ ذات اطلح کی طرف بھیجا گیا تھا جو ذات القراع کے قریب ہے

یہاں بہت کثرت سے لوگ لڑنیکے لئے جمع تھے۔ نہایت سخت لڑائی ہوئی اور جو لوگ بھیجے گئے تھے سب کے سب مارے گئے۔ خبر کے معلوم ہونے پر ایک بڑا لشکر بھیجنے کا ارادہ ہوا مگر معلوم ہوا کہ وہ لوگ اور سمت کو چلے گئے۔

سریہ مؤتہ۔ جمادی الاوّل سنہ (۸) ہجری

یہ ایک قصبہ ہے شام کے علاقہ میں دمشق سے ورے۔ آنحضرتؐ نے حارث بن عمیر ازدی کو ہرقل شہنشاہ روم کے نام ایک خط دیکر شہر بصرے کو بھیجا تھا۔ جب مؤتہ میں پہنچا تو ایک نصرانی امیر شرحبیل بن عمرو غسّانی نے تعرض کیا اور اسکو مار ڈالا اسپر آنحضرتؐ نے تین ہزار آدمیوں کا لشکر جسکے سردار زید بن حارثہ تھے اسکی سزادہی کو بھیجا نہایت سخت لڑائی ہوئی اور زید اور جعفر بن ابیطالب اور عبداللہ بن رواحہ جنکے ہاتھ میں فوج کا نشان تھا بڑی بہادری کے ساتھ یکے بعد دیگرے لڑکر مارے گئے۔ اور فوج کا نشان خالد بن ولید نے لیا۔ اور نہایت سخت لڑائی کے بعد فتح پائی۔ اس لڑائی میں تمام عیسائی قومیں جو اُس نواح میں رہتی تھیں شامل تھیں۔ اور ہرقل کی فوج بھی جو قسطنطنیہ کا شہنشاہ تھا اور شام کے تمام صوبہ پر اُسکی حکومت تھی اور اُسی زمانہ میں فارس کو فتح کر چکا تھا اُن لوگوں کے ساتھ لڑائی میں شریک تھی

سریہ عمرو بن عاص۔ جمادی الآخر سنہ ۸ ہجری

یہ سریہ ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے۔ سلاسل ایک

چشمہ کا نام تھا ذات القراع کے پاس مدینہ سے دس منزل۔ بنی قضاعہ نے کچھ لوگ لڑنے کے لئے جمع کئے تھے۔ جب یہ خبر آنحضرتؐ کو پہنچی تو عمرو بن عاص کو تین سو آدمی دیکر اُس طرف روانہ کیا۔ سلاسل کے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ دشمن بہت کثرت سے جمع ہیں۔ اسلئے دو سو آدمی اُنکی مدد کو اور بھیجے گئے۔ مگر بنی قضاعہ آخرکار بھاگ گئے اور جمعیت متفرق ہوگئی۔

سریہ ابی عبیدہ بن جرّاح۔ رجب ۸ سنہ ہجری

اس سریہ میں تین سو آدمی تھے جو سمندر کے کنارہ پر چند روز ٹھیرے رہے اور کسی سے کچھ لڑائی نہیں ہوئی۔

سریہ ابی قتادہ انصاری شعبان ۸ سنہ ہجری

اس سریہ میں صرف پندرہ آدمی تھے اور بمقام خضرہ جو نجد میں ہے بنی غطفان کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا۔ کچھ لڑائی ہوئی اور کچھ لوگ قید کر لئے گئے اور دو سو اونٹ اور ایکہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

سریہ ابی قتادہ۔ رمضان ۸ سنہ ہجری

اس سریہ میں صرف آٹھ آدمی تھے۔ اور یہ لوگ اِضَم کی طرف بھیجے گئے تھے جو ایک چشمہ ہے درمیان مکّہ اور یمامہ کے اور مدینہ سے تین منزل ہے۔ یہ سریہ صرف اسلئے بھیجا گیا تھا کہ قریش مکّہ کی کچھ خبر ملے۔ اور نیز مکّہ والے خیال کریں کہ آنحضرتؐ اُس طرف تشریف لیجائینگے۔ حالانکہ آپکا ارادہ قریش پر حملہ کرنے کا تھا۔

غزوۂ فتح مکّہ - رمضان ۸ سنہ ہجری

منجملہ شرایط معاہدہ حُدَیبیّہ ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو قومیں چاہیں اِس معاہدہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ شامل ہوجائیں - اور جو قومیں چاہیں قریش کے معاہدہ میں داخل ہوجائیں - چنانچہ بنوخزاعہ آنحضرتؐ کے ساتھ اور بنوبکر قریش کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہوئے - مگر پورے دو برس بھی نہ گزرے تھے کہ بنوبکر نے بنوخزاعہ کے ساتھ اپنی عداوت اور جنگ وجدال جو شروع زمانہ اِسلام سے موقوف تھی پھر تازہ کیا اور نَوفَل بن مُعاوِیہ دُئلی نے بنوخزاعہ پر حملہ کیا اور کچھ آدمی مارے گئے - قُریش مکّہ نے برخلاف شرایط معاہدہ ہتھیار بھیجنے سے بنوبکر کی مدد کی - اور بعض سرداران قریش خود بھی بہ تبدیل لباس اُنکے شریک ہوئے - اور بنوخزاعہ کو یہانتک عاجز کیا کہ اُنہون نے حرم کعبہ میں پناہ لی - مگر نوفل نے وہاں بھی اُنکا تعاقب کرنا چاہا اور کہا کہ "آجکے دن خدا کوئی چیز نہیں ہمکو اپنا بدلہ لینا چاہیئے" ناچار بنوخزاعہ نے بُدَیل بن ورقا کی پناہ لی جو اُن ہی میں سے تھا - مگر مکّہ میں رہتا تھا - اور عمرو بن سالم کو استمداد کے لئے آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا - قریش عہدشکنی تو کر بیٹھے مگر معاً یہ اندیشہ ہوا کہ آنحضرتؐ کو خبر پہنچیگی تو آپ ضرور اسکی مکافات فرمائینگے - پس ابوسُفیان اسکی معذرت اور دوبارہ عہد کرنے کو مدینہ مین آیا - مگر ناکام رہا - اور کیونکر ناکام نہ رہتا کہ قُریش نے بنوخزاعہ کے بہت سے لوگون کو قتل کردیا تھا اور اُنپر بے انتہا زیادتی کی تھی - پس ممکن نہ تھا کہ اُس ظلم اور خوں ریزی

سے جو قریش اور بنو بکر نے ملکر کی تھی درگزر کرکے نیا عہد کیا جاتا۔
پس آنحضرتؐ نے فوج کے جمع ہونے کا حکم دیا اور مکّہ کے رستوں کی
سخت ناکہ بندی کی گئی۔ تاکہ قریش کو خبر نہ پہنچ سکے اور دس ہزار
فوج جرّار کے ساتھ کوچ فرمایا۔ اور مکّہ کے قریب مرّ الظّہران
میں پہنچ گئے۔ اور حکم دیا کہ تمام سرداران لشکر اپنے اپنے خیموں کے آگے رات
کو آگ روشن کریں۔ ابتک قریش بالکل بے خبر تھے مگر آنحضرتؐ کی
طرف سے جو اطمینان نہ تھا اسلئے مدینہ کے رستہ پر خبر گیری کے لئے
لوگوں کو بھیجتے رہتے تھے چنانچہ اُس رات کو ابوسفیان و بدیل
بن ورقا اور حکیم بن حزام جو مکّہ سے کچھ تفحص حال کے لئے
مرّ الظّہران میں آئے اور انکو ایک ٹیلہ پر سے مدینہ کی جانب جا بجا
آگ جلتی ہوئی دکھائی دی تو نہایت حیران اور تعجب ہوئے کہ یہ آگ کیسی
ہے اور کن لوگوں نے جلائی ہے۔ اسی دوران میں آنحضرتؐ کے چچا
عباس بن عبدالمطلب جو اسی سفر میں مکّہ سے آکر شامل ہو گئے تھے
اُنکو خیال ہوا کہ اگر یہ لشکر عظیم بے خبر مکّہ پر پہنچ گیا تو قریش سب کے سب
مارے جائیں گے۔ اسلئے وہ سوار ہو کر مکّہ کی جانب گئے کہ اگر کوئی
وہاں کو جاتا ہوا ملجائے تو قریش کو مطلع کردیں تاکہ وہ جناب رسول خدا کی
خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ اور امان حاصل کرلیں پس اُنہوں نے جو ابوسفیان
کو بولتے سُنکر اُسکو پکارا تو وہ آواز پہچان کر اُنکے پاس آیا اور پوچھا کہ اسوقت
تم کہاں سے آئے ہو؟ اُنہوں نے کہا کہ کیا تو دیکھتا نہیں کہ رسول خدا

دس ہزار فوج جرار کے ساتھ آن پہنچے ہیں۔ اور یہ آگ اُس فوج ہی کی تو ہے۔ جسکو سُنکر اُسکے ہوش اُڑ گئے۔ اور بجز اسکے کچھ چارہ نہوا کہ اُن کے کہنے کے موافق اُنکے پیچھے بیٹھ لیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنا مسلمان ہوجانا بھی ظاہر کیا۔ اور شاید دل میں کچھ کچا پکا مسلمان ہو بھی گیا ہو۔ پس آپ نے حکم دیا کہ اچھا اُسکو اپنے پاس ٹھہراؤ صبح کو دیکھا جائے گا۔ نماز فجر کے بعد عبّاس پھر اُسکو لائے اور اُن کی سفارش سے آنحضرتؐ نے اُسکو امان اور مکّہ کو واپس جانے کی اجازت دی اور تاکید کی کہ لوگ قتل سے بچ جائیں رحمایہ بھی فرما دیا کہ جو شخص تیرے گھر میں پناہ لیگا اُسکو امن دیا جائیگا۔

اب آنحضرتؐ مکّہ پر بڑے اہتمام کے ساتھ متوجہ ہوئے اور حکم کر دیا گیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لیگا اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے چپ چاپ بیٹھا رہے گا یا ہتھیار ڈال دیگا۔ یا حرم کعبہ میں پناہ لیگا اُسکو امن دیا جائیگا۔ مگر چند مرد اور چند عورتیں جو نہایت مفسد اور واجب القتل تھے مستثنیٰ کئے گئے۔ اور فوج کے سرداروں کو مکّہ پر بڑھنے کا حکم ہوا۔ عکرمہ بن ابوجہل اور صفوان بن اُمیہ نے خالد بن ولید کے کام کا خفیف سا مقابلہ کیا اور چند مسلمان شہید ہو گئے مگر قریش کے بہتر آدمی مارے گئے اور وہ بھاگ نکلے۔ باقی کسی نے مقابلہ نہیں کیا اور آنحضرتؐ بلا مزاحمت لشکر ہی شہر مکّہ میں داخل ہوئے۔ اور اس طرح پر وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو حضرت اشعیاہ نبی نے وحی کی رو سے فرمائی تھی کہ

"وہ شخص خدا کی سچی پرستش از سر نو قائم کرینگے - اور اُن میں سے ایک
کو گدھے کا سوار اور دوسرے کو اونٹ کا سوار بتایا تھا" [کتاب اشعیاہ
باب ۲۱ آیت ۷] جسکا پہلا حصّہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے جو
گدھے پر سوار ہوکر یوسروشلیم (بیت المقدس) داخل ہوئے تھے
پورا ہو چکا تھا - کیونکہ بلاشبہ یہودیوں نے جو مکاری اور دغابازی
سے شریعت کے صرف ظاہری احکام کی پابندی اختیار کی تھی اور
دلی نیکی اور روحانی پاکیزگی کو بالکل چھوڑ دیا تھا آپ نے اسکو بتایا اور خدا کی
سچی پرستش قائم کی - مگر دوسرا حصّہ پورا ہونا باقی تھا جو اب پورا ہوا - کہ
آنحضرتؐ اونٹ پر سوار ہوکر داخل مکّہ ہوئے اور شرک و بُت پرستی کی
جگہ خدائے واحد کی پرستش قائم کی اور حضرت عیسیٰ کے بعد جو لوگوں
نے اُنکو خدا کا بیٹا مانا اور تین خدا قائم کرکے پھر تین سے ایک خدا بنایا تھا
اور خدائے واحد کی پرستش میں خلل آگیا تھا اُسکو مٹایا اور پھر سے خُدا کی
سچی پرستش قائم کی - اور یوں فرمایا "یَا اَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ
سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ" آنحضرتؐ نے سرسواری
کعبہ کا طواف کیا - اور پھر جسطرح آپ کے جدامجد اِبْرَاھِیْمُ خَلِیْلُ اللّٰہ
نے اپنی قوم کے بتوں کو توڑا تھا اُسیطرح قُریش کے بُتوں کو جو حرم کعبہ میں
جابجا نصب تھے توڑنا شروع کیا - چنانچہ "جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ
اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا" فرماتے جاتے تھے اور توڑتے جاتے
تھے - اَب چند بُت کعبہ کی دیواروں پر باقی رہگئے تھے جہاں ہاتھ نہیں

پہنچ سکتا تھا۔ پس جناب علیؑ مرتضےٰ نے عرض کیا کہ میرے کاندھے پر پاے مبارک رکھکر انکو بھی توڑ ڈالئے۔ مگر آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ تم میرے کاندھے پر چڑھکر انکو توڑو جس سے ظاہرا مقصود یہ تھا کہ جناب موصوف کا خلیفہ اور وزیر اور شریک فی الامر ہونا ہر کسیکو معلوم ہو جاے پس وہ صاحب ولایت کبریٰ جو محمدؐ رسول اللہ کے ساتھ وہی نسبت رکھتا تھا جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت ہارونؑ کو تھی[1] اُس قبلۂ انام کے دوش مبارک پر پانو رکھکر کعبہ پر چڑھ گیا۔ اور بتوں کو زمین پر ٹپک کر اُس مشکل خدمت کو پورا کیا۔ جسکی بجا آوری کا وعدہ کوہ صفا کی دعوت کے موقع پر کیا تھا [دیکھو صفحہ ۴۶] کعبہ کے اندر جو فرشتوں اور پیغمبروں کی تصویریں تھیں اُنکے مٹا ڈالنے کا حکم حضرت فاروق کو ہوا۔ اور اُنہوں نے انکو مٹا ڈالا۔ مگر حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی تصویروں کے مٹانے میں اُنکو تامل ہوا اور نہ مٹایا جنکو سلامت دیکھکر آنحضرتؐ نے خود مٹایا

[1] بخاری اور مسلم نے باتفاق سعد بن ابی وقاص کی سند پر روایت کی ہے کہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو فرمایا کہ "اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ"۔ یعنی تمکو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ یعنی نبوت کے سوا تمام کمالات روحانی جیسے مجھکو حاصل ہیں ویسے ہی تمکو بھی حاصل ہیں۔ اور جسطرح ہارون موسیٰ کے ساتھ خدا کے حکم کی بجاآوری میں شریک تھے ویسے ہی تم میرے ساتھ شریک ہو وکفیٰ بذالک فضلاً۔ مؤلف عفی عنہ

اَب مکّہ اور اہل مکہ سب آنحضرتؐ کا مال تھا اور جو جو ظلم و ستم اُنہوں نے آنحضرتؐ اور صحابہ پر کئے تھے وہ ہر کسی کو معلوم تھے پس آپ چاہتے تو سب کو غلام لونڈی بنا لیتے - اور جسکو جو سزا چاہتے دیتے - مگر اللہ کے رحم و کرم کہ آپ نے اُن سب باتوں کو بُھلا دیا اور اہل مکّہ سے وہی برتاؤ کیا جو یُوسُف عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا اور اُنکو مخاطب کر کے فرمایا کہ "لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ" یعنی - آج میں نے اپنے قصور تمکو معاف کئے خدا جو سب سے زیادہ رحم والا ہے وہ بھی معاف کرے - اور پھر فرمایا "اِذْھَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ" یعنی جاؤ تم سبکو میں نے آزاد کیا - اور اشتہاریوں میں صرف چار آدمی قصاصاً قتل کئے گئے باقی وہ بھی معاف کر دیے گئے جسطرح قدیم زمانہ کے یونانیوں کو یہ خیال تھا کہ اُنکا بڑا معبد جو شہر (ڈلفی) میں تھا اُسکو کوئی فتح نہیں کر سکتا اُسی طرح مُشرکین مکّہ کو بھی (بلا تشبیہ) کعبہ کی نسبت ایسا ہی یقین تھا کہ وہ کبھی کسی سے فتح ہونے والا نہیں - اور اَبرَھَہ وغیرہ بادشاہوں کی ناکامیابی سے اُنکا یہ خیال مستحکم ہو گیا تھا اور وہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت بھی ایسا ہی گمان رکھتے تھے - لیکن اَب جو اُنکے خلاف توقع مکّہ فتح ہو گیا اور اُنکا بڑا بت ھُبَل جسکو اُحُد کی لڑائی میں مدد کے لئے ساتھ لے گئے تھے اور اَور بڑے بڑے بُت مٹّی میں مل گئے - تو اُنکو معلوم ہو گیا کہ بادشاہی اَور چیز ہے اور پیغمبری اور چیز - اور خدا کے دست قدرت کے

سامنے بُت کوئی چیز نہیں ہیں - اور وہ جوق جوق آنحضرتؐ کی خدمت
میں حاضر ہونے اور بطوع خاطر مُسلمان ہونے شروع ہوئے - اور آپ
نے اُن سے اِس اقرار پر بیعت لینی شروع کی کہ "خدا کے ساتھ کسیکو شریک
نکرینگے - نہ اُسکی ذات میں نہ صفات میں نہ استحقاق عبادت واستغانت
میں - اور چوری نکرینگے - حرامکاری کے مرتکب نہونگے - خونِ ناحق نکرینگے
بیٹیوں کو نہ ماریںگے - اور نہ کسی پر بُہتان لگائینگے - اور تمام امور حق میں آپکی
اطاعت وفرماں برداری کرینگے" - اور عورتوں سے بھی اِسی مضمون پر بیعت
لی - مگر اتنا زیادہ کیا کہ کسی کے سُوگ میں مونہہ نہ نوچینگی - اور نہ تباہیوں سے
پیٹینگی - اور نہ سر کے بال کھسوٹینگی - اور نہ گریبان چاک کرینگی - اور نہ سیاہ
کپڑے پہنینگی - اور نہ چلّا کر روئینگی - اور نہ قبر پر سوگواری میں بیٹھینگی" اور
اِس طرح پر خدا کا وعدۂ نصرت پورا ہوا جو خدا نے فرمایا " اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ
وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا " یعنی جب خدا کا وعدۂ نصرت پورا یعنی مکّہ
فتح ہوجائے اور تو لوگوں کو دین خدا میں فوج فوج داخل ہوتا دیکھے تو اپنے
پروردگار کی حمد بجا لا اور اُس سے طلب آمرزش کر [گنہگاروں کے لئے] کیونکہ
بیشک خدا معاف کردینے والا ہے "

اللہ اکبر وہ بھی کیا سماں ہوگا کہ جب آنحضرتؐ کے ارشاد سے
بلالؓ بن رباح نے اُسی کعبہ پر چڑھکر کہ جسمیں لات ومنات اور
عزّیٰ وہُبل کی مدح وثنا کے راتدن غلغلے ہوتے تھے بآواز بلند کہا کہ

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ - اَللّٰہُ اَکْبَرُ - اَللّٰہُ اَکْبَرُ - اَللّٰہُ اَکْبَرُ - اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ - اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ - اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ - اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" اور تمام کوہ ودشت خدا کے نام پاک کی عظمت وجلالت سے بھر گیا - اور اُس رسُول جلیل - افتخار آل خلیل کی رسالت حقہ کی منادی کی صدا ہر ایک مُسلم و مُشرک کے کان تک پہنچ گئی - اور توحید کا ڈنکا چار کھونٹ میں بج گیا -

اَب ہم ناظرین کو اُن آیات بَیِّنات کے مضمون کی طرف متوجہ کرتے ہیں جنکو آغاز رسالت مقدسہ کے ذکر میں لکھ آئے ہیں اور مزید سہولیت کے لئے یہاں پھر لکھتے ہیں - اور وہ یہ ہیں -

"یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ - وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ - وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ - وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ" اور پوچھتے ہیں کہ بحر رسالت کے اُس دُرِّ یتیم نے جسکو مشرکین مکّہ حقارت سے "یَتِیْمُ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ" کہا کرتے تھے - اُن ساتوں حکموں کو جو اِن آیات میں ہیں علی وجہ الکمال پورا کیا؟ یا نہیں؟ اور یہ کہ دنیا میں ایسا کون شخص گزرا ہے؟ کہ جسنے ایسا اور اسطرح پر قیام[1] بامر اللہ کیا ہو؟ اور عذاب آخرت سے ایسے[2] طور پر لوگوں کو ڈرایا ہو؟ اور خدا کے نام[3] پاک کو ایسا بلند کیا ہو؟ اور خلایق کے تزکیۂ نفس[4] اور طہارت باطنی وظاہری میں ایسے اعلیٰ درجہ کی کوشش کی ہو؟ اور شرک کے گندے نالے کی جگہ توحید[5] کا دریا سے طہور بہایا ہو؟ اور اس[6] احسان عظیم کے عوض میں اپنے لئے

کسی چیز کا بھی نواہشمند نہوا ہو؟ اور بے انتہا تکلیفوں اور مصیبتوں اور ذلتوں اور حقارتوں کو محض لوجہ اللہ برداشت کیا ہو؟ یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی نسبت خدا کی طرف سے کچھ احکام تجویز کرلے۔ مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ اُن کو ایسا اور اس طرح پر پورا بھی کر دکھائے۔ یہ صرف اُسی سے ہوسکتا ہے اور بیشک اُسی سے ہوسکتا ہے کہ جسکو خود خدا تعالیٰ نے ایسے احکام فرمائے ہوں اور وعدۂ نصرت و برکت کیا ہو۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

سریّہ خالد بن ولید وغیرہ رمضان سنہ (۸) ہجری

فتح مکّہ کے بعد خالد بن ولید "عُزّیٰ" کے توڑنے کے لئے جو قبیلہ بنی کنانہ کا بُت تھا۔ اور عمرو بن العاص "سواع" کے توڑنیکے لئے جو مکّہ سے تین میل کے فاصلہ پر بنی ھُذَیل کا بُت تھا۔ اور سعد بن زید الاشہلی "منات" کے توڑنے کے لئے جو نہایت مشہور بُت قبیلہ اَوس و خزرج کا مِلَل میں تھا مقرر ہوئے اور وہ اُن کو توڑ کر چلے آئے۔

سریّہ خالد بن ولید۔ شوّال سنہ (۸) ہجری

"عُزّیٰ" کو توڑ کر واپس آنیکے بعد خالد بن ولید کو تین سو پچاس ۳۵۰ آدمیوں کے ساتھ بنی جذیمہ کی طرف اِسلام کی ہدایت کرنیکے لئے بھیجا گیا۔ مگر بنی جذیمہ پہلے سے مسلمان ہوگئے تھے اور اُنہوں نے ایک آدھ مسجد بھی نماز پڑھنے کے لئے اپنے ہاں بنالی تھی

لیکن وہ مُسلح ہو کر مقابلہ میں آئے۔ جب پوچھا گیا کہ مُسلّح ہو کر کیوں آئے ہو؟ تو اُنہوں نے کہا کہ بکر بن کی ایک قوم سے اور ہم سے دشمنی ہے۔ ہمکو خوف ہوا کہ وہی قوم ہم پر چڑھکر نہ آئی ہو۔ اُن سے کہا گیا کہ ہتھیار رکھدو۔ اُنہوں نے ہتھیار رکھدیئے۔ اُن سے ایک یہ غلطی بھی ہوئی کہ اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرنیکے لئے "اَسْلَمْنَا" کہنے کی جگہ "صَبَانَا" - صَبَانَا" کہہ اُٹھے۔ اور اگرچہ اُنکا اِس کہنے سے یہ مدعا تھا کہ ہمنے اپنا پہلا مذہب چھوڑ دیا ہے مگر مُسلمان اس لفظ کو کافر ہو جانیکے معنوں میں سمجھتے تھے۔ چنانچہ اسکا یہی مطلب سمجھا گیا۔ اور اُنکو قید کر لیا گیا۔ صبحکو خالد نے حکم دیا کہ جسکے پاس جو قیدی ہے اُسکو مار ڈالے۔ بنی سُلَیم کے پاس جو قیدی تھے اُن کو اُنہوں نے مار ڈالا۔ مگر مہاجرین و انصار نے اپنے قیدیوں کو قتل نہ کیا۔ بلکہ اُن سب کو چھوڑ دیا۔ جب آنحضرت پاس یہ خبر پہنچی تو آپ خالد کی اِس حرکت سے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ "خداوندا جو کچھ خالد نے کیا میں اُس میں بے قصور ہوں"، اور جناب مرتضوی کو حکم ہوا کہ جو لوگ مارے گئے ہیں اُنکا خون بہا اُنکے وارثوں کو جا کر دے آؤ۔ چنانچہ آپ نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ اِس حکم کی تعمیل کی۔ جس سے وہ سب لوگ خوش اور شکر گزار ہوئے۔

غزوۂ حُنین جسکو غزوۂ اَوطاس اور غزوۂ ہوازن بھی کہتے ہیں۔ شوّال سنہ (۸) ہجری

حُنَین اور اوطاس دو مقاموں کے نام ہیں۔ جو مکّہ اور طائف

کے بیچ میں ہیں اور ہوازن ایک قوم تھی جس سے اِن مقاموں پر لڑائی ہوئی۔

بعض قبائل صحرائی جنمیں بنی ہوازن اور بنی ثقیف اور بنی مُضَر اور بنی جُشَم اور کچھ لوگ بنی ہلال کے اور بہت سے لوگ مختلف قبیلوں کے ایک تعداد کثیر میں جمع ہوئے اور اُنہوں نے بسرداری مالک بن عوف مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا۔ جسکی خبر پاکر آنحضرتؐ نے بھی لڑائی کی تیاری کی۔ اور بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ کوچ فرمایا۔ جنمیں دو ہزار مکّہ کے نومُسلم تھے۔ مالک بن عوف بمقام حُنَین پہنچ گیا۔ یہ ایک ایسی دشوار گزار جگہ تھی کہ فوج کا انتظام کے ساتھ گزرنا محال تھا۔ پس فوج اسلام نے جو بلا ترتیب جنگ اور بغیر کسی خیال کے منہ اندھیرے گزرنا شروع کیا۔ تو دشمن جو کمیں گاہوں میں بیٹھے ہوئے تھے یکایک ٹوٹ پڑے اور تیروں کی بوچھار کردی۔ جس سے مسلمانوں میں نہایت ابتری پڑگئی اور بھاگ نکلے۔ یہانتک کہ آنحضرتؐ کے پاس بھی بہت ہی تھوڑے آدمی رہگئے۔ جب یہ حال دیکھا تو آنحضرتؐ ایک اونچی جگہہ جاکر کھڑے ہوئے۔ اور حضرت عبّاس نے جنکی نہایت اونچی آواز تھی لوگوں کو ڈانٹا کہ کہاں بھاگے جاتے ہو۔ غرضکہ سب لوگ نہایت عجلت کے ساتھ پھر پڑے اور اکھٹے ہوگئے اور نہایت سخت لڑائی کے بعد دشمنوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ نکلے۔ اِسکے بعد آنحضرتؐ نے ابُوعامر اشعری کو اُن لوگوں کے تعاقب میں

بھیجا جو اوطاس کی جانب بھاگے تھے اُن سے بھی کچھ لڑائی ہوئی اور ابُو عَامر ایک تیر کے زخم سے مر گئے - اور مالک بن عوف نے ثقیف کے ایک قلعہ میں جا کر پناہ لی - اور بہت سے قیدی اور مال واسباب مسلمانوں کے ہاتھ آیا - قیدیوں کی تعداد چھ ہزار لکھی ہے اور اونٹوں اور بکریوں کی تعداد تو بہت ہی زیادہ بیان کی گئی ہے -

کئی دن بعد ھوازن کے لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور التجا کی کہ قیدی احساناً چھوڑ دیئے جائیں - یہ بات کسیقدر مشکل تھی - کیونکہ تمام لڑنے والوں کا جیسا حق غنیمت کے مال میں حصّہ لینے کا تھا ویسا ہی اُن قیدیوں کے معاوضہ میں فدیہ لینے کا بھی تھا - اور وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ عوضانہ نہ دیسکتے ہوں - مگر آنحضرتؐ کا رحم جبلّی اسکا مقتضی ہوا کہ وہ بغیر عوضانہ لینے کے چھوڑ دیئے جائیں - اسلئے اُنکو یہ تدبیر سوجھائی کہ کل نماز کے وقت آؤ [جس سے غالباً یہ مقصود تھا کہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہونگے] اور جب نماز ہو چکے تو قیدیوں کے چھوٹنے کی درخواست کرو - اُنہوں نے ایسا ہی کیا - آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو کچھ میرا اور بنی عبد المطلب کا حصّہ ہے میں نے تمکو دیا - پس مہاجرین وانصار نے بھی عرض کیا کہ ہمارے حصّہ کا بھی اختیار رسول اللہ کو ہے - بعض لوگوں نے انکار کیا - مگر آخر کو سب راضی ہو گئے - اور تمام قیدی بغیر معاوضہ لینے کے احساناً چھوڑ دیئے گئے -

غزوۂ طائف - شوّال سنہ (۸) ہجری

حنین سے واپس آکر آنحضرتؐ نے طائف کی طرف کوچ فرمایا

کیونکہ بنی ثقیف نے طائف کے قلعوں میں جاکر پناہ لی تھی۔ اور لڑائی کا سامان کیا تھا۔ ایک مہینے تک یا کچھ زیادہ محاصرہ رہا۔ اور ابھی فتح نہیں ہوئی تھی کہ ذیقعد کے مہینے کا چاند دکھائی دیا۔ اور آنحضرتؐ محاصرہ اُٹھاکر عمرہ ادا کرنیکے لئے مکہ میں آگئے۔ اور اُس سے فارغ ہوکر مدینہ کو تشریف لیگئے۔ محاصرہ کے دنوں میں طائف کے اطراف وجوانب کے بُتوں کو جناب علیؑ مرتضےٰ نے جاکر توڑ ڈالا اور طفیل بن عمرو الدوسی نے ذوالکفین نام لکڑی کا ایک بُت توڑ ڈالا اور جلادیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اہل طائف نے چھ شخصوں کو آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا۔ اور چار باتوں پر صلح چاہیئے۔

ایک یہ۔ کہ "لات" جو اُنکا بُت ہے وہ تین برس تک نہ توڑا جائے۔ جب یہ نامنظور ہوا۔ تو ایک برس کی درخواست کی۔ اور جب اسکو بھی آپؐ نے منظور نہ فرمایا تو اُنہوں نے چاہا کہ ایک مہینے تک جب سے کہ وہ واپس جائیں نہ توڑا جائے۔ آپ نے اسکو بھی نامنظور فرمایا۔

دُوسری یہ۔ کہ اُنکے لئے نماز معاف کردی جائے۔ آپؐ نے فرمایا جس دین میں نماز نہیں ہے اُسمیں کچھ بھلائی نہیں ہے۔

تیسری یہ۔ کہ وہ اپنے بت اپنے ہاتھوں سے نہ توڑیں۔

چوتھی یہ۔ کہ جو عامل محصول وصول کرنیکے لئے مقرر ہو اُس کے سامنے وہ نہ بلائے جائیں اور نہ اُنکی زمینوں کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے۔ اور نہ کوئی جرمانہ لیا جائے۔ اخیر کی اِن دو شرطوں کو آپؐ نے

منظور فرمایا اور صلح ہوگئی - اور ابو سفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو "لات" کے توڑنیکے لئے بھیجا گیا - اور مغیرہ نے اپنے ہاتھ سے اسکو توڑ دیا - یہ کسقدر ہنسی کی بات ہے کہ جب وہ توڑا جاتا تھا تو بنی ثقیف کی عورتیں اُسکے گرد جمع ہوگئی تھیں اور اُسکی موت پر گریہ وزاری کرتی تھیں -

سریہ عُیَینہ بن حِصن الفزاری - محرم (۸) سنہ ہجری

اِس سریہ میں پچاس سوار تھے - اور بنی تمیم پر جنہوں نے ابھی تک اطاعت نہیں قبول کی تھی بھیجا گیا تھا - وہ لوگ جنگل میں اپنے مویشی کو چرا رہے تھے کہ دفعۃً عُیَینہ اُنپر جا پڑے - وہ لوگ بھاگ گئے اور گیارہ مرد اور اکیس ۲۱ عورتیں اور تیس ۳۰ بچے گرفتار ہوئے - اُنکو مدینہ میں لے آئے اِسکے بعد بنی تمیم کے چند سردار ملکر مدینہ میں آئے اور اطاعت قبول کی - اور آنحضرتؐ نے تمام قیدیوں کو بلا کسی معاوضہ کے اُنکو دیدیا -

سریہ قُطبہ بن عامر - صفر (۸) سنہ ہجری

یہ سریہ قبیلہ خثعم پر بھیجا گیا تھا - مورخین لکھتے ہیں کہ اِس سریہ کو حکم تھا کہ بنی خثعم کو لوٹ لیں مگر کسی نے نہیں لکھا کہ ایسا حکم دینے کی کیا وجہ تھی - وہ قبیلہ کچھ مالدار نہ تھا - نہ اُسکے پاس بہت سا اسباب یا مویشی تھے کہ کوئی بدظنی سے کہہ سکے کہ مال اور لوٹ کے لالچ سے ایسا حکم دیا تھا بہرحال اگر درحقیقت ایسا حکم دیا تھا تو ضرور اسکے لئے کوئی جائز سبب ہوگا -

اِس سریہ میں کل بیس ۲۰ آدمی بھیجے گئے تھے - اور جو واقعہ گزرا اُسکا بیان بھی مختلف ہے - زاد المعاد میں لکھا ہے کہ قبیلہ خثعم کے گانو کا

ایک آدمی ملا۔ اُس سے کچھ حال پوچھا وہ غالباً اس غرض سے چلایا کہ گانو والوں کو خبر ہوجاے۔ اُسکو لوگوں نے مار ڈالا۔ مگر مواہب لدنیہ میں اُسکے قتل ہونیکا کچھ ذکر نہیں۔ پھر زاد المعاد میں لکھا ہے کہ رات کو سوتے میں گانوں پر حملہ کیا مگر مواہب لدنیہ میں رات کو حملہ ہونا بیان نہیں ہوا بہرحال یہ لوگ اُس گانوں پر جا پڑے۔ گانوں والے خوب لڑے اور طرفین کے آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ اور کچھ بھیڑ بکریاں اور کچھ عورتیں جو گرفتار ہوئی تھیں اُنکو مدینہ میں لے آئے۔ کسی نے نہیں لکھا کہ اُن عورتوں کی نسبت کیا ہوا۔ اور اُسکا ذکر نہ ہونا ظاہر اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ چھوڑ دی گئیں۔ کیونکہ اگر وہ بطور لونڈیوں کے تقسیم کیجاتیں تو اُسکا ذکر ضرور ہوتا۔

سریہ ضحاک بن سفیان الکلابی۔ ربیع الاول ۹ھ ہجری

یہ سریہ بنو کلاب پر بھیجا گیا تھا۔ اول اُنکو مسلمان ہوجانے کے لئے سمجھایا گیا۔ مگر انہوں نے نہ مانا۔ لڑے اور شکست کھاکر بھاگ گئے۔

سریہ عبداللہ بن حذافہ۔ یا علقمہ بن المجزز المدلجی ربیع الاول ۹ھ ہجری

اِس بات میں اختلاف ہے کہ اس سریہ کے سردار عبداللہ تھے یا علقمہ۔ تین سو آدمی اسمین تھے۔ یہ قوم حبشہ کی طرف بھیجا گیا تھا جنکے بغرض فساد جمع ہونے کی خبر پہنچی تھی۔ یہ لوگ سمندر کی طرف حوالی جدہ میں جمع تھے۔ جب مسلمان ایک جزیرہ میں جاکر اُترے تو وہ لوگ بھاگ گئے اور یہ بغیر کسی سے لڑے واپس چلے آئے۔

سریہ بنی طے سنہ (۹) ہجری

قبیلہ بنی طے کا سردار مشہور و معروف حاتم کا بیٹا عدی تھا اور وہ اس قبیلہ میں بطور بادشاہ کے سمجھا جاتا تھا اور سب سے زیادہ آنحضرت کو ناپسند کرتا تھا اور کسی قسم کی اطاعت بھی نہیں کی تھی۔ پس آپ نے جناب علی مرتضیٰ کو متعین کیا کہ اس قبیلہ میں جائیں اور اُنکے بوجنے کا بُت جس کا نام فلس تھا توڑ دیں۔ یہہ بت حاتم کے محلہ میں تھا۔ مسلمان یکایک وہاں پہنچے۔ عدی بھاگ گیا۔ اور مسلمانوں نے اس محلہ کو گھیر کر لوٹ لیا اور فلس کو توڑ ڈالا۔ اور کچھ قیدی پکڑ لئے اور واپس چلے آئے۔ قیدیوں میں حاتم کی بیٹی بھی تھی۔ جب آنحضرت اُس طرف سے گزرے تو اُسنے اپنا حال عرض کیا۔ آپنے کہا کہ عدی تیرا بھائی ہے جو بھاگ گیا ہے؟ اور کچھ جواب نہیں دیا۔ دوسرے دن پھر اُسنے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اسبات کا منتظر ہوں کہ کوئی شخص تیری قوم کا ملے تو اُسکے ساتھ آرام سے تجکو تیرے گھر بھیجدوں۔ عدی عیسائی تھا اور شام کی طرف بھاگ گیا تھا۔ انہیں دنوں میں ایک قافلہ شام کو جاتا تھا۔ حاتم کی بیٹی نے درخواست کی کہ اُسکو اُس قافلہ کے ساتھ شام میں اُسکے بھائی کے پاس بھیجدیا جاوے۔ پس آنحضرتؐ نے اُسکو زاد راہ اور کپڑے عطا فرماے اور روانہ کردیا۔ اِسکے چند روز بعد عدی حاضر ہوا اور مسلمان ہوگیا۔ اِس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ قبیلہ "طے" کے جس قدر قیدی تھے وہ بھی سب چھوڑ دیئے گئے۔

غزوہ تبوک - رجب ۹ سنہ ہجری

یہ ایک قصبہ ہے شام اور وادی القری کے درمیان -
آنحضرتؐ کو یہ خبر ملی تھی کہ رومیوں نے شام میں بہت کثرت سے لوگ
جمع کئے ہیں - اور ھرقل نے ایک برس کے خرچ کے لایق رسد
انکو دیدی ہے اور بنی لخم اور بنی جذام اور بنی عاملہ اور بنی
غسان کے لوگ جو عیسائی تھے سب اُن کے ساتھ شریک ہو گئے
ہیں - رومیوں سے مراد ھرقل کا لشکر ہے جو قسطنطنیہ کا شہنشاہ
تھا - اور شام اُسی کے تحت حکومت میں تھا اور اسی زمانہ کے قریب
اُسنے ایرانیوں پر بھی فتح پائی تھی - سخت گرمی کا موسم تھا اور قحط سے لوگ
نہایت مفلس اور تنگ تھے - اسلئے مسلمانوں کا لشکر تیار کرنے میں نہایت
دقت پیش آئی - مگر جس طرح سے ہو سکا لڑائی کا سامان کیا گیا اور مدینہ
سے روانہ ہوے - مگر جب تبوک میں پہنچے تو جسقدر مجمع کے ہونے
کی خبر سُنی تھی وہ صحیح نہ تھی - بہرحال آپ نے تبوک میں قیام فرمایا -
یوحنا بن رویہ رئیس شہر ایلتہ جو عیسائی تھا اور اذرح اور جربا
اور مقنا کے لوگ وقتاً فوقتاً آئے اور جزیہ دینے پر راضی ہوئے اور
اُنکو عہدنامہ لکھدیا گیا - جسکا مضمون یہ تھا کہ "ایلتہ والوں کو خدا اور
رسولِ خدا نے پناہ دی ہے - اُنکی کشتیوں کو - اُنکے مسافروں کو خشکی اور
تری میں اُنکے لئے اللہ اور رسول کی ذمہ داری ہے اور جو لوگ اہل شام
و اہل یمن اور اہل بحرین اُنکے ساتھ ہوں وہ بھی امن میں رہیں

اور اگر اُن سے کوئی نئی بات پیدا ہوگی (یعنی دشمنی وعداوت کی) تو اُن کا مال (یعنی جزیہ دینا) اُنکو بچا نہیں سکے گا۔ اور ہر ایک شخص کو اُن کا پکڑ لینا جائز ہوگا اور (اس حالت کے سوا) کسی کو جائز نہیں ہے کہ جہاں وہ جانا چاہیں اور جس رستہ سے جانا چاہیں تری کے یا خشکی کے اُنکو منع کرے" غالباً اسی قسم کے یا اسکی مانند باقی لوگوں کو بھی جنہوں نے جزیہ دینا قبول کیا تھا فرمان لکھ دیئے ہونگے۔

اُکَیْدِر بن عَبْد الْمَلِک کِنْدِی رئیس دَومۃ الْجَنْدَل جو اُس نواح کا بادشاہ سمجھا جاتا تھا اور عیسائی تھا حاضر نہیں ہوا۔ اُسکے پاس خَالِد بن وَلِید کو بھیجا گیا۔ وہ اور اُسکا بھائی حَسَّان گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے محل سے نکلے اور اُسکے ساتھ اُسکے سوار بھی تھے۔ مقابلہ ہوا حَسَّان مارا گیا اور اُکَیْدِر گرفتار ہو گیا۔ جب اُسکو آنحضرتؐ پاس لائے تو اُسنے بھی جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ اور اُسکو چھوڑ دیا گیا۔ اور آنحضرتؐ مَدِیْنہ کو واپس تشریف لے آئے

تبوک میں قیام کے دنوں میں آنحضرت نے خط دیکر ایک ایلچی کو ھرقل کے پاس بھیجا جسکی نسبت گبن نے یہ فقرہ لکھا ہے کہ "جب ھرقل جنگ فارس سے تُزک اور شان کے ساتھ لوٹا تو اُسنے مقام حِمص میں محمدؐ کے ایلچیوں میں سے ایک کی ضیافت کی جو دنیا کے بادشاہوں اور قوموں کو دین اسلام کی طرف بلاتے پھرتے تھے جسکی بنا پر عرب والوں نے تعصب سے یہ خیال کیا کہ اس عیسائی بادشاہ نے خفیہ اسلام قبول کر لیا۔ اُدھر یونانی یہ شیخی بگھارتے ہیں کہ ھرقل سے خود بادشاہ مَدِیْنہ نے

آکر ملاقات کی اور روم کے بادشاہ ھرقل نے فیاضی سے صوبۂ شام میں ایک عمدہ مقام اُسکو عطا کیا" گبن نے یہہ مضمون رومیوں کی نسبت بطور طعن کے لکھا ہے۔ اور ہر مورخ سمجھ سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کا ھرقل کے پاس تشریف لیجانا اور اُسکا کسی زمین کا دینا محض غلط ہے۔ مگر ایشیا کے مورخوں اور رومی مورخوں کے بیان سے آنحضرتؐ کے ایلچی کا ھرقل سے ملنا اور اُسکا ایلچی کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آنا ثابت ہے۔

اب موقع ہے کہ جزیہ کی حقیقت اور اہل ذمہ پر اُسکے عائد کئے جانیکی وجہ بیان کیجاے۔ تاکہ اُسکے مقصد کے سمجھنے میں لوگوں نے جو غلطی کی ہے۔ اور مخالفین اسلام نے اُسکی بنا پر بہت سی طعن و تشنیع کی ہے۔ اُسکی کیفیت صحیح طور پر ناظرین کو معلوم ہوجاے۔

سر سید احمد خان بہادر لکھتے ہیں کہ "جو لوگ مسلمان نہیں ہوتے تھے اور اپنے قدیم مذہب پر قایم رہتے تھے اُنپر جو جزیہ مقرر ہوتا تھا اُسکا مقصد سمجھنے میں لوگوں نے بڑی غلطی کی ہے اور جو لوگ مخالف اسلام ہیں اُنہوں نے جزیہ مقرر کرنے پر بہت سا طعن کیا ہے مسٹر لین نے اپنی کتاب "مدّ القاموس" میں لکھا ہے کہ "جزیہ قتل سے محفوظ رہنے کا معاوضہ تھا" اور یہہ اونکی نہایت غلطی ہے کیونکہ امن کا ہوجانا یعنی لڑائی کا موقوف ہونا یا صلح کا ہوجانا یا کسی قسم کا معاہدہ ہونا گو کہ اُسمیں جزیہ دینا نہ قرار پایا ہو قتل سے محفوظی کا سبب ہوتا تھا نہ کہ جزیہ دینا۔

جزیہ اُن لوگوں سے لیا جاتا تھا جو مسلمانوں کے زیرِ حکومت بطور رعیت کے رہنا قبول کر لیتے تھے۔ جو لوگ رعیت ہو کر رہتے تھے وہ ذمی کہلاتے تھے۔ یعنی مسلمانوں کی حکومت میں اُنکے امن سے رہنے کے مسلمان ذمہ وار ہیں جیسے کہ اہل ایلیہ کے نام کے فرمان میں آنحضرت نے لکھایا تھا کہ "لَهُمْ ذِمَّةُ اللهِ وَمُحَمَّدٍ النَّبِيِّ" پس جزیہ قتل سے محفوظ رہنے کا معاوضہ نہیں ہے۔ جزیہ دینے والے مسلمانوں کے ساتھ ہو کر لڑائی کو جانے سے بالکل بری تھے۔ لڑائی کی ضرورت سے جو خاص جہاز یعنی نقد و جنس مسلمانوں سے مانگا جاتا تھا اور دیا جاتا تھا اُس سے وہ بری تھے۔ مسلمانوں سے نہایت سخت سالانہ ٹیکس (زکات) یعنی چالیسواں حصہ مال کا لے لیا جاتا تھا اُس سے وہ لوگ بری تھے۔ اِن سب امور کی عوض ایک نہایت خفیف سالانہ ٹیکس جو فی کس تین ۳ روپیے کئی آنے سال ہوتا ہے اُنسے لیا جاتا تھا پس اُس تخفیف و رعایت کی جو ذمیوں کے ساتھ کی گئی تھی حد نہیں۔ فرض کرو کہ ایک ذِمّی کے پاس چالیس ہزار روپیہ نقد موجود ہے اور اُسکو اور قسم کی آمدنیاں تجارت وغیرہ سے بھی ہیں۔ اور ایک مُسلمان پاس بھی چالیس ہزار روپیہ نقد موجود ہے۔ اور اُسکے پاس اور کوئی آمدنی تجارت وغیرہ سے نہیں ہے سال بھر کے بعد اُس ذِمّی کو تو صرف تین روپیے کئی آنے اور اگر اوسکی جورو یا اور کنبہ ہے جسکی پرورش اوسکے ذمہ ہے تو ہر ایک کی طرف سے بھی اُسیقدر دینا ہوگا جسکی مقدار ایک عام طریقہ پر تیس چالیس روپئے سے

زیادہ نہیں ہوسکتی۔ مگر مُسلمان کو بلا عذر اپنے صندوقِ خزانہ میں سے ایکہزار روپیہ نقد نکالکر دینا ہوگا۔ جزیہ مُسلمان ہونے پر کسی طرح رغبت نہیں دلاسکتا بلکہ جس کسیکو ایمان سے مال کی محبت زیادہ ہو تو اُسکو مسلمان ہونیسے باز رہنے پر رغبت دلاسکتا ہے۔ باایں ہمہ جو ذمّی غریب و مسکین تھے وہ جزیہ سے بھی معاف کردیئے جاتے تھے۔ جو خیال کہ مخالفین اسلام نے جزیہ کی نسبت کیا ہے اُسکے غلط ہونے کی شہادت ایک اور حال کے زمانہ کے بڑے عیسائی عالم کی کتاب سے ثابت ہوتی ہے۔ وہ عیسائی عالم "معلم بطرس البستانی" ہے اور اُسکی کتاب کا نام "مُحیط المحیط" ہے جو عربی زبان کے لغت میں اُسنے لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "اَلْجِزْیَۃُ خَرَاجُ الْاَرْضِ وَمَا یُؤْخَذُ مِنْ اَھْلِ الذِّمَّۃِ قِیْلَ لِاَنَّھَا تَجْزِیْ عَنْھُمْ اَیْ تُکَافِیْھِمْ مُعَامَلَۃَ الْحَرْبِیِّیْنَ۔ وَقِیْلَ لِاَنَّھَا مَؤُنَۃُ الْجِھَادِ کَالْمُسْلِمِیْنَ" یعنی جزیہ زمین کے خراج اور اُس مال کو کہتے ہیں جو ذمّیوں سے لیا جاتا ہے اور اُسکا نام جزیہ رکھنے کی وجہ بعض نے یہہ بیان کی ہے کہ وہ اُس برتاؤ سے اُنکو بچاتا ہے جو مخالف مذہب دشمنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور بعضوں نے یہہ بیان کی ہے کہ لڑائی میں مسلمانوں کو جو جان و مال کی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے اُس سے اُسکو بچاتا ہے" (انتہی قولہ سلمہ)

یہانتک لکھا جاچکا تھا کہ اسی بحث کے متعلق ہمارے فاضل دوست مولوی محمد شبلی نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ کا لکھا ہوا ایک

نہایت عمدہ اور محققانہ آرٹیکل نظر سے گزرا۔ جسکو ہم اُنکی اجازت سے بلفظہ یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "غیر مذہب والوں نے ہمیشہ اس لفظ کو نہایت ناگواری سے سُنا ہے۔ اُنکا خیال ہے کہ اسلام اس لفظ کا موجد ہے۔ اسلام ہی نے یہ اصول پیدا کیا۔ جس سے اُسکا مقصد مسلمانوں اور غیر مذہب والوں میں ایک نہایت متعصبانہ اور نامناسب تفرقہ قایم کرنا تھا۔ انکا یہ بھی خیال ہے کہ جزیہ ایک ایسا جبر تھا جس سے بچنے کے لئے اسلام کا قبول کر لینا بھی گوارا کیا جاتا تھا اور اسوجہ سے وہ جبراً مسلمان کرنیکا ایک قوی ذریعہ تھا۔ لیکن یہ تمام غلط خیالات اُنہیں غلط فہمیوں سے پیدا ہوئے ہیں جو غیر قوموں کو اسلام کی نسبت ہیں۔ ہم اس موقع پر تین حیثیتوں سے جزیہ پر بحث کرنی چاہتے ہیں۔

(۱) جزیہ اصل میں کس زبان کا لفظ ہے۔ اور کن معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

(۲) ایران اور عرب میں جزیہ کی بنیاد کب سے قایم ہوئی۔

(۳) اسلام نے اسکو کس مقصد سے اختیار کیا۔ لیکن ہم جو کچھ لکھینگے تاریخی حیثیت سے لکھینگے۔

پہلی بحث

جزیہ۔ گو اب یہ مصطلح معنی میں خاص ہو گیا ہے۔ لیکن لغت کی رو سے وہ خراج اور جزیہ کے لئے یکساں موضوع ہے۔ قاموس میں ہے "اَلْجِزْیَۃُ خَرَاجُ الْاَرْضِ وَمَا یُؤْخَذُ مِنَ الذِّمِّیِّ" جوہری و صاحب قاموس نے اس لفظ کے اصل و اشتقاق سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ لیکن صاحب

نے اپنی کتاب مد القاموس میں جو نہایت جامعیت اور تحقیق سے
لکھی گئی ہے اُسکی نسبت دو احتمال قرار دیئے ہیں (۱) جزئے سے
مشتق ہے (۲) گزیہ کا معرب - بطرح صاحب نے بھی کتاب
مُحیط المحیط" میں یہہ دوسرا قول نقل کیا ہے - لیکن اِسکو
مستند نہیں سمجھتے - فارسی لغت نویسوں نے گزیت کے لُغت میں
تصریح کی ہے کہ جزیہ اسیکا معرب ہے - بُرھان قاطع میں ہے
"گزیت بفتح اول و کسر ثانی زرے باشد کہ حکام ہر سالہ از رعایا گیرند و
آنرا خراج ہم گویند و زرے را نیز گویند کہ از کفار ذمی ستانند چنانکہ نظامی
گفتہ است ؎ گشش خاقاں خراجِ چین فرستد - گشش قیصر گزیت دین فرستد
و آنچہ شہرت دارد بکسر اول و فتح ثالث است و معرب آن جزیہ باشد"
فرہنگ جہانگیری کے مصنف نے دوسرے معنی کی سند میں
حکیم سوزنی کا یہہ شعر نقل کیا ہے - ؎ کتابِ خویش بخواہم ۵ل درو
عمل نکنم ۵ کہ تا گزیت ستانند ناخور اہل کتاب - اور یہہ بھی لکھا ہے
کہ جزیہ اِسیکا مُعرّب ہے - ہمکو اسمیں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جزیہ اصل
میں فارسی کا لفظ ہے - تصریحات لغت کے علاوہ تاریخی قرینہ نہایت
قوی موجود ہے - یہہ مسلّم ہے کہ اِسلام سے پہلے عرب میں جزیہ
کا لفظ مستعمل ہو چکا تھا - یہہ بھی مسلم ہے کہ فارسی میں گزیت کا لغت اِسی
معنی میں قدیم سے شایع ہے - تاریخی شہادتوں سے (جیسا کہ ہم آیندہ
بیان کرینگے) یہہ بھی ثابت ہے کہ نوشیروان نے جزیہ کے قواعد

ل نخوانیم وزد
۵ نکنیم - زباچو

مقرر کئے تھے اور اُس زمانہ میں نوشیرواں کے عمال یمن اور مضافات یمن پر منصوب تھے۔ اس طرح گزیت کا لفظ قانونی طور پر عرب میں پھیلا اور معرب ہو کر جزیہ ہو گیا۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ محکوم ملک میں جب فرماں روا زبان کے الفاظ دخل پانے لگتے ہیں تو سب سے پہلے وہ الفاظ آتے ہیں جو سلطنت کے قانونی الفاظ ہوتے ہیں۔ زبان عرب میں جسقدر فارسی الفاظ معرب ہو کر شایع ہو گئے ہیں کسی اور زبان کے نہیں ہوئے۔ اسپر طرہ یہ کہ گزیہ کا لفظ معرب ہونے کے لئے گویا پہلے ہی آمادہ تھا۔ صرف ایک حرف کے اور دو ایک حرکت کے تغیر سے وہ عربی قالب میں پورا اُتر گیا۔

دوسری بحث

جہانتک ہمکو معلوم ہے ایران و عرب میں خراج و جزیہ کے وہ قواعد جو بادنیٰ تغیر اسلام میں رائج ہیں۔ نوشیروان کے عہد میں مرتب ہوئے۔ علامہ ابن الاثیر جزری نے تاریخ الکامل کے پہلے حصہ میں ایک مضمون اس عنوان سے لکھا ہے "ذِکْرُ مَا فَعَلَہٗ کِسْرٰی فِی اَمْرِ الْخَرَاجِ وَالْجُنْدِ" جسکا خلاصہ یہ ہے کہ "نوشیروان نے زمین کی پیمایش کرائی۔ اور مختلف شرحوں کی جمع مقرر کی۔ اور تمام لوگوں پر باستثنائے اہل فوج و ردوسار و ارکان دولت جزیہ مقرر کیا۔

* علامہ ابن الاثیر نے اس موقع پر جزیہ ہی کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ کوئی ایسی اصطلاح نہیں ہے جو مسلمانوں اور ذمیوں کے ساتھ مخصوص ہو۔ نوشیروان اور اوسکی ایرانی رعایا کا ایک مذہب تھا۔ تاہم جو جزیہ اوس نے لگایا گیا مسلمان اسکو جزیہ ہی کہتے تھے۔

جسکی تعداد بارہ ۱۲ درہم۔ آٹھ ۸ درہم۔ چھ ۶ درہم۔ چار ۴ درہم تک تھی" خراج کے ذکر کے بعد مورخ مذکور لکھتا ہے کہ "وہی الوضائع التی اقتدی بہا عمر بن الخطاب" یعنی "حضرت عمر نے انھین قاعدوں کی تقلید کی" اور جزیہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ "حضرت عمر نے بیس ۲۰ برس سے کم اور پچاس ۵۰ برس سے زیادہ عمر والے کو جزیہ سے معاف کیا جس غرض سے نوشیرواں نے جزیہ کا قاعدہ جاری کیا۔ اوسکی وجہ علامہ موصوف نے نوشیرواں کے اقوال سے یہہ نقل کی ہے کہ "اہل فوج ملک کے محافظ ہیں اور ملک کے لئے اپنی جانیں خطرہ میں ڈالتے ہیں اسلئے لوگوں کی آمدنی سے اونکے لئے ایک رقم خاص مقرر کیگئی کہ اونکی محنتونکا معاوضہ ہو" خراج وجزیہ کے متعلق جو کچھ ابن الاثیر نے لکھا اوسکی تائید فردوسی کے اشعار سے بھی ہوتی ہے۔ اگرچہ بعض امور میں دونوں کا بیان مختلف ہے ہم اُن اشعار کو اس موقع پر نقل کرتے ہین۔ ۵

ہمہ پادشاہاں شدند انجمن	زمیں را بخشید و بر زور سن
گزیتے نہادند بر یک درم	گرایدوں کہ دہقاں نبودے ذرم
گزیت ار زبار ورشش درم	بخرماستاں بر ہمی زور قسم
کسے کش درم بود و دہقاں نبود	نبودے غم و رنج کفت و درود
گزارندہ از دہ درم تا چہار	بسالے از و بستدے کاروار
دبیر و پرستندۂ شہریار	نبودے بدیواں کسے را شمار

بجید ← بخشید
نباشد ← نبودے

+ چھاپہ کی غلطی سے بعض اشعار فارسی سندرجہ اس آرٹیکل کی غلط چھپے ہیں اسلئے ہم نے انکی تصحیح کتب فرہنگ انجمن آرا سے کی ہے

دونوں روایتوں کے فرق کو ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں۔

تیسری بحث

اسلام نے جو انتظام قایم کیا اوسکی رو سے ہر مسلمان فوجی خدمت کے لئے مجبور کیا جاسکتا تھا۔ یہ قاعدہ کچھ آسان قاعدہ نہ تھا۔ اور لوگ اگر ذرا بھی اُس سے بچنے کا حیلہ پاجاتے تھے تو اُس سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایکبار جب جزیرہ مسلی میں مکتب کے معلم اس جبر سے بری کر دیئے گئے تو سیکڑوں آدمیوں نے اور کام چھوڑ کر یہی پیشہ اختیار کرلیا۔[۵۱]

اس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت پر رکھتے تھے اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح بری رہیں جس طرح نوشیروان عادل نے عموماً اہل فوج کو اس ٹیکس (جزیہ) سے بری رکھا تھا۔ لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے اور جنکی حفاظت مسلمانوں کو کرنی پڑتی تھی۔ اُنکو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا۔ نہ وہ لوگ ایسی پرخطر خدمت کے لئے راضی ہوسکتے تھے۔ اسلئے ضرور تھا کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے کوئی ٹیکس ادا کریں۔ اسی ٹیکس کا نام جزیہ تھا جو فارسی لغت سے معرب کیا گیا تھا۔ لیکن اگر کسی موقع پر غیر قوموں نے فوج میں شریک ہونا یا شرکت کے لئے آمادہ ہونا گوارا کیا تو وہ جزیہ سے بری کر دیئے گئے۔ جیسا کہ ہم آیندہ تاریخی شہادت سے ثابت کرینگے

---

[۵۱] دیکھو معجم البلدان یاقوت حموی۔ ذکر صقلیہ۔

جزیہ کا معاوضۂ حفاظت ہونا مسلمانوں میں علمی و عملی طور سے ہمیشہ مسلم رہا اور سچ یہ ہے کہ اسی خیال نے اکثر اہل لغت کو اس طرف متوجہ ہونے دیا کہ جزیہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ وہ سمجھے کہ یہ لفظ جزا سے نکلا ہے جسکے معنی بدلہ کے ہیں اور چونکہ یہ ٹیکس بھی ایک معاوضہ اور بدلہ ہے لہذا اس مناسبت سے اُس کا نام جزیہ رکھا گیا۔ آنحضرتؐ و خلفاے راشدین کے جو معاہدے تاریخوں میں منقول ہیں اُنسے عموماً پایا جاتا ہے کہ جزیہ اُن لوگوں کی محافظت کا معاوضہ تھا۔ خود رسول اللہ صلعم نے والی ایلتہ کو جو فرمان جزیہ کا تحریر فرمایا اُسمیں یہ الفاظ مندرج فرمائے۔ "یحفظوا ویمنعوا" یعنی ان لوگوں کی حفاظت کیجاے اور دشمنوں سے بچاے جائیں[1]۔ حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب جو نہایت ضروری وصیتیں کیں انمیں ایک یہ بھی تھی کہ "غیر مذہب والے جو ہماری رعایا ہیں وہ خدا اور رسول کی ذمہ داری میں ہیں۔ اور مسلمانوں کو انکی طرف سے اُن کے دشمنوں سے مقابلہ کرنا چاہیے"۔ اس موقع پر ہم بعض معاہدات اصلی الفاظ میں نقل کرتے ہیں جنسے نہایت صاف اور مصرح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ایک ٹیکس تھا۔ اور غیر مذہب والے جو مسلمانوں کی رعایا تھے یہی سمجھکر یہ ٹیکس ادا کرتے تھے۔

---

[1] دیکھو فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۵۹

"هٰذَا كِتَابٌ مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ لِصَلُوبَا ابْنِ نَسْطُونَا وَقَوْمِهِ إِنِّي عَاهَدْتُكُمْ عَلَى الْجِزْيَةِ وَالْمَنَعَةِ فَلَكُمُ الذِّمَّةُ وَالْمَنَعَةُ مَا مَنَعْنَاكُمْ فَلَنَا الْجِزْيَةُ وَإِلَّا فَلَا كُتِبَ سَنَةَ اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ فِي صَفَرٍ"	"یہ خالد بن الولید کی تحریر ہے صلوبا بن نسطونا اور اُسکی قوم کے لئے۔ میں نے تمسے معاہدہ کیا جزیہ اور محافظت پر پس تمہاری ذمہ داری اور محافظت ہمپر ہے جبتک ہم تمہاری محافظت کریں ہمکو جزیہ کا حق ہے ورنہ نہیں بسنہ ۱۲ صفر میں لکھا گیا"

عمالان اسلام نے سرحد عراق عرب کے اضلاع میں وہاں کے باشندوں کو جو عہدنامے لکھے اور جنپر بہت سے صحابہ کے دستخط تھے اُنکے ملتقط الفاظ یہ ہیں

"بَرَاءَةٌ لِمَنْ كَانَ مِنْ كَذَا وَكَذَا مِنَ الْجِزْيَةِ الَّتِي صَالَحَهُمْ عَلَيْهَا الْأَمِيرُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ وَقَدْ قَبِضْتُ الَّذِي صَالَحَهُمْ عَلَيْهِ خَالِدٌ وَالْمُسْلِمُونَ لَكُمْ يَدٌ عَلَى مَنْ بَدَّلَ صُلْحَ خَالِدٍ مَا أَقْرَرْتُمْ بِالْجِزْيَةِ وَكُنْتُمْ أَمَانَكُمْ أَمَانٌ وَصُلْحُكُمْ صُلْحٌ وَنَحْنُ لَكُمْ عَلَى الْوَفَاءِ"	"اُن لوگوں کے لئے جنھوں نے اس اس تعداد کا جزیہ دینا قبول کیا ہے اور جنپر خالد بن ولید نے اُنسے مصالحت کی ہے یہ براءت نامہ ہے۔ خالد اور مسلمانوں نے جس تعداد پر صلح کی وہ ہمکو وصول ہوئی جو شخص خالد کی صلح کو بدلنا چاہے اُسکو تم لوگ مجبور کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو تمہاری اماں۔ امان ہے اور تمہاری صلح صلح یعنی جس سے تم صلح کرو ہم بھی صلح کرینگے اور جسکو تم امان دوگے ہم بھی امان دینگے۔
تاریخ طبری صفحہ ۵۰۲	

† دیکھو تاریخ کبیر از جعفر جریر طبری مطبوعہ یورپ جز خامس صفحہ ۴۸۔

اسکے مقابلہ میں ہرقل کی رعایا نے یہ تحریر لکھی۔

"اِنَّا قَدْ اَدَّیْنَا الْجِزْیَةَ الَّتِیْ عَاهَدْنَا عَلَیْهَا خَالِدٌ۔ عَلٰی اَنْ یَمْنَعُوْنَا وَاَمِیْرُهُمُ الْبَغْیَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَغَیْرِهِمْ" (طبری صفحہ مذکور)	"ہمنے وہ جزیہ ادا کردیا جسپر خالد نے معاہدہ کیا تھا۔ اس شرط پر کہ مسلمان اور انکے اور تمام قومین اگر ہمکو گزند پہنچانا چاہیں تو جماعت اسلام اور اُنکے افسر ہماری حفاظت کے ذمہ دار ہوں"

ان تحریروں سے جو ہمنے اس موقع پر نقل کیں اور نیز اور تمام معاہدوں سے جو تاریخوں میں مذکور ہیں ہدایتاً یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ اُسی اصول کی بنا پر تھا جو نوشیروان عادل نے قایم کیا تھا۔ لیکن اسپر بھی اگر کسی کو شبہ رہے تو ذیل کے واقعے سے رہا سہا شک بھی رفع ہوجائیگا

ابوعبیدہ جراح نے شام میں جب متواتر فتوحات حاصل کیں تو ہرقل نے ایک عظیم الشان فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے تیار کی۔ مسلمانوں کو اُسکے مقابلہ میں بڑی مستعدی سے بڑھنا پڑا اور اُنکی تمام قوت و توجہ فوجوں کی ترتیب میں مصروف ہوئی۔ اُسوقت حضرت ابوعبیدہ امین (افسر فوج) نے اپنے تمام عاملوں کو جو شام کے مفتوحہ شہروں پر مامور تھے لکھ بھیجا کہ "جسقدر جزیہ و خراج جہاں جہاں وصول کیا گیا ہے سب اُن لوگوں کو واپس دیدو جنسے وصول ہوا تھا۔ اور اُن سے کہدو کہ ہمنے تمسے جو کچھ لیا تھا اس شرط پر لیا تھا کہ تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کرسکیں۔ لیکن اب اس واقعے کے پیش آجانیکی وجہ سے ہم تمہاری

حفاظت کا ذمہ نہیں اُٹھا سکتے" ابُوعبید کے خاص الفاظ جن میں عیسائیوں سے خطاب ہے یہ ہیں "اِنَّمَا رَدَدْنَا عَلَيْكُمْ اَمْوَالَكُمْ لِاَنَّهُ قَدْ بَلَغَنَا مَا جَمَعَ لَنَا مِنَ الْجُمُوعِ وَاِنَّكُمْ قَدِ اشْتَرَطْتُمْ عَلَيْنَا اَنْ نَمْنَعَكُمْ وَاِنَّا لَا نَقْدِرُ عَلٰى ذٰلِكَ وَقَدْ رَدَدْنَا عَلَيْكُمْ مَا اَخَذْنَا مِنْكُمْ" اِس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور لاکھوں روپئے بیت المال سے لیکر اُن لوگوں کو پھیر دیئے گئے۔ جو رقم وصول ہوئی تھی اُسکی کثرت کا اندازہ اِس سے ہوسکتا ہے کہ صرف حمص سے قریباً آٹھ لاکھ روپے جزیہ وخراج میں ملے تھے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو دل سے دعا دی اور کہا کہ خدا پھر تمکو ہمارے شہروں کی حکومت دے۔ رومی ہوتے تو اسموقع پر واپس دینا تو درکنار جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ بھی لے لیتے[۵۱]۔ اِن سب باتوں سے زیادہ یہ امر اس دعوے کے لئے دلیل بین ہے کہ اگر کسی غیر قوم نے فوجی خدمت پر رضامندی ظاہر کی تو وہ اُسی طرح جزیہ سے بری ہے جس طرح خود مسلمان۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں حبیب بن مسلمہ نے قوم جراجمہ[۵۲] پر فتح پائی تو اُن لوگوں نے فوجی خدمتوں میں بوقت ضرورت شریک ہونا خود پسند کیا اور اسوجہ سے وہ تمام قوم جزیہ سے بری رہی۔ نہ صرف جراجومہ بلکہ بہت سے انباط وغیرہ اور اوسکے

۵۱ یہ پوری تفصیل کتاب الخراج امام ابو یوسف مطبوعہ مصر کے صفحہ ۸۰ و ۸۲ و ۸۳ میں مذکور ہے۔

۵۲ ایک عیسائی قوم تھی اور شہر جراجومہ اور اوسکے مضافات میں آباد تھے معجم البلدان میں اس مقام کا ذکر تفصیلاً لکھا ہے ۱۲

متصل کی آبادیوں نے یہ امر اختیار کیا اور جزیہ سے بری رہے۔ خلیفہ
واثق باللہ عباسی کے زمانہ میں وہاں کے عامل نے غلطی سے
ان لوگوں پر جزیہ لگایا تو انہوں نے خلیفہ کو اطلاع کی اور دربار
خلافت سے ان کی برارت کا حکم صادر ہوا۔ معاہدات میں یہ
تصریح کہ جزیہ[1] کے عوض ہم تمہاری اندرونی و بیرونی حفاظت کے
ذمہ دار ہیں۔ جب[2] حفاظت پر قدرت نہو تو جزیہ کا واپس کر دینا
جو قومیں[3] فوجی خدمت پر آمادہ ہوں انکو جزیہ سے بری رکھنا۔ کیا
ان واقعات کے ثابت ہو جانے کے بعد بھی شبہ رہ سکتا ہے کہ جزیہ
کا مقصد وہی تھا جو ہمنے تیسری بحث کے آغاز میں بتایا ہے جزیہ
کے مصارف یہ تھے۔ لشکر کی آراستگی۔ سرحد کی حفاظت۔ قلعوں
کی تعمیر۔ ان سے بچا تو سڑکوں اور پلوں کی تیاری۔ سررشتۂ تعلیم۔ بوشبہ
اس طرح اس خاص رقم سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا۔ اور
پہنچنا چاہیئے تھا۔ مسلمان لڑائیوں میں شریک ہوتے۔ جانیں لڑاتے
ملک کو تمام خطروں سے بچاتے۔ پس جس طرح انکے جسم و جان سے
ذمی رعایا مستفید ہوتی تھی۔ اگر ذمیوں کے مال سے مسلمانوں کو بھی
فائدہ پہنچتا تھا تو کیا بیجا تھا۔ اسکے علاوہ صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں
سے وصول کیجاتی تھی اسمیں ذمی رعایا برابر کی شریک نہ تھی۔ حضرت
عمر فاروق نے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ "خدا کے اس

+ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۵۹ و ۱۶۱۔

قول میں " اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ " (صدقات۔ فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں) مسکینوں سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں۔ جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس روپئے سالانہ تھی۔ کسی کے پاس لاکھوں روپے ہوں تو اس سے زیادہ دینا نہیں پڑتا تھا عام شرح چھ روپئے اور تین روپے سالانہ تھی۔ بیس (۱) برس سے کم اور پچاس (۲) برس سے زیادہ عمر والے اور عورتیں۔ مفلوج (۴) معطل العضو نابینا (۶)۔ مجنون (۷)۔ مفلس (۸) یعنی جسکے پاس دو سو درہم سے کم ہو۔ یہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے [۵]

اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا ہلکا ٹیکس جسکی تعداد اس قدر تسلیل تھی۔ جسکے ادا کرنے سے فوجی پر خطر خدمت سے نجات ملجاتی تھی۔ جسکی بنیاد نوشیرواں عادل نے ڈالی تھی۔ کیا ایسی ناگوار چیز ہوسکتی ہے؟ جیسی کہ اہل یورپ نے خیال کی ہے۔ کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی اس سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا؟ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹیکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا؟ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہمکو اسکے مذہب کے ضایع ہونیکا رنج بھی نہ کرنا چاہئے۔ جو لوگ جزیہ ادا کرتے

---

* کتاب الخراج امام ابو یوسف

[۵] اس قسم کے لوگوں کا جزیہ سے مستثنےٰ ہونا ہی دلیل اس بات کی ہے کہ جزیہ حفاظت جگی اور حفاظت کا معاوضہ تھا نہ اور کچھ۔ کیونکہ مذہب پر قایم رہنے کا معاوضہ ہوتا تو کسی کے مستثنےٰ ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

السید محمد حسن عفی عنہ

تھے اُنکو اسلام نے جسقدر حقوق دیئے کون حکومت اُس سے زیادہ دے سکتی ہے؟ لیکن چونکہ ہمارے مضمون کے عنوان سے یہ بحث کسی قدر دور پڑجاتی ہے اسلئے اس موقع پر ہم یہ بحث چھیڑنی نہیں چاہتے"

ہم اوپر وعدہ کرآئے ہیں کہ اُس قسم کی لڑائیوں کی بابت جنکو موسیٰ کلیم اللہ نے اپنے زمانہ میں اور محمد رسول اللہ نے اپنے وقت میں جائز رکھا اور حضرت یحییٰ و عیسیٰ کی طرح کیوں نہ اپنی جان دیدی آیندہ بحث کرینگے۔ چنانچہ اب اسکو پورا کرتے ہیں۔ اور اسمیں صرف جناب سید اور چند نامی گرامی فضلاے یورپ کی رایوں کے نقل کر دینے پر اکتفا کرینگے جنسے ثابت ہوگا کہ اس الزام کے روسے جو مخالفوں نے اُن محاربات کی بنا پر قایم کیا ہے ہم صرف اپنے ہم مذہب شخصوں ہی کی راے پیش نہیں کرتے۔ بلکہ غیر قوم اور غیر مذہب کے نامدار اور محقق مورخوں کی شہادتیں بھی پیش کرسکتے ہیں۔

جناب سید فرماتے ہیں کہ "جو لڑائیاں آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہوئیں وہ چار طرح پر ہوئی تھیں۔ یا تو دشمنوں (۱) کے حملہ کے روکنے اور اُن کے حملوں کے دفع کرنیکے لئے تھیں یا دشمنوں (۲) کا ارادہ لڑنے اور حملہ کرنے اور لڑائی کے لئے لوگوں کے جمع کرنے کی خبر پاکر اُس فساد کے مٹانے اور اون لوگوں کے منتشر کرنیکے لئے ہوئی تھیں۔ یا اُن (۳)

لوگوں پر حملہ کیا گیا تھا جنہوں نے عہد شکنی یا دغابازی یا بغاوت کی تھی یا خبر رسانی اور ملک کے اور قوموں کے حالات دریافت کرنے کو جو لوگ بھیجے جاتے تھے اُن سے لڑائی ہو گئی تھی۔

پس یہ تمام لڑائیاں ایسی تھیں جو معمولاً ملکی انتظام میں اور امن و امان کے قایم کرنے میں واقع ہوتی ہیں اور دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ جس نے ملکی انتظام ہاتھ میں لیا ہو اور اُسکو اس قسم کی لڑائیاں نہ پیش آئی ہوں۔ ان لڑائیوں کی نسبت یہ کہنا کہ زبردستی سے ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنے کے لئے تھیں ایک ایسا غلط قول ہے جسکو کوئی ذیعقل بجز اُسکے جسکے دل میں تعصب بھرا ہو سچ تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ سچ ہے کہ جس قوم کی کسی ملک میں سلطنت اور حکومت ہو جاتی ہے۔ قدرتی طور پر اُس قوم کے مذہب کو اور نہ صرف مذہب کو بلکہ رسم و رواج و عادات و اطوار کو ترقی ہوتی ہے اور لوگ اُس طرف مائل ہو جاتے ہیں اور یہ مقولہ کہ "الملک والدین توامان" ہر ایک قوم اور ہر ایک مذہب پر صادق آتا ہے۔ اسیطرح اسلامی حکومت کے سبب اُسی قدرتی قاعدہ سے اسلام کی ترقی کو بھی مدد پہنچی۔ مگر ان لڑائیوں کو جو ملکی ضرورت اور امن قائم کرنیکے لئے ہوئیں یہ کہنا کہ "وہ اسلام پھیلانے کے لئے اور بجبر ہتھیاروں کے زور سے اسلام قبلوانے کے لئے تھیں" محض غلط ہے۔ بلکہ صرف اسلام ہی کی تاریخ میں ایک نہایت عجیب واقعہ پایا جاتا ہے جو اور کسی مذہب کی تاریخ میں نہیں ہے کہ فاتح قوم نے فتح کامل حاصل کرنے اور استقلال کامل پانیکے بعد اپنی

مفتوح قوم کا دفعتاً مذہب اختیار کرلیا ہو مذہب اسلام میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو مفتوح ملک کے باشندوں کی مذہبی آزادی کی مانع ہو۔ جزیہ جو ایک قسم کا ٹیکس ہے اُسکی نسبت ہم بیان کرچکے ہیں کہ مسلمانوں سے بہ نسبت اوسکے بہت زیادہ ٹیکس لیا جاتا تھا جو زکات کے نام سے موسوم ہے اور اسلئے مسلمان سلطنت میں غیر مذہب والے مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ آسودہ حال اور دولتمند رہتے تھے۔ اور لڑائی میں شریک ہونے کی مصیبتوں سے بالکل محفوظ تھے۔ تسلیم کیا جاے کہ بعض مسلمان بادشاہوں نے غیر مذہب والوں پر ظلم کیا اور اُنکی مذہبی آزادی کو برباد کردیا۔ مگر ایسا کرنا اُنکا ذاتی فعل تھا جسکے وہ خود ملزم ہیں نہ مذہب اسلام۔ بلاشبہ آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے بعد قوم عرب کے بتوں کو توڑ دیا مگر اُس بت شکنی کی نظیر محمود غزنوی یا عالمگیر کی یا اور کسی بادشاہ کی بت شکنی کی نہیں ہوسکتی۔

کعبہ ایک مسجد تھی حضرت ابراہیمؑ کی بنائی ہوئی خداے واحد کی عبادت کے لئے۔ اُسکے بعد جب عرب بت پرست ہوگئے تو اُس مسجد میں اُنہوں نے بت رکھدیئے تھے جنکا برباد کرنا اور دین ابراہیم کا اُسمیں جاری کرنا ابراہیمؑ کے پہلونٹے بیٹے کے بیٹے کو لازم تھا قوم عرب جسکا غالب حصہ ابراہیمؑ کی نسل سے تھا اور جس قوم و نسل میں خود آنحضرتؐ بھی تھے۔ اُس قوم کو بتوں کی پرستش سے چھڑانا اور ابراہیمؑ کے خدا کی پرستش سکھانا ضرور تھا۔ پس آنحضرتؐ نے خود اپنی قوم کے بت توڑے تھے اُس سے دیگر اقوام کے مذہب کی آزادی

ضایع کرنا لازم نہیں آتا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں جہاں بت شکنی اور غیر مذہب کے معبدوں کے برباد کرنے کی مثالیں ملتی ہیں اُسی طرح ہزاروں مثالیں اُس کے برخلاف بھی موجود ہیں[۵۱] مسلمانوں کی سلطنت دُنیا کے بہت بڑے وسیع حصہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ اُسکی حکومت میں مختلف مذہب کی قومیں رہتی تھیں تمام سنیگاگ (مسجد یہود) اور تمام گرجے جو زیادہ تر رُومن کیتھلک مذہب کے تھے بدستور قرنائی اور گھنٹے بجاتے تھے۔ تمام مُلک میں ناقوس کی آواز گونجتی تھی[۵۲] مندروں میں بت موجود تھے۔ ہر ایک قوم اپنے مذہب میں آزاد تھی۔ پس اِن تمام حالات کو جو نہایت کثرت سے تھے بھول جانا اور چند واقعات کو جو اُسکے برخلاف شخصی طبیعت سے واقع ہوئے تھے نظیر میں پیش کرکے یہہ کہنا کہ اسلام نے مذہبی آزادی کو مٹایا تھا محض ناانصافی ہے اور اُصول مذہب اسلام کے بالکل برخلاف ہے۔

---

۵۱ مخالفین اسکی اگر کوئی نظیر رکھتے ہوں تو پیش کریں کہ خلیفہ عمر ابن عبد العزیز اموی نے دمشق کے عامل کو فرمان بھیجا کہ "ولید (خلیفہ) نے گرجے کو توڑ کر مسجد میں جو اضافہ کر لیا تھا وہ ڈھا دیا جاوے اور عیسائیوں کو اجازت دیجاوے کہ وہاں پھر اپنا گرجا بنا لیں"

دیکھو فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۲۵ مؤلف عفی عنہ

۵۲ دولت عباسیہ کے عہد میں خاص دارالخلافت بغداد میں دیر الروم - دیر الشمونی - دیر الثعالب دیر درتا - دیر درماس - دیر سمالو - دیر عذاہی - دیر العاصیہ - دیر الزریقیہ دیر الزندرود نامی کیسے بڑے بڑے اور عالیشان گرجے موجود تھے۔ دیکھو معجم البلدان ذکر بغداد ۱۲ مؤلف عفی عنہ۔

رہی یہہ بات کہ "انبیا کو اس قسم کی لڑائیاں کرنی زیبا ہیں یا نہیں" اس سے انکار اور اسکو نازیبا قرار دینا قانون قدرت کے برخلاف ہے۔ تمام انبیا جسکہ قوم کی اصلاح اور اونکے مذہب کی درستی کو کھڑے ہوتے ہیں تو ابتدا میں عموماً اُنکے دشمن چاروں طرف ہوتے ہیں۔ اگر وہ اپنی حفاظت اور مخالفوں سے محفوظ رہنے کی کوشش نکرتے تو دنیا میں نہ آج یہودی مذہب کا وجود ہوتا اور نہ کسی اور مذہب کا اور نہ عیسائی مذہب کا اگر بعد حضرت مسیح کے اُس کے لئے ایسا زمانہ نہ آتا جس میں اوس کے پیروؤں کی مخالفوں سے حفاظت کی گئی اور بزور حکومت اُسکو ترقی دیگئی[۵۱] قرآن مجید میں نہایت عمدہ اور بالکل سچ بات خدا نے فرمائی ہے "وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا" یعنی "اگر نہوتا دفع کرنا اللہ کا آدمیوں کو ایک کو دوسرے سے تو ضرور ڈھائی جاتیں عیسائی درویشوں کی خانقاہیں اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا ذکر کیا جاتا ہے"

پس یہ کہنا کہ انبیا کو ایسی لڑائیاں نازیبا ہیں ایک ایسا قول ہے جسکو قانون قدرت مردود کرتا ہے۔ لوگ حضرت موسیٰ کے کاموں کو تو بھول جاتے ہیں اور غریبی اور مسکینی اور مظلومی کی مثال میں حضرت مسیح

---

[۵۱] جیسا کہ قسطنطین اعظم اور شارلیمن وغیرہ شہنشاہوں نے اپنے اپنے زمانہ کے پوپوں کے فتووں کے موافق کیا۔ مؤلف عفی عنہ

کو پیش کرتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح نے جب اپنے تئیں خلقت کے سامنے پیش کیا۔ اُسوقت سے حضرت مسیح کی وفات تک نہایت قلیل زمانہ قریب تین برس کے گزرا تھا۔ اور صرف سو ستر آدمی کے قریب اُن پر ایمان لائے تھے۔ اُن کو مطلق ایسی قوت جس سے وہ اپنے دشمنوں کو دفع کر سکیں حاصل نہیں ہوئی تھی اور اسی سبب سے کالو یدی کی چھاڑی پر وہ افسوسناک واقعہ واقع ہوا۔ اُسکے بعد اگر اُسکے ایسے حامی نہ پیدا ہو جاتے جو دشمنوں کو دفع کر سکے تو آج دنیا میں ایک بھی گرجا اور ایک بھی خانقاہ نہ دکھائی دیتی۔ علاوہ اسکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روحانی بادشاہی کے سوا سلیمان کی سی سلطنت کے انتظام میں داخل ہو جانے میں ایک بہت بڑی مجبوری تھی۔ عرب میں بادشاہت کا وجود نہ تھا۔ ہر ایک قبیلہ کا سردار اُنکا حاکم ہوتا تھا اور جسکو سب لوگ بڑا سمجھتے تھے اُسکو مجبوری افسر بننا اور تمام ملکی انتظام کرنا لازم تھا۔ جبکہ تمام قبائل رفتہ رفتہ مسلمان ہو گئے تو امکان سے خارج تھا کہ وہ لوگ سوائے آنحضرت کے اور کسی کو اپنا سردار تسلیم کرتے اور تمام معاملات ملکی بجز آنحضرتؐ کے حکم کے تعمیل پاتے۔ پس ہر بات پر انصاف سے غور کرنا چاہیئے نہ تعصب سے۔ کیا یہ انسانیت اور رحم کی بات نہیں ہے؟ کہ لاچار بے بس مسلمان مرد اور عورتوں اور بچوں کو کافروں کے ظلم سے بچایا جاوے۔ اور اُنکی فریاد رسی کے لئے ہتھیار اُٹھایا جائے۔ کون شخص ہے جو اس لڑائی کو ناواجب کہہ سکتا ہے" انتہی قولہ سلمہ

مسٹر ڈوسڈگبن اپنی مشہور و معروف تاریخ میں لکھتے ہیں کہ "دو قطعات آلیہ

کی رو سے ہر ایک شخص کا حق ہے کہ ہتھیاروں کے ذریعے سے اپنی جان
و مال کی حفاظت کرے۔ اپنے دشمنوں کے ظلم و تشدد کو بزور دفع کرے
یا روکے اور اُنکے ساتھ عداوت کو انتقام کی ایک حد مناسب تک وسعت دے
عربوں کی آزاد سوسائٹی میں کیا بلحاظ رعایا ہونیکے اور کیا بلحاظ ایک شہر کے
باشندوں کے باہمی برتاؤ کے لوگوں کے فرائض میں ایک ضعیف سی
روک تھی۔ اور محمدؐ اپنے ہموطنوں کی ناانصافی سے اپنی رسالت کی بیجا آوری
سے جو بالکل صلح آمیز اور خلایق کی خیر اندیشی پر مبنی تھی محروم
کیا گیا اور جلاوطن کیا گیا تھا ایک خود مختار قوم کی قبولیت نے مکہ کے
اِس پناہ گیر کو بادشاہ کے درجہ پر پہنچا دیا اور اُسکو واجب طور پر لوگوں کے ساتھ
معاہدات کرنے اور مخالفوں کے حملوں کو دفع کرنے یا اُنپر حملہ آور ہونیکا
حق حاصل ہوگیا"

پھر ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ "عقل خیر اندیش یقین کر سکتی ہے
کہ محمدؐ کی اصلی غرضیں خالص اور خلایق کی سچی بہی خواہی کی تھیں۔ مگر ایک انسان
پیغمبر سے یہہ نہیں ہوسکتا کہ وہ ایسے ہٹیلے کافروں کی برداشت کرے جو اُسکے
دعوؤں کا انکار اور اُسکی دلیلوں کی تحقیر کریں اور اُسکی جان کو ایذا دیں۔ وہ اپنے
ذاتی دشمنوں کو تو معاف کر سکتا ہے مگر خدا کے دشمنوں سے واجب طور پر عداوت
رکھ سکتا ہے" * پس اپنی عظمت و علو مرتبت (بوجہ رسول خدا ہونیکے) اور

* بخاری اور مسلم نے بالاتفاق اُمّ المؤمنین عائشہ کی سند پر یہہ روایت کی ہے کہ "مَا انْتَقَمَ
رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لِنَفْسِہٖ فِی شَیْءٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ تُنْتَہَکَ حُرْمَۃُ اللّٰہِ
فَیَنْتَقِمَ اللّٰہُ بِہَا (مشکوۃ) یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کسی ذاتی گناہ کا کبھی بدلہ

انتقام کے نہایت پُرزور جذبات محمدؐ کے سینہ میں مشتعل ہوئے اور اُسنے
نینوا کے نبی (یونس علیہ السّلام) کی طرح آہ سرد بھر کر اپنے مخالفوں
کی بربادی اور تباہی کے لیے جنکو وہ تقصیروار ٹھہرا چکا تھا دعا مانگی
اگرچہ اہل مکّہ کی بے انصافی اور مدینہ والوں کی بدپرائی نے اِس
ایک شہر کے رہنے والے کو بادشاہ اور مسکین واعظ کو امیر افواج بنا دیا
مگر انبیا و اولیاے سابقین کے جدال و قتال کی مثال نے اُسکی تلوار کو
مقدس یعنی بے الزام بنا دیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ وہی خدا جو گنہگاروں کو دبا اور
زلزلہ کے ساتھ سزا دیتا ہے اُنکے مسلمان بنانے یا عذاب دینے کے لئے
اپنے بندوں کے دل میں دلیری اور دلاوری القا فرماے "

یہ نامور مورخ یہ بھی لکھتا ہے کہ "وہ افریقہ اور ایشیا کے لکھوکھا نومسلم
جنھوں نے عرب کے مسلمانوں کی تعداد بڑھا دی ایک خدا اور اوس کے
رسول پر ایمان لانے میں فریفتہ ہو گئے تھے۔ یہ نہیں کہ اُن پر کچھ
دباؤ تھا۔ کلمہ پڑھنے یا ختنہ ہو جانے سے رعیت یا غلام۔ قیدی یا مجرم ایک
لمحہ میں اپنے مخاطب مسلمان کا ہمسر اور آزاد اور فیتہ بنگیا۔ ہر ایک گناہ
دور ہوا۔ نکاح نہ کرنے کا عہد فطری عنایت سے جاتا رہا۔ قواے شہوانی
جو صومعوں میں پڑی سوتی تھیں (یعنی بوجہ تجرد و رہبانیت) اہل حجاز
کے ڈھول سے چونک پڑیں۔ اور معاملات دنیا میں نئے مجمع کا ہر ایک

نہیں لیا۔ مگر حرمت الہیہ کا ہتک ہوتا تھا تو ضرور خدا کے لئے اُسکا بدلہ لیتے تھے
مؤلف عفی عنہ

شخص اپنی لیاقت اور حوصلہ کے موافق اصل سرشت پر پہنچگیا"

یہی مورخ یہہ بھی لکھتا ہے کہ "مسلمانوں کی لڑائیوں کو اُنکے پیغمبر نے مقدس قرار دیا تھا مگر اُسنے جو اپنی حیات میں مختلف نصیحتیں کیں اور نظیریں قایم کیں اُسنے خلیفوں سے دوسرے مذہب کو آزادی دینے کی نصیحت پائی جس سے اسلام کے غیر معتقدوں کی مخالفت رفع ہوجاے۔ ملک عرب محمد کے خدا کی عبادتگاہ اور اُس کا مملوک تھا مگر وہ دنیا کی قوموں کو محبت سے اور بہت کم رشک سے دیکھتا تھا۔ بہت سے دیوتاؤں کے ماننے والے اور بت پرست جو اوس کو نہ مانتے تھے شرعًا نیست و نابود کئے جاسکتے تھے (یعنی ممکن تھا کہ اُنکا نیست و نابود کیا جانا شرعًا جائز قرار دیا جاتا) مگر انصاف کے فرائض سے نہایت عاقلانہ تدبیر اختیار کی گئی۔ ہندوستان کے مسلمان محققوں نے بعض کام دوسرے مذہب کی آزادی کے برخلاف کرنے کے بعد اُس مرتاض اور آباد ملک کے مندروں کو چھوڑ دیا ہے۔ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے معتقدوں سے سنجیدگی کے ساتھ استدعا کی گئی کہ وہ محمدؐ کے الہام کو جو زیادہ تر کامل ہے قبول کریں۔ لیکن اگر اُنہوں نے نہ مانا اور ایک معتدل خراج یعنی جزیہ دینا قبول کرلیا تو وہ اپنے عقیدہ میں اور مذہبی پرستش میں آزادی کے مستحق تھے" انتہی قولہ

مسٹر طامس کارلایل لکھتے ہیں کہ "ابتک محمدؐ نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے صرف وعظ و تلقین کا طریقہ اختیار کیا ہوا تھا

لیکن اَب جو بڑے طور پر اسکو وطن سے نکالا گیا اور نامنصف لوگوں نے نہ
صرف اُسکے سچے پیغام آسمانی کے سننے میں جو اُسکے دل کی ایک نہایت
گہری چیخ تھا بے پروائی ظاہر کی بلکہ خاموشی اختیار نہ کرنے کی حالت میں اوسکی
جان کے خواہاں ہو گئے۔ تو اُس جنگل کے رہنے والے نے ایک
عرب اور جوانمرد شخص کی طرح اپنے کو بچانا چاہا۔ اُسنے خیال کیا کہ اگر قریش
کی یہی مرضی ہے تو اچھا یوں ہی سہی۔ جو پیغام قوم قریش اور تمام انسانوں کے
لئے نہایت اہم تھے اُنہوں نے اُنکے سننے سے انکار کیا اور ظلم و ستم
اور آہن و قتل کے ذریعہ سے اُنکو ملیا میٹ کر دینا چاہا تو لوہے کا مقابلہ
لوہے سے کرنا پڑا۔ چنانچہ محمدؐ کو دس برس جنگ و جدال اور سخت
محنت اور انتہا کی کشمکش میں گزرے۔ اور اس کا نتیجہ جو کچھ ہوا اُس سے
ہم سب آگاہ ہیں۔

اِس امر کی نسبت کہ محمدؐ نے اپنا مذہب تلوار کے ذریعہ سے پھیلایا
بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اور بیشک جس بات کا ہم کو عیسائیت کی نسبت
فخر ہے وہ بہت کچھ واجب الاحترام ہے۔ یعنی یہ کہ اُس نے
چپ چاپ طور پر وعظ اور سامعین کے دل میں یقین پیدا کرنیکے ذریعہ
سے اپنے تئیں پھیلایا۔ لیکن باایں ہمہ اگر ہم اسکو کسی مذہب کی حقیت یا
بُطلان کی دلیل قرار دیں تو بڑی سخت غلطی ہے! تلوار سہی۔ مگر وہ تمکو
مل کہاں سے جائیگی۔ ہر ایک نئی رائے شروع میں صرف ایک ہی
رائے کا حکم رکھتی ہے اور ابھی ایک ہی شخص کے دل میں اوسکی جگہہ

ہوتی ہے۔ اور تمام دنیا میں ایک ہی آدمی اُسکا مقرر ہوتا ہے۔ اور اس
طرح پر گویا ایک شخص کل بنی آدم کے خلاف میں ہوتا ہے۔ پس اگر وہ
تن تنہا تلوار پکڑے اور اُسکے ذریعہ سے اپنا مذہب پھیلانا چاہے تو وہ کیا
کر سکتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ تم پہلے تلوار حاصل کرو (یعنی
تلوار پکڑنے والے معتقد بہم پہنچاؤ) الغرض ایک شے جس طرح اُس سے
ممکن ہو اپنے تئیں پھیلائیگی۔ حتیٰ کہ عیسائیت نے بھی جب کبھی وہ
اُسکے ہاتھ لگ گئی تلوار سے ہمیشہ نفرت ظاہر نہیں کی۔ مثلاً شارلمین
نے مکسن قوم کو صرف وعظ ہی کے ذریعہ سے عیسائی نہیں بنایا تھا
میں تلوار وغیرہ کی کچھ پروا نہیں کرتا اور اجازت دیتا ہوں کہ ایک شے جس
طرح ممکن ہو اپنے تئیں اس جہان میں پھیلائے۔ زبان سے خواہ تلوار سے
خواہ کسی اور اوزار سے جو اُس کے پاس ہو۔ یا وہ اُس کو کہیں سے بہم
پہنچا سکے"

مسٹر گاڈفرے ہیگنس اپنی کتاب کے ایکسو پانچویں فقرہ میں
یہ لکھکر کہ "یہ خیال کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ "دین محمدی صرف
بزور شمشیر پھیلا ہے" پھر ایکسو ساتویں اور ایکسو آٹھویں فقرہ میں یہ لکھتے ہیں
کہ "اہل حجاز پر تاتاریوں کا پہلا حملہ آٹھویں صدی کے اخیر پر
ہوا۔ وہ لوگ ملک شمال سے جو مابین بحیرہ کاسپیان اور بحیرہ اسود
کے واقع ہے آئے۔ یہ لوگ اُسوقت "دین محمدی" نہ رکھتے تھے۔ مگر
اُنہوں نے تھوڑے ہی عرصہ بعد ان مغلوب اہل حجاز کا مذہب اختیار

کرلیا۔ اِن فتحیابوں کے اِس تبدیلِ مذہب سے وہ الزام جو چند بار مذکور
ہوا کہ "دینِ اسلام کی کامیابی بزورِ شمشیر ہوئی ہے" نہایت عجیب وغریب
طرح پر باطل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہان سے خوب ثابت ہوتا ہے۔ کہ دینِ اسلام
میں صرف وہی لوگ داخل نہیں ہوئے جو اُس نے زیر کئے۔ بلکہ
وہ لوگ بھی داخل ہوئے جنہوں نے مسلمانوں کو مغلوب ومطیع کیا" پھر
فقرہ۔ ایکسو باون میں لکھتے ہیں کہ "جب عیسائی پادری بیان کرتے
ہیں کہ "محمدؐ کے مسائل کی کامیابی صرف بوجہ شمشیر ہوئی ہے" تو ظاہرا
وہ علت کو بجاے معلول کے بولتے ہیں۔ کیونکہ تلوار چلانے کی علت
ہاتھ کی حرکت ہے۔ اور ہاتھ کی حرکت کا باعث حرارتِ دینی ہے جس سے
اُنکی فتح ہوئی اور حرارتِ دینی کا موجب وہ پختہ اعتقاد ہے جو محمدؐ کے
مسائل کی صداقت پر اُن کو تھا۔ اُن ایمان والوں کے لئے جو صرف خدا ے
یکتا کی رضا جوئی اور اپنے پیغمبر کی حفاظت میں جان دیتے تھے بہشت
اور زمانۂ حال واستقبال کی خوشی اور وہ بھی ایسی جو ہمیشہ کے لئے تصور کیجاتی
تھی تو اِس صورت میں یہہ کیسا نامعقول اور غیر مفید امر ہے کہ تمام خطروں سے
خوف نہ کھاکر اس جلیل القدر انعام کو حاصل نہ کریں اور اِس ثواب کی
قدر کو اپنی کوششوں سے نہ بڑھائیں خاصکر اُس صورت میں جبکہ معلوم
ہے کہ اجل ہر شخص کی معیّن کردی گئی ہے۔ اور دنیا کی پیدایش سے پیشتر اوسکی
تحریر ہوچکی ہے جسکو کوئی شے نہ روک سکے نہ ٹال سکے۔ بستر پر خواہ
معرکہ میں ضرور ایک آدمی اُسی طرح پر مریگا جیسا کہ لکھدیا گیا ہے نہ احتیاط

کی وجہ سے وہ حکم تبدیل ہو سکتا ہے نہ خوف کی وجہ سے۔ حرارت دینی کی
عالمگیر خاصیت بخوبی معروف ہے اور محمدؐ کے معاملہ میں معلوم ہوتا ہے
کہ وہ عجیب طور پر ظاہر کی گئی۔ دیکھو شہر مدینہ قبل اس سے کہ محمدؐ
تلوار کھینچے فتح ہو گیا تھا۔ اسلئے یہ فتح تلوار کے زور سے نہیں کہی جا سکتی
اُسکی پہلی مہم میں صرف تیس آدمی تھے۔ دنیا کی فتح آغاز کرنے کے لئے یہ
ایک نہایت تھوڑی فوج تھی۔ اوسکی دوسری مہم میں تین سو تھے اور اس طرح پر
ایک لڑائی سے خواہ فتح ہوئی یا شکست۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے
سپاہیوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ شاید لوگ یوں کہینگے کہ یہ ایک معمولی بات ہے
کہ فتح سے سپہ سالار کے سپاہیوں کی تعداد بڑھجایا کرتی ہے۔ یہ بہت صحیح
ہے۔ مگر محمدؐ نے اُن لوگوں کو اپنی فوجوں میں بھرتی نہیں کیا جو اُسکے مذہب
پر ادنیٰ درجہ کا بھی اعتقاد نہ لائے۔ یعنی زبان سے کلمہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" نہ کہا۔ اور یہ کلمہ ایسا سادہ اور صاف ہے کہ جسکا سمجھنا
یا یاد رکھنا یقیناً مشکل نہ تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ کے پیروؤں کی حرارت
دینی اونکی تعداد کے ساتھ ہی بڑھی اور یہ کہ اُس کے خلیفوں کی بڑی فوجوں
میں یہ وصف (جو کہ ہر فتحیاب کے لئے مرغوب ہے) اُنہیں کمالات
کے ساتھ پایا جاتا تھا جیسا کہ خود محمدؐ کی چھوٹی چھوٹی فوجوں میں تھا۔ ظاہر بات
یہ تھی کہ ہر ایک فتح سے مذہب پاک کے واعظوں کو (جن میں سے ہر ایک
سپاہی تھا) اپنی لیاقت آزمائی کا نیا موقع اور نہایت عمدہ میدان مشق کے
لئے ملگیا تھا"

یہ محقق مورخ یہ بھی لکھتا ہے کہ "کوئی بات ایسی عام نہیں ہے
جیسا کہ عیسائی پادریوں کی زبانی مذہب اسلام کی مذمت اس وجہ سے
سُننے میں آتی ہے کہ "اوسمیں تعصب زیادہ ہے اور اوسمیں دوسرے
مذہب کو آزادی نہیں ہے" یہ عجیب زعم اور محض ریاکاری ہے۔ وہ
کون تھا؟ (عیسائی) جسنے میکسیکو اور پیرو کے لاکھوں باشندوں
کو قتل کیا تھا! اور اُن سب کو بطور غلام کے دیدیا تھا۔ اس وجہ سے
کہ وہ عیسائی نہ تھے۔ مسلمانوں نے بمقابلہ اُسکے یونان میں کیا کیا؟ یہ
کہ کئی صدیوں سے عیسائی امن وامان کے ساتھ اپنی ملکیت پر
قابض چلے آتے ہیں اور اُنکے مذہب۔ اُنکے پادریوں۔ اُنکے بشپ
اُنکے بزرگوں۔ اُنکے گرجاؤں کی نسبت دست اندازی نہیں کی گئی۔ جو
لڑائی بالفعل (یعنی جولائی ۱۸۲۹ء زمانہ تحریر کتاب) یونانیوں اور
ترکوں میں ہو رہی ہے وہ بہ نسبت اُس لڑائی کے جو حال میں ڈیمرارا
کے حبشیوں اور انگریزوں میں ہوئی تھی کچھ زیادہ مذہب کی وجہ سے نہیں
ہے۔ یونانی اور حبشی اپنے منعمندوں کی اطاعت سے آزاد ہونا چاہتے
ہیں۔ اور اُن کا ایسا کرنا واجب ہے جب خلیفہ منحیاب ہوتے تھے
اور وہاں کے باشندے مسلمان ہوجاتے تھے تو فوراً انکا رتبہ منعمندوں کے
برابر ہوجاتا تھا۔ ایک نہایت دانشمند مگر غیر معتقد عالم نے سارسین یعنی
اہل حجاز مسلمانوں کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ "وہ کسی شخص کو ایذا نہیں
دیتے تھے اور یہودی اور عیسائی سب اُن میں خوش وخرم تھے"

لیکن اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ موریٰ ملک بربر کے رہنے والے مسلمان جو اندلس میں تھے اسوجہ سے جلاوطن کئے گئے تھے کہ وہ عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تھے۔ مگر مجکو گمان ہے کہ اسکا سبب اور بھی تھا یعنی میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اپنی دلیلوں سے عیسائیوں پر اسقدر غالب آگئے تھے کہ جاہل راہب سمجھتے تھے کہ اُنکی دلیلوں کا جواب صرف مَذْهَبِیْ عَلَا لَتْ سے سزا دینے اور تلوار ہی سے ہوسکتا ہے اور مجکو کچھ شبہ نہیں ہے کہ جہانتک اُنکی ناقص قوت جواب دینے کے باب میں تھی وہانتک اُنکا یہ خیال صحیح تھا۔ جن ملکوں کو خلیفہ فتح کرتے تھے وہاں کے غریب باشندے خواہ یونانی خواہ ایرانی خواہ اسپین کے رہنے والے خواہ ہندو قتل نہیں کیے جاتے تھے جیسا کہ عیسائیوں نے بیان کیا ہے بلکہ فتح ہوتے ہی وہ سب بامن وامان اپنی ملکیت اور اپنے مذہب پر قابض چھوڑ دیئے جاتے تھے اور اس پچھلے حق کی بابت ایک محصول دیتے تھے جو اسقدر خفیف ہوتا تھا جو کسی کو گراں نہیں معلوم ہوتا تھا† خلفا کی تمام تاریخ میں کوئی بات ایسی نہیں مل سکتی جو ایسی رسوائی کا باعث ہو جیسے کہ عیسائیوں میں مَذْهَبِیْ عَلَا لَتْ سے سزا دینا تھا اور نہ ایک مثال بھی اس بات کی پائی جاتی ہے کہ کوئی شخص اپنا مذہب نہ چھوڑنے کے سبب جلایا گیا ہو۔ نہ مجکو یہ یقین ہے کہ زمانۂ امن میں صرف اسوجہ سے قتل کیا گیا ہو کہ اُسنے مذہب اسلام

† اسمیں کسیقدر غلطی ہے جیسا کہ ہم جزیہ کی بحث میں تفصیل بیان کر آئے ہیں۔ مولف عفی عنہ

قبول نہیں کیا۔ اسمیں کچھ شبہ نہیں ہے کہ پچھلے مسلمان فتحمندوں نے
اپنی فتوحات میں بڑی بڑی بیرحمیاں کی ہیں جنکا الزام عیسائی مصنفوں نے
بڑی جدوجہد سے مذہب اسلام پر لگایا ہے۔ مگر یہ واجب نہیں ہے
درحقیقت مذہبی تعصب کے باعث لڑائی کی خرابیاں زیادہ ہوگئیں مگر
اس بات میں مسلمان فتحمند کچھ عیسائیوں سے زیادہ بُرے نہ تھے تلوار کے
میاں میں ہوتے ہی مصیبت کی انتہا ہو جاتی تھی قرآن میں ہے
(۱) وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ
أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ
إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (۲) لَا إِكْرَاهَ
فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۳) وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَاقْتُلُوهُمْ
حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ
فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۴) فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى
الظَّالِمِينَ ۝ کیا یہ ایسا مذہب ہے جو تعصب کا موکد ہو موسیٰ نے
اہل کنعان کے ساتھ اور سموئیل نے اگاگ (قوم عمالیق کا ایک
بادشاہ تھا جو حضرت سموئیل نبی سے لڑا تھا) اور اہل شہر جبعون (یروشلیم
کے قریب شمال کیطرف ایک بت پرست شہر تھا) کے ساتھ جو سلوک
کیا اُسکو پڑھو اور دونوں میں نسبت کرو، انتہی قولہ
اِنسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے محقق مولفین لکھتے ہیں کہ "بعض لوگ

بلا تامل یہ کہدیتے ہیں کہ محمدؐ کی کامیابی کا سبب تلوار اور ایسی باتوں کا جائز کر دینا تھا جو شہوت پرستی کہلاتی ہیں" مگر لڑکر مذہب قبول کروانیکا تو ہم وہی جواب دیتے ہیں جو کارلائل نے دیا ہے یعنی تلوار کے زور سے مذہب قبول کروانے سے پہلے ضرور ہے کہ تلوار حاصل کیجائے" محمدؐ کی وفات کے بعد گو کتنا ہی جبر کے ساتھ اسلام غیر مذہب کی قوموں میں پھیلایا گیا ہو۔ مگر کچھ شک نہیں کہ ظلم و ستم کا استعمال اُسکی زندگی میں بالکل نہیں ہوا بلکہ ابتدا میں تو تلوار اُسکے خلاف میں تھی"

ایک آرٹیکل کے لکھنے والے نے اپنے آرٹیکل میں جو "عیسائیت اور اسلام" کے عنوان سے ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو اکتوبر سنہ رواں (۱۸۸۸ء) میں چھپا ہے اس مسئلہ کی نسبت جسمیں ہم بحث کر رہے ہیں یہ لکھا ہے "قولہ" کہا جاتا ہے کہ اسلام میں عیسائیت کی سی فروتنی اور عجز و انکسار نہیں ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ وہ لوگوں کو مسلمان بنانے والے مذہب کے اعتبار سے ایک جابر اور ایذا رساں مذہب ہے بلکہ برخلاف اسکے عیسائیون کی بہ نسبت مسلمانون نے ہمیشہ بہت زیادہ تحمل کیا اور بردباری سے کام لیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے نہ تو لوگوں کو ستا ستا کر اُنسے اپنا مذہب منوایا ہے۔ اور نہ اُن لوگوں کو جو مذہب کے اعتبار سے اُنسے مختلف ہوں زندہ آگ سے جلایا ہے۔ اور باوجودیکہ عیسائی سلطنتون نے اپنی کل رعایا کو اُنکا مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اور اس طرح پر

متحد مذہب والی قومیں بنالیں۔ مگر مسلمان ہمیشہ اپنی رعایا کو
آزادانہ اپنے مذہب پر قایم رہنے کی اجازت دیتے رہے۔ بلکہ
حالیہ زمانہ میں بھی ترکون اور مغلون نے اپنے درمیان غیر مسلم
آبادی کو قایم رکھا ہے۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ لکھتے ہیں کہ "اسبات کا خیال کرنا
جیسا کہ بعضوں نے کیا ہے اور اب بھی کرتے ہیں نہایت ہی سخت
غلطی ہے کہ قرآن میں جس عقیدہ کی تلقین کی گئی ہے اُسکی اشاعت
صرف بزور شمشیر ہوئی تھی۔ کیونکہ جن لوگوں کی طبیعتیں تعصب سے مبرا ہیں وہ سب
بلا تامل اس بات کو تسلیم کرینگے کہ محمدؐ کا دین (جسکے ذریعہ سے انسانوں
کے خون یعنی قربانی کے بدلے نماز اور خیرات جاری ہوئی اور جس نے
عداوت اور دایمی جھگڑوں کی جگہہ فیاضی اور حسن معاشرت کی
ایک روح لوگوں میں پھونک دی اور جسکا اس وجہ سے بالضرور ایک
بہت بڑا اثر شایستگی پر ہوا ہوگا) مشرقی دنیا کے لیے ایک حقیقی برکت تھا
اور اسوجہ سے خاصکر اُسکو اُن خوں ریز تدبیروں کی حاجت نہ پڑی ہوگی
جسکا استعمال بلا استثنا اور بلا امتیاز کے موسیٰؑ نے بت پرستی کے
نیست و نابود کرنے کو کیا تھا"

یہی مورخ یہ بھی لکھتا ہے کہ "نائیسا کی کونسل میں یہ امر واقع
ہوا تھا کہ شہنشاہ قسطنطین اوّل نے پادریوں کی جماعت کو وہ اختیار
دیا تھا کہ جس سے نہایت ہیبت ناک نتیجے پیدا ہوئے تھے جنکا خلاصہ

اِن چند سطروں میں موجود ہے۔

"خونریزی اور بربادی اُن احمقانہ نوصلیبی جہادوں کی جو عیسائیوں نے قریب دو سو برس کے عرصہ تک ترکوں پر کیے تھے اور جنمیں کئی لاکھ آدمی ہلاک ہوئے۔ قتل کرنا اُن شخصوں کا جو اس عقیدہ کو نہیں مانتے تھے کہ انسان کا دوبارہ اِصطباغ ہونا چاہیئے لوتھر کے پیروؤں اور رومن کیتھلک مذہب والوں کا دریائے رائن سے لیکر انتہائے شمال تک قتل ہونا۔ وہ قتل جسکا حکم ہنری ہشتم اور اُسکی بیٹی [ملکہ] میری نے دیا تھا فرانس میں سینٹ بارتھولومیو کا قتل ہونا! چالیس برس تک اور بہت سی خوں ریزیوں کا ہونا!!!

فرانسس اوّل کے عہد سے ہنری چہارم کے پیرس میں داخل ہونے تک "عدالتِ مذہبی" کے حکم سے قتل کا ہونا جو ابتک قابلِ نفرین ہے۔ کیونکہ وہ عدالت کی رائے سے ہوا تھا! علاوہ اِسکے اور بے انتہا بدعتوں کا اور اُن بیس برس کی خرابیوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں ہے جبکہ پوپ۔ پوپ کے مقابلہ اور بشپ۔ بشپ کے مقابلہ میں تھا! زہر خورانی اور قتل کی وارداتوں کا ہونا اور تیرہ چودہ پوپوں کی بیرحم لوٹ اور گستاخانہ دعوے جو ہر قسم کے گناہ اور عیب اور بدکاری میں جو ایک نیرو یا ایک † گیلیگولا سے نہایت فوق لیگئے تھے۔ آخرکار اِس خوفناک فہرست کا خاتمہ ہونیکے لیے ایک کرور بیس لاکھ نئی دنیا کے

† دوشقی ترین قیاصرہ روم کا نام ہے۔ مولف عفی عنہ۔

باشندوں کا صلیب ہاتھ میں لیے قتل ہونا!!! یقیناً یہ بات تسلیم کرنی
چاہیئے کہ ایک ایسا مکروہ اور قریباً ایک غیر منقطع سلسلہ مذہبی لڑائیوں کا
چودہ سو برس تک سوائے عیسائیوں کے اور کہیں ہرگز جاری نہیں رہا
اور جن قوموں کی نسبت بت پرست ہونیکا طعن کیا جاتا ہے انمیں سے
کسی قوم نے ایک قطرہ خون کا بھی مذہبی دلائل کی بنا پر نہیں بہایا۔
ایک مصنف نے اپنے ایک آرٹیکل میں جو ایسٹ اور ویسٹ
اخبار میں چھپا تھا + اور اُسکا عنوان یہ تھا کہ "اسلام بطور ایک ملکی نظام
کے ہے" اسلام میں آزادی مذہب کی نسبت یہ لکھا ہے کہ "صرف
محمدؐ ہی ایسا بانی مذہب تھا جو ایک دنیوی بادشاہ بھی تھا اور سپاہی
بھی تھا۔ اور یہ دونوں قوتیں خاصکر اس لیے تھیں کہ تشدد اور اولوالعزمی
کو روکا جائے اور اولوالعزمی کی جانب وہ مائل تھا اور تلوار اُسکے اختیار
میں تھی۔ اسلیے خیال ہوتا ہے کہ جبکہ اُسنے مذہب کو دنیوی حکومت کا
وسیلہ قرار دیا اور اپنے معتقدوں کی طبیعتوں پر وہ غلبہ حاصل کیا جسکے سبب سے
وہ لوگ شرع اور حق اُسی بات کو سمجھتے تھے جو وہ جاری کرنا چاہتا تھا تو
چاہیئے کہ اُسکا مجموعہ احکام شرعی اور تمام مجموعوں سے مختلف ہو۔ بلکہ یہ
خیال ہوتا ہے کہ اُن احکام انصاف سے بھی مختلف ہو جو ہر ایک انسان
کی طبیعت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اَب ہم اگر یہ بات دیکھیں کہ اُسکے
احکام کا مجموعہ ایسا نہیں ہے بلکہ اُسکے برخلاف یہ دیکھیں کہ محمدؐ نے

+ دیکھو خطبات احمدیہ صفحہ ۳۷۷ و ۳۷۸۔ خطبہ چہارم۔ مولف عفی عنہ۔

قومی معاملات میں حق رسانی اور فتح کرنے میں رحم اور حکمرانی کرنے میں
اعتدال اور سب سے مقدم دوسرے مذہب کی عدم مزاحمت کے
احکام قرار دئے ہیں تو ہمکو یہ بات تسلیم کرنی چاہیے کہ محمدؐ اپنے
ہمجنسوں میں ایسی ہی تعظیم کا استحقاق رکھتا تھا"

پھر اُسی مصنف نے اُسی آرٹیکل میں دوسرے مقام پر لکھا ہے
کہ "اسلام نے کسی مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کی
کسی کو ایذا نہیں پہنچائی - کوئی مذہبی عدالت خلاف مذہب والوں کو
سزا دینے کے لیے قایم نہیں کی - اور کبھی اسلام نے لوگوں کے
مذہب کو بجبر تبدیل کرنیکا قصد نہیں کیا - اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو
فتحمندوں کے برابر حقوق حاصل ہوتے تھے - اور مفتوحہ سلطنتیں
اُن شرایط سے بھی آزاد ہو جاتی تھیں جو ہر ایک فتحمند نے ابتدائے
دنیا سے محمدؐ کے زمانہ تک ہمیشہ قرار دی تھیں"

اُسی مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اسلام کی تاریخ میں
ایک ایسی خاصیت پائی جاتی ہے جو دوسرے مذہب کے غیر آزاد
رکھنے کے بالکل برخلاف ہے"

اسلام کی تاریخ کے ہر ایک صفحہ میں اور ہر ایک ملک میں جہاں
اُسکو وسعت ہوئی دوسرے مذہب سے مزاحمت نکرنا پایا جاتا
ہے - یہانتک کہ فلسطین میں ایک عیسائی شاعر لامارٹین نے
اُن واقعات کی نسبت جنکا ہم ذکر کر رہے ہیں بارہ سو برس بعد علانیہ

یہ کہا تھا کہ "صرف مسلمان ہی تمام روئے زمین پر ایک قوم ہیں
جو دوسرے مذہب کو آزادی سے رکھتے ہیں"

اور ایک انگریز سیاح سلیڈن نے مسلمانوں پر یہ طعن کیا ہے
کہ "وہ حد سے زیادہ دوسرے مذہب کو آزادی دیتے ہیں"

لایق فایق مورخ مسٹر ہالم† اپنی "تاریخ آئین سلطنت انگلستان"
کی جلد اول باب (۲) میں لکھتے ہیں کہ "دین اسلام بندگان خدا پر عرض
کیا گیا مگر کبھی اُن سے جبراً نہیں قبول کرایا گیا۔ اور جس شخص نے اس
دین کو بطیب خاطر قبول کر لیا اُسکو وہی حقوق بخشے گیے جو قوم فاتح کے تھے
اور اس دین نے مغلوب قوموں کو اُن شرایط سے بری کر دیا جو ابتدائے
خلقت عالم سے پیغمبر اسلام کے زمانہ تک ہر ایک فاتح نے مفتوحین
پر قایم کئے تھے قوانین اسلام کے موافق ہر قسم کی مذہبی آزادی اور
مذہب والوں کو بخشی گئی جو سلطنت اسلام کے مطیع و محکوم تھے لَآ اِکْرَاہَ
فِی الدِّیْنِ" دلیل بیّن اور برہان قاطع اس دعویٰ کی ہے۔ اسلام
میں اور اہل مذاہب کو مذہبی آزادی بخشنے اور اُنکے ساتھ نیکی کرنیکا حکم ہے
یہ آیت کسی بے قابو مجذوب کی بڑ نہیں ہے نہ کسی حکیم فلسفی کا خیال
خام ہے بلکہ یہ اُس شخص کا قول ہے جو ایسی سلطنت کا بادشاہ تھا جو اتنی
قدرت رکھتی تھی اور جسکا انتظام ایسا عمدہ تھا کہ جیسے اصول کو چاہتی نافذ
کر سکتی تھی۔ دین میں بھی اور سیاست مدن میں بھی کئی ایک شخصوں اور

† دیکھو تنقیح الکلام صفحہ ۱۸۷ مولف عفی عنہ

فرقوں نے مذہبی آزادی بخشنے کی ترغیب دی ہے۔ مگر اسکے
عملدرآمد کی تاکید صرف اُسوقت تک ہے جبتک وہ خود بے قابو اور کمزور
رہے ہیں۔ لیکن شارع اسلام نے مذہبی آزادی کی صرف ترغیب ہی نہیں
دی بلکہ اُسکو احکام شریعت میں داخل کردیا ہے۔ بندگان خدا پر لطف و
شفقت کرنیکا اصول ہر ایک قوم کے ساتھ برتا گیا جو مطیع و محکوم اسلام
ہوئی اور ہر قوم سے اپنے رسوم و اعمال مذہبی کو بلا مزاحمت بجا لانیکا معاوضہ
کچھ برائے نام مزاج لیا جاتا تھا۔ اور جب ایک خراج یا جزیہ طے ہوجاتا تھا
تو پھر اُس قوم کے عقاید دینی اور امور مذہبی میں مداخلت بیجا کرنا سراسر
خلاف شرع اور حرام مطلق سمجھا جاتا تھا۔"

میرے محترم دوست علامۂ عصر ڈاکٹر جی ڈبلیو لائبنٹز صاحب
نے جنکے نام سے ہمارے اس ملک پنجاب کا بچہ بچہ واقف ہے
اپنے ایک آرٹیکل میں جسکا عنوان "جہاد" تھا۔ اور اکتوبر ۱۸۸۶ء کے
رسالہ "ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو" میں چھپا تھا لکھا ہے کہ "اصل یہ ہے
کہ قرآن کی جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئی تھیں اور جو مدینہ میں نازل
ہوئیں اُنمیں باہم ایک حقیقی امتیاز ہے۔ چنانچہ پہلی سورتیں تو ایک ایسے
شخص کا کلام ہے جو بطور ایک سچے نبی کے بلا لحاظ دنیاوی خیالات
کے لوگوں کو اپنے گناہوں سے پشیمان ہونے اور باخدا زندگی بسر کرنے
کی تلقین کرتا ہے۔ لیکن جو سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں اُن میں ہم
لامحالہ دنیاوی خیالات کو غالب پاتے ہیں۔ اور یہ دیکھتے ہیں کہ

اسلام خاص اپنے وجود کے قایم رکھنے کے لیے ایک کشمکش میں
پڑا ہوا ہے۔ اور اُسکو نہ صرف اپنے پیروؤں کے لیے قوانین (احکام
مذہبی) بنانے کی ضرورت ہے بلکہ ایک نظام جنگی کا کام بھی مع اُن امور
کے درپیش ہے جو اُسکے محرک یا اُسکے قایم ہونے کے بعد اُسکا نتیجہ ہوتے
ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ جو ہدایتیں لڑنے والوں کو دیجائیں یا ایک مجموعہ
قوانین میں درج ہوں وہ بالضرور ایک ایسے کلام سے مختلف ہونی ہی
چاہئیں جسمیں خدا سے بخشش اور نجات کی طلبگاری کی گئی ہو جہاد بالکفا
کو اُسکے متعارف معنوں کے لحاظ سے ٹھیک ٹھیک جایز یا ناجایز سمجھنا
اُن حالات وقت کے مدِنظر رکھنے پر موقوف ہے جنمیں وہ احکام خاص
دئے گئے تھے۔ چنانچہ ہمکو اس بات کے کہنے میں کچھ تامل نہیں ہے
کہ اسلامی کتب مقدسہ کے ایک بے تعصبانہ مطالعہ سے ہر ایک شخص
یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ وہ تمام لوگ جو ایک خدا کو مانتے اور اعمال صالحہ
بجالاتے ہیں نجات پائینگے۔ اور فی الواقع اُن لوگوں کی تمام دلیلیں ڈھی جاتی
ہیں جو اس بات پر قایم ہیں کہ جہاد کا مقصد تلوار کے ذریعہ سے اسلام
کا پھیلانا تھا۔ کیونکہ بخلاف اسکے سورۂ حج میں صاف لکھا ہے کہ جہاد
کا مدعا مسجدوں اور گرجاؤں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں اور زاہدوں اور
عابدوں کی خانقاہوں کو بربادی سے محفوظ رکھنا ہے" اور ہمکو ابتک
اُس عیسائی مجاہد کا نام معلوم نہیں ہوا جسکا مقصد مسلمانوں کی مساجد و معابد
یہود کی حفاظت کرنا تھا۔ البتہ جب بادشاہ فرڈیننڈ اور ملکہ اسابیلا

نے عربوں کو ھسپانیہ سے جہاں وہ اپنا علم و ہنر لیکر آگئے تھے نکالدیا
تو بالطبع اسپر زور دیا گیا کہ جہاد کو اُسکے متعارف معنوں یعنی عیسائیوں
سے دشمنی رکھنے میں استعمال کیا جاے۔ بے شبہ جہاد کے صرف
یہ معنے سمجھے جانے پر کہ "غیر اقوام کے حملوں سے مسلمانوں کو بچایا جاے"
اسقدر زور دیا گیا ہو کہ تمام مسلمان حربوں [سرداران لشکر] کو یہ قطعی حکم تھا کہ
جس مقام میں اذاں دینے سے کوئی مانع نہو یا جس میں ایک مسلمان
بھی اس امر کے ثبوت کے طور پر رہ سکتا ہو کہ وہاں اُسے کوئی اذیت
نہ پہنچے گی اُسپر ہرگز حملہ آور نہوں"

جہاد مذہبی کی ترغیب فی الحقیقت قرآن کے دوسرے
سورہ [بقرہ] میں دیگئی ہے۔ جو سخت اشتعالک دلائے جانیکی
حالت میں نازل ہوا تھا۔ مگر باوجود اسکے اُسمیں بھی یہ صاف لکھا ہے
کہ "لڑو خدا کے دین کے لیے اُن لوگوں سے جو تمسے لڑتے ہیں"
وغیرہ وغیرہ الی آخرہ۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ لڑو گناہ سے
لیکن نہ گناہ کرنے والوں سے صلح و امن کے زمانہ میں اور اسکے بعد
پھر تیسرے سورہ [آل عمران] میں جہاں لا رَبَّ اَنْتَ[1] ھو سٹس سے
یہ کہکر مدد کے لیے دعا کی گئی ہے کہ "وہ دشمنوں کی کل مخالف فوجوں
سے زیادہ طاقت رکھنے والا ہے" اور جبکہ قریش لوگوں نے یہ
کوشش کی تھی کہ وہ مسلمانوں کو جو جنگ اُحد میں بھاگ نکلے تھے پھر اپنی

[1] رَبَّ الْعَالَمِیْنَ یا رَبَّ الْاَفْوَاج۔ مؤلف عفی عنہ

قدیم بت پرستی کی طرف مائل کریں - اُس سورہ میں جو ترغیب لڑائی کی
دیگئی ہے وہ ایک خاص حالت رکھتی ہے - چنانچہ لکھا ہے کہ "کسقدر
نبیوں کو ایسے مخالفوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہے جو ہزاروں فوجیں رکھتے تھے
مگر باوجود اسکے خدا کے دین کے لیے لڑائی لڑنے میں جو کچھ اُنپر گزرا
وہ اُس سے اپنے دل میں مایوس نہیں ہوئے اور نہ اُن کے
استقلال میں فرق آیا اور نہ اُنھوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا جو اُنکو ذلیل
کرنیوالا ہو - اور خدا نے اُنکو اس دنیا اور عاقبت میں اسکا اجر عظیم عطا فرمایا"
اور پھر آگے چلکر یہ کہا ہے کہ "ہم ضرور کفار کے دلوں میں اندیشہ پیدا
کر دینگے" [یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قریش لوگوں نے
یہ افسوس کیا تھا کہ کیوں ہمنے مسلمانوں کو بالکل نیست و نابود نہ کر دیا اور
یہ خیال کرنا شروع کیا تھا کہ ایسا کرنیکے لیے پھر مدینہ جائیں مگر ایک
ناگہانی آفت کی وجہ سے جو خدا نے اُنپر ڈالدی تھی وہ اپنا ارادہ پورا نکر سکے]
پھر چوتھے سورہ [نساء] میں لکھا ہے کہ "پس لڑ خدا کے دین کے لیے
اور اپنے سوا اور کسی کو اُس کام کے کرنے پر مجبور نکر جو مشکل ہے" یہ
اُن مسلمانوں کیطرف اشارہ ہے جنھوں نے بنی عربی کے ساتھ بدر
کی خفیف لڑائی میں جانے سے انکار کیا تھا اور اسوجہ سے وہ صرف ستر
آدمیوں کو ساتھ لیکر روانہ ہونے پر مجبور ہوا تھا جسکے معنے دوسرے لفظوں
میں یہ ہیں کہ صرف محمدؐ ہی کا یہ فرض تھا کہ خدا کے احکام کی خواہ وہ
کیسے ہی مشکل کیوں نہوں اطاعت کریں" پھر یوں لکھا ہے کہ "بہر حال

مسلمانوں کو لڑائی کی رغبت دلا۔ شاید کہ خداوند عالم کافروں کی دلیری کو
روک دے۔ کیونکہ خدا اُن سے زیادہ صاحب طاقت اور سزا دینے
کی قدرت رکھنے والا ہے" پھر یہ لکھا ہے کہ "جو شخص بھلائی کی غرض
سے لوگوں میں بیچ بچاؤ کرائے اُسکو اُس بھلائی کا حصہ عطا ہوگا" اور
پھر لکھا ہے کہ "جب کوئی تمکو سلام کرے تو اسکا جواب اس سے بہتر الفاظ
میں دو" یعنی جب کوئی مسلمان تمکو "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ" کہکر (جو خاص
اسلامی سلام ہے) سلام کرے تو اُسکے جواب میں یہ کہنا چاہیئے
عَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اور پھر آٹھویں سورہ میں
یہ لکھا ہے کہ "اے گروہ مسلمانان جب تمہارا ایسے گروہ کفار سے
مقابلہ ہو جو تعداد میں بہت زیادہ ہوں تو پیٹھ پھیر کر مت بھاگو کیونکہ جو شخص
اُس روز اُن کے سامنے سے پشت پھیر کر بھاگے گا بشرطیکہ وہ لڑائی
کی غرض سے یا کسی دوسرے گروہ مسلمانان میں شامل ہونیکے لیے نہ پھرا
ہو اُسپر قہر الٰہی نازل ہوگا" مگر بات فی الحقیقت یہ تھی کہ جسوقت یہ حکم دیا گیا
تھا اُسوقت مسلمانوں کو لڑائی لڑنا ایک امر ناگزیر ہو رہا تھا۔ اور اسی سبب سے
اس امر کی ضرورت تھی کہ خصوصیت کے ساتھ ایک سخت حکم دیا جائے
مگر تاہم جس مقام پر کہ جہاد کے معنی یہ بتائے گئے ہیں کہ وہ ایک واجب
کوشش لڑائی لڑکر اُس حالت میں اپنا بچاؤ کرنے کی ہے جبکہ
کسی نے معاملات مذہبی میں نہایت ظالمانہ مداخلت کی ہو وہاں بھی جیسا
کہ ہم پہلے حوالہ دے چکے ہیں اُسکے الفاظ نہایت محدود ہیں۔ چنانچہ

وہ فقرہ تمامہ یہ ہے۔ قرآن سورۃ الحج "جو لوگ کفار کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھائیں اُنکو اس وجہ سے لڑنے کی اجازت دیجاتی ہے کہ اُنکو ناواجب طور سے تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اُنکو گھروں سے ستاستا کر صرف اِس وجہ سے نکال دیا گیا ہے کہ وہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہتے ہیں۔ پس اگر خداوند عالم اُنکے ظلم و تشدد کو دوسرے انسانوں کے ہاتھ سے رفع نکرائے تو بیشک زہاد و عباد کی خانقاہیں اور گرجا گھر اور مسجدیں اور معابد یہود جہاں کہ ہمیشہ خدا کا نام لیا جاتا ہے بالکل ڈھا دیئے جائیں گے"

چونکہ مندرجہ بالا شہادتوں میں ایک مَذْھَبِ عَلَالَتْ کا ذکر آیا ہے جسکے حکم سے عقیدہ مسلمہ فرقہ دومن کیتھلک کے مخالفوں کو نہایت سخت سزائیں دیجاتی تھیں اسلیے اُسکا مفصل حال لکھنا مناسب معلوم ہوا۔ چنانچہ ہم اُسکو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا سے نقل کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔

"اِس عدالت کا نام "انکوئزیشن" تھا اور اِسکا یہ کام تھا کہ جو لوگ مَذْھَبِ عِیْسَوِیْ کی نسبت ملحدانہ اعتقاد رکھتے ہوں یا اُس سے بالکل منحرف ہو گئے ہوں اُنکو تلاش کر کے پکڑے اور سزا دے۔ یہ ہولناک محکمہ جو اِس غرض سے قایم کیا گیا تھا کہ معاملات مذہبی میں آزادانہ تحقیقات نہونے پائے اور مذہب بالکل یکساں طور کا رہے۔ پہلے پہل تیرہویں صدی میں قایم ہوا تھا جبکہ پوپ الفسینٹ سوم نے ایک کمیشن

اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ ناربون کے ملحدوں کو مجرم قرار دیکر انکو
سزائیں دے۔

سنہ ۱۲۰۳ء [بارہ سو تین] میں پوپ نے دو راہبوں کو جو صوبہ نادبون
کی ایک خانقاہ سے متعلق تھے اس غرض سے مقرر کیا تھا
کہ وہ "البجنس" لوگوں کے کفر و الحاد کے برخلاف وعظ کریں۔ اور
چونکہ انکو اپنے کام میں خصوصاً صوبہ ٹولوس میں بہت کامیابی ہوئی
اسلیے پوپ کو یہ جرات ہوئی کہ وہ کانگریگیشن چرچ میں انکوئیزیٹر
[یعنی حکام محکمہ انکوئیزیشن] مقرر کرے جنکو بشپ لوگوں سے کچھ تعلق نہو
اور جو بطور وکلائے محکمہ مقدسہ پوپ کے کام کریں۔ اور انکو ملحدوں کے
سزا دینے کا حق حاصل ہو۔ پوپ نے اپنا یہ مقصد پورا کرنے کی غرض
سے فلیپ دویم بادشاہ فرانس اور امرا اور رؤسائے فرانس کو بھی
اس کام میں مدد دینے کے لیے لکھا اور بطور انعام انکی کوشش اور
سرگرمی کے انکو ہر قسم کے مستلذات نفسانی کے پورا کرنے کی اجازت دی
ملک فرانس میں انکوئیزیشن سنہ ۱۲۶۸ء [بارہ سو ساٹھ] سے برخلاف قوم
البجنس اور انکے محافظ ریمنڈ ششم کونٹ آف ٹولوس کے شروع
ہوا۔ اور ہر طرح کی مخالفت جلد مغلوب کی جا کر چرچ کو بہت جلد ایسی مقدرت
حاصل ہو گئی کہ وہ اپنے مخالفوں سے جو اسکے قابو میں آجائیں جو طرح
چاہے سلوک کرے۔ چنانچہ ان بدنصیب البجنسوں کی تعداد قرار دینا
جو سنہ ۱۲۰۸ء [بارہ سو آٹھ] کے بعد آگ میں جلا جلا کر مارے گیے کچھ آسان

کام نہیں ہے۔ اور ممکن نہیں ہے کہ جو شخص اُس زمانہ کی تاریخ کو پڑھے
اُسکے دل میں نہایت سخت طور کا ہول اور رحمدلی کا خیال پیدا نہو کیونکہ
اُن حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طور پر ہزارہا آدمی قسم قسم کی نہایت
بیرحمانہ تکلیفوں کے ساتھ ایک ایسے مذہب کی فتحمندی کے لیے قتل کئے
گیے کہ جسمیں اُسکے آسمانی بانی نے فیاضی اور رحمدلی کی تلقین کی تھی
سنہ ۱۲۱۵ [بارہ سو پندرہ] میں پوپ انوسینٹ سو یم نے دسویں
دفعہ ایک جنرل کونسل قایم کرکے انواع واقسام کی نئی نئی سزائیں ملحدوں کے
لیے ایجاد کیں جنکی تفصیل نہایت طولانی ہے پوپ انوسینٹ کے بعد
پوپ ھونو ریس سویم نے بھی جو اُسکا جانشین تھا اس طریقہ کو جاری
رکھا اور رفتہ رفتہ ایک ایسی جماعت واعظوں اور سزا دینے والوں کی قایم
ہوگئی جنہوں نے اپنا نام "معاونین و مددگاران عدالت مقدسہ تحقیقات
مذہبی" رکھا۔
سنہ ۱۲۲۴ [بارہ سو چوبیس] میں انکوئیزیشن اٹلی میں بھی قایم ہوگیا
اور جب باوجود اُن تشددات کے آلبجنس لوگوں نے اپنے عقائد کو
نہ چھوڑا بلکہ اُنکو خاص شہر روم میں بھی پھیلا دیا تو پوپ نے برہم ہوکر پہلے
سے بھی زیادہ سخت سخت سزائیں دیئے جانیکا حکم دیا مثلاً زندہ جلا دیا
جانا یا اگر بشپ لوگ ملحدین پر رحم کا اظہار کرنا چاہیں تو بجاے اُسکے صرف
زبان کا کاٹ ڈالنا۔ تاکہ وہ آیندہ خدا کی نسبت کوئی کلمہ کفر نہ کہہ سکیں فرانس
اور اٹلی کے بعد انکوزیشن اسپین میں قایم ہوا۔ اور اُس سرزمین میں یہ

پودا خوب ہی پھولا پھلا - اور بادشاہ فرڈینینڈ اور ملکہ ایسابیلا کے
زمانہ مین تو انکوزیشن نہایت ہی عام ہوگیا ہے - اور بڑے زور کیساتھ
مدت ہاے مدید تک جاری رہکر آخر کار اٹھارہ سو آٹھ ۱۸۰۸ء میں
موقوف ہوا - اس ملک میں ایک عمدہ گرانڈ انکوزیٹر جنرل کا
اور اُسکے بعد ایک کونسل آف سپریم" قائم کی گئی جسکی شاخیں تمام اضلاع
اسپین میں پھیلی ہوئی تھیں - جنکا کام قوانین بنانا اور اس محکمہ کے استحکام
اور اوسکی کارروائی کے یکسان جاری رہنے کی نگرانی کرنا تھا - یہانتک
کہ رفتہ رفتہ یہ محکمہ ایذا رسانی اور تکلیف دہی کی ایک ایسی مکمل کل بنگیا کہ
جسکا نمونہ تاریخ عالم میں اُس سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا - ایک مجموعہ ہدایات
بمقام سیویل چھاپا جاکر مشتہر ہوا جسکی اٹھائیس ۲۸ دفعات تھیں جنکی تفصیل
نہایت طولانی ہے - مثلاً چھٹی دفعہ میں یہہ درج تھا کہ "جو شخص اپنے
گناہ سے توبہ کرے اور بخشدیا جاے پھر بھی اوسکو بطور بقیہ اُس سزا کے
جو اوسکے لئے تجویز کی تھی یہہ سزا دیجاے کہ وہ کسی قسم کے بہانت پتیہ
کے اختیار کرنے اور سونا چاندی - موتی ریشم اور عمدہ ململ کے استعمال
سے محروم کیا جاے" پھر بیسویں دفعہ میں لکھا تھا کہ "اگر کسی شخص کے
مرنیکے بعد اُسکی کتابوں یا زندگی کے اطوار سے یہ ثابت ہو کہ وہ ملحد
تھا تو اُسپر کفر و الحاد کا فتوی لگایا جاکر اوسکی لاش قبر میں سے نکلوا کر پھینکدیجاے
اور اُسکا کل مال و اسباب ضبط کیا جاکر اُسکے وارثوں کو کچھہ نہ دیا جاے"
پھر بائیسویں دفعہ میں یہ حکم تھا کہ "جو شخص کفر کا فتوی پاکر سزایاب ہوا ہو

اور اوسکی اولاد کم عمر ہو تو اُسکے ضبط شدہ مال کا ایک تھوڑا سا حصہ خیرات
کے نام سے انکو دیا جاے اور وہ تعلیم مذہب عیسوی کے لئے کسی
مناسب شخص کے سپرد کئے جائیں۔

جو الزامات محکمۂ مقدسہ انکویزیشن کے نزدیک قابل مواخذہ تھے
وہ یہ ہیں (۱) ہر قسم کا کفر و الحاد مذہب عیسوی میں (۲) یہودیت (۳) اسلام
(۴) جرائم خلاف فطرت اور تعدد ازدواج۔

المختصر یہ عدالت مقدسہ ایسی غالب اور ایسی ہولناک تھی کہ ماں باپ
اپنے بچوں اور خاوند اپنی جوروؤں اور مالک اپنے نوکروں کو بغیر زبان
ہلانے کے چپ چاپ اسکے حوالہ کر دیتے تھے۔ بلکہ اسکی قوت زیادہ تر
وہ خوف ہی تھا جو اسنے لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیا تھا۔ اور خلایق کے
دلوں میں اسکی ہیبت ایسی عام ہو گئی تھی کہ رئیسوں اور بادشاہوں
تک اسکے نام سے کانپتے تھے۔ جسقدر انسانوں کی جانیں اس بیرحمانہ
عدالت مذہبی نے تلف کرائیں اُنکی تعداد ٹھیک ٹھیک بیان کرنی آسان
نہیں ہے۔ چنانچہ صرف اسپین ہی میں بقول سیدرکا رنٹی تین لاکھ
چالیس ہزار آدمی اس محکمہ سے مستوجب سزا قرار دیئے جاکر کسی نہ کسی طرح
کی تکلیف سے برباد کئے گئے۔ جن میں سے تقریباً تیئیس ہزار آدمی تو زندہ
آگ میں جلاکر مارے گئے۔ اور اگر اس تعداد میں وہ تمام بدنصیب لوگ
شامل کر دیئے جائیں جو عدالتہاے مقامات میکسیکو۔ لیما۔ کارتھی جینا
سسلی۔ سارڈینیا۔ اورن۔ مالٹا۔ نیپلس۔ میلان اور فلینڈرس

سے جبکہ اِن ملکوں میں اسپین کی حکومت تھی سزایاب ہوے تھے
تو غالباً یہہ ثابت ہوگا کہ نصف ملین سے زیادہ بدنصیب آدمی اس
سنگدل مقدس محکمہ سے طرح طرح کی سزائیں پاکر دنیا سے گئے "

"مسلمانوں کی سلطنت اسپین میں تقریباً آٹھ سو برس تک رہی اور
فرڈیننڈ کے زمانہ حکومت سے لیکر فلیپ سویم تک تیس لاکھ
سے زیادہ مسلمان لوگوں نے ظلم وستم سے تنگ آکر اسپین سے
ہجرت کی "+

یہ کیفیت اور حالت تو رومن کاتھلک فرقہ کے عیسائیوں کے
ظلم وجور اور تعصب اور سنگدلی کی تھی - جو مذہب کے معاملہ میں
صدیوں تک انہوں نے ظاہر کی - لیکن پراٹسٹنٹ فرقہ نے جب
فروغ پایا تب بھی علماے مسیحی کی مذہبی تعدی میں کچھ فرق نہ آیا چنانچہ
ہالم صاحب اپنی تاریخ آئین سلطنتِ انگلستان کی جلد اول کے
باب دویم میں لکھتے ہیں کہ "اِس دینِ مہذب کے مختلف شعبوں اور
فرقوں سے سب سے بڑا گناہ جو سرزد ہوا ہے وہ یہہ ہے کہ بندگان
خدا پر دین میں زور وزبردستی کرتے ہیں اور یہہ گناہ ایسا ہے کہ ہر ایک
ایماندار آدمی جتنی زیادہ کتابوں کی سیر کرتا جاتا ہے اُتنی ہی اُسکو اُن سے
کدورت اور نفرت ہوتی جاتی ہے "

+ یہہ فقرہ انسائکلوپیڈیا کی بیسوین جلد صفحہ ۴۷۵ سے لیا گیا ہے اور اوپر کے کل
مضمون سے جو بارھویں جلد سے نقل کیا گیا ہے - جدا ہے - مولف عفی عنہ

میرے محترم دوست مولوی سیّد امیر علی صاحب
سلمہ اللہ تعالیٰ لیکی صاحب کی تاریخ مذہب معقول پسند کی جلد دوم صفحہ
۹۴ کی سند سے لکھتے ہیں کہ "جب کالون نے سرویس کو صرف اسوجہ سے
زندہ جلوا دیا کہ اُسکے اعتقادات تثلیث کے باب میں جمہور علما کے برخلاف
تھے تو سب پراٹسٹنٹ فرقوں نے کالون کے اس فعل کی بڑی
تعریف کی اور میلانکتھن اور بلنجر اور فارل نے اِس گناہ کی تعریف میں نامے
لکھے اور بیزا نے جو ایک بڑا عالم تھا اس فعل کی تعریف میں ایک بڑا رسالہ
تصنیف کیا" وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ "ہر ایک صاف دل آدمی کو ان قوانین
انگلستان کے دیکھنے سے کیسا صدمہ روحانی ہوتا ہے جن میں روم کی تقلید
اور ڈسنٹر اور نن کن فارمسٹ اور اور فرقوں کے لئے صرف اختلاف
مذہب کی وجہ سے کیسی کیسی شدید سزائیں لکھی ہیں کہ العظمۃ للہ۔

اب امید ہے کہ مندرجہ بالا شہادتوں اور ان تاریخی واقعات کو پڑھکر
انصاف دوست ناظرین خود فیصلہ کرلینگے کہ سر ولیم میور اور اُن کے
ہمخیال لوگوں کے اِس قول میں کتنی سچائی ہے کہ "اسلام کا وجود اور بقا
اسپر موقوف تھا کہ اور ملکوں پر ہمیشہ تعدی اور دست درازی کیجاے۔ اور
اس دین کا تمام عالم میں شایع ہونا اور اس سلطنت کا ساری دنیا میں قایم
ہونا اسپر منحصر تھا کہ یہ دین بزور شمشیر قبول کرایا جاے" اور یہ کہ "اسلام نے
مذہبی آزادی یعنی یہ بات کہ لوگ جو نسا مذہب چاہیں اختیار کریں اور اسکے
لوازم مذہبی۔ آزادی سے ادا کریں بالکل روک دی ہے بلکہ معدوم

کردی گئی ہے۔ تحمل کا تو نام و نشان بھی نہیں دکھائی دیتا" سبحان اللہ
مومن خان دھلوی گویا اسی موقع کے لئے کہہ گیا تھا ؎

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اب ہم چند پیشین گوئیاں نقل کرتے ہیں جو قرآن مجید میں بڑی صراحت کے ساتھ فرمائی گئی ہیں جنسے ثابت ہوگا کہ وہ انسان کا نہیں بلکہ بے شبہ اسی کا کلام ہے جسکے نزدیک عالمِ غیب و شہادۃ دونوں یکسان ہیں۔ کیونکہ کسی شخص کو خواہ وہ پیغمبر اور نبی ہی کیوں نہو یہ قدرت حاصل نہیں ہے کہ خدا کے بتائے بغیر امورِ غیب سے واقف ہوجائے۔ اور کوئی ایسی بات بیان کرے جسکا سوقت وجود نہو۔ اور پھر وہ بات اسی طرح پر واقع ہو جس طرح پر کہ اُسنے اُسکے واقع ہونے کی خبر دی ہو جو اوسکی سچائی اور منجانب اللہ ہونے کی معیار ہے۔ چنانچہ توریت اور اور صحف مقدسہ میں جو بعض پیشین گوئیاں بیان ہوئی ہیں وہ اسیواسطے وحی و الہام کے رو سے سمجھی جاتی ہیں کہ اپنے اپنے وقت پر ٹھیک ٹھیک وقوع میں آئیں۔ مثلاً وہ پیشین گوئی جو خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو جبکہ وہ کنعان میں پہنچے بطور وعدہ کے فرمایا کہ "یہہ زمین تیری اولاد کو دونگا" (توریت کتاب اول باب ۱۲۔ آیت ۷) اور جبکہ حضرت لوطؑ اُن سے جدا ہوگئے تو پھر خدا نے اُنسے کہا کہ "آنکھیں کھول اور چاروں طرف دیکھ کہ یہہ تمام زمین جو تو دیکھتا ہے تیری اولاد کو دونگا۔ اور تیری اولاد کو زمین کی

ریت کے مانند کرونگا۔ جو کوئی ریت کے ذرونکو گن سکے تو تیری اولاد کو بھی گن سکیگا"
(کتاب الیضاً باب ۱۳ آیت ۱۴-۱۵-۱۶) پھر ایک دفعہ خدا نے اُنسے وعدہ
کیا کہ "تیری اولاد اتنی ہوگی جتنے آسمان کے ستارے جنکو کوئی گن نہیں سکتا"
(کتاب الیضاً باب ۱۵ آیت ۵) پھر خدا نے اُنسے ایک اور پکا وعدہ کیا کہ
"یہ زمین مصر کے دریا سے فرات کے دریا تک تیری اولاد کو دونگا"
(کتاب الیضاً باب ۱۵ آیت ۱۸) اور جبکہ وہ بوڑھے ننانوین برس کے ہوگئے
تھے تو پھر خدا نے اُنسے وعدہ کیا کہ "تجھ میں اور مجھ میں یہ وعدہ ہوتا ہے
کہ تجھکو زیادہ سے زیادہ کرونگا۔ تو بہت سی قومونکا باپ ہوگا۔ تجھسے قومیں
پیدا ہونگی۔ تجھسے بادشاہ نکلینگے۔ اور تیری اولاد سے بھی یہ ہمیشہ کا عہد
ہوگا اور کنعان کی زمین بوراثت دائمی تجھکو دونگا" (کتاب الیضاً باب ۱۷
آیت ۳-۴-۵-۷-۸) علیٰ ہذا القیاس وہ وعدے جو خدا نے حضرت
اسحاقؑ و یعقوبؑ سے کئے۔ چنانچہ جب یعقوبؑ بیر شبع سے
حارن کی جانب روانہ ہوے اور ایک مقام پر پتھر سرہانے رکھکر سوے
تو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سیڑھی زمین سے آسمان تک لگی
ہوئی ہے۔ اور خدا کے فرشتے اُسپر اُترتے چڑھتے ہیں۔ اُسپر خدا نے
کھڑے ہوکر کہا کہ "میں تیرے باپ ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کا خدا ہون۔
یہ زمین جسپر تو سوتا ہے تجھکو اور تیری اولاد کو دیتا ہوں۔ تیری اولاد زمین کی
ریت کے برابر ہوگی۔ اور چاروں طرف پھیل جائیگی" (کتاب الیضاً باب ۲۸
آیت ۱۲-۱۳-۱۴) زبور سے ثابت ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ

سے جو عہد کیا تھا وہی بعد کو بھی قایم رہا اور وہ صرف کنعان کی زمین دینے
کا عہد تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "وہ عہد جو اُس نے ابراہیمؑ سے کیا اور اسحاقؑ
سے اُسکی قسم کھائی۔ اور یعقوبؑ سے بمنزلہ قانون کے مقرر کیا اور اسرائیل
سے عہد دائمی کیا اور کہا کہ زمین کنعان تجھکو دیتا ہوں تاکہ تیری میراث کا حصہ ہو"
(زبور باب ۱۰۵ آیت ۹-۱۰-۱۱) اور اس وعدہ کا پورا کرنا خدا نے یوں بتلایا کہ
جب حضرت موسیٰؑ موآب کے جنگل میں نبو پہاڑ پر چڑھے جو یریحو
کے سامنے ہے تو خدا نے اُنسے فرمایا کہ "یہ وہ زمین ہے جسکی نسبت
میں نے ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ سے قسم یہ وعدہ کیا تھا کہ تمہاری اولاد
کو دونگا۔ پس یہ زمین میں تجھکو آنکھوں سے دکھلا دیتا ہوں مگر تو وہاں
نہیں جائیگا" (توریت کتاب ۵ باب ۳۴ آیت ۴)

خدا نے جو وعدہ حضرت ابراہیمؑ سے کیا۔ اگرچہ حضرت اسحاقؑ
و اسمٰعیلؑ دونوں اُسمیں داخل تھے۔ مگر خدا نے حضرت اسماعیل کے
حق میں کمال فضل و مہربانی سے ایک علحدہ وعدہ بھی فرمایا کہ "میں نے تیری
دعا اسماعیلؑ کے حق میں قبول کی۔ ہاں میں نے اُسے برکت دی اور اُسے
بارآور کیا۔ اور اُسے بہت کچھ فضیلت دی۔ اُس سے بارہ امام پیدا ہونگے
اور اُسکو بڑی قوم کرونگا" (توریت کتاب اول باب ۱۷۔ آیت ۲۰)

اب دیکھو کہ یہ وعدے جنکا انکشاف ان انبیا علیہم السلام پر وحی کے
ذریعہ سے ہوا تھا اپنے اپنے وقت پر سب پورے ہوئے اور جس
طرح حضرت اسحاقؑ کے حق میں اس وعدہ کا ایفا جسمانی اور روحانی

دونوں طرح پر ہوا یعنی اُنکی نسل میں بادشاہ بھی ہوے اور انبیاء اور اولیا اور
شہدا و علما بھی جنکی حد و شمار نہیں ہے۔ اور زمین موعود پر اونکا قبضہ ہوا
اُسی طرح بلکہ اُس سے بڑھکر وہ وعدہ بھی پورا ہوا جو حضرت اسماعیلؑ کے
باب میں ہوا تھا۔ چنانچہ جسمانی طور پر تو اسطرح کہ حضرت یعقوبؑ بن
اسحاقؑ کی مانند انکو بھی خدا نے بارہ بیٹے دیئے جن سے بارہ قومیں پیدا
ہوئیں اور رفتہ رفتہ تمام ملکِ عرب اس سرے سے اُس سرے
تک اُنسے بھر گیا۔ اور روحانی طور پر اسطرح کہ اُنکے دوسرے بیٹے "قیدار"
کی نسل میں وہ فخر اولین و آخرین پیدا ہوا۔ جسکا نام مبارک "محمد" اور لقب
شریف "احمد" ہے جو نام اور لقب دونوں کے اعتبار سے محمود و
ممدوح ہے ۵ دل وجانم فدایت یا محمدؐ۔ سر من خاک پایت یا محمدؐ
اور جو سرخیل انبیا بھی ہوا اور موسیٰؑ اور سلیمانؑ کی طرح بادشاہ بھی
اور اس طرح پر وہ پیشین گوئیاں پوری ہوئیں جو حضرت موسیٰؑ اور
حضرت حبقوق نبی نے فرمائی تھیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ فرماتے ہیں
کہ "اور کہا خداوند سینا سے نکلا۔ اور سعیر سے چمکا۔ اور فاران* کے
پہاڑ سے ظاہر ہوا۔ اُسکے داہنے ہاتھ میں شریعت روشن۔ ساتھ لشکر
ملائکہ کے آیا" (توریت کتاب ۵ باب ۳۳ آیت ۲) اور حضرت حبقوقؑ فرماتے
ہیں کہ "آئیگا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے۔ آسمانوں

* اس امر کی تحقیق کہ فاران مکہ معظمہ کے پہاڑوں کا قدیم نام ہے کتاب خطبات احمدیہ
کے پہلے اور دوسرے خطبہ میں دیکھو۔ مؤلف عفی عنہ۔

کو جمال سے چھپا دیا۔ اُسکی ستایش سے زمین بھر گئی (کتاب حبقوقؑ نبی
باب ۳ آیت ۳) اور عادت اللہ کے موافق اُس رسول اکرم فخر
بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی پختہ وعدہ ہر طرح کی خیر و برکت
کا ہوا۔ چنانچہ خدا نے فرمایا "اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ + فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ
اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ (قرآن مجید سورۂ کوثر) یعنی بیشک عطا
کی ہمنے تجکو "کوثر" یعنی دنیا و آخرت میں ہر قسم کی خیر و برکت اور کثرت
وحدت۔ پس شکر بجالا اپنے پروردگار کا اور (مشرکوں کے برخلاف
اُسکے نام پر) قربانی کر۔ بیشک تیرا دشمن ہی "ابتر" (یعنی مقطوع
النسل اور ہر ایک طرح کی خیر و برکت سے محروم) ہے"

یہ وعدہ خدا تعالیٰ نے اُس زمانہ میں آنحضرتؐ سے فرمایا تھا جبکہ
آپ مکہ میں تھے۔ اور تمام قوم آپکی سخت دشمن اور جان کی لاگو ہو رہی تھی
اور آپ بے یار و مددگار اور ہر طرح سے مجبور و ناچار تھے۔ اور آپ کے
چھوٹے چھوٹے صاحبزادے یکے بعد دیگرے قضا کر چکے تھے اور
دشمنوں نے حقارتاً آپکا نام "ابتر" رکھ چھوڑا تھا۔ اور بظاہر کسی طرح کی
امید اس عظیم الشان اور خلاف توقع وعدہ کے پورا ہونے اور ظہور میں آنیکی
نہ تھی۔ اب دیکھو کہ یہ وعدہ بھی اُسی طرح پورا ہوا جس طرح مذکورۂ بالا وعدے
پورے ہوئے تھے۔ چنانچہ روحانی طور پر تو اس طرح کہ خاص آپ کے
خاندان میں اور آپ کی نسل میں آئمہ اثنا عشر علیہم السلام پیدا ہوئے جو سرخیل
اوصیا و نائب برحق اور مظہر اتم آپکے کمالاتِ روحانی و باطنی کے ہیں۔

اور جنکے حق میں وحی کے رو سے آپ نے فرمایا تھا "اَلَا اِنَّ مَثَلَ اَهْلِ
بَيْتِيْ فِيْكُمْ كَسَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجٰى وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ (رواہ احمد)
یعنی آگاہ ہو کہ بیشک مثال میرے اہل بیت کی تم میں نوح کی کشتی کی سی
ہے جو اُسمیں چڑھگیا بچگیا اور جو اُس سے ہٹ رہا ڈوب گیا۔ اور جن کی
اطاعت و اتباع کی ہدایت یہ کہکر فرمائی تھی "اَلَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ
يُوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ رَسُوْلُ رَبِّيْ فَاُجِيْبَ۔ وَاَنَا تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ
اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا
بِهٖ۔ وَاَهْلُ بَيْتِيْ۔ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ
فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) یعنی حجۃ الوداع کے بعد مدینہ کو
واپس جاتے ہوئے بمقام غدیر خم آنحضرت نے لوگوں کو مخاطب کرکے
فرمایا کہ "آگاہ ہو کہ میں صرف ایک آدمی ہوں قریب ہے کہ میرا پروردگار
مجکو بلاوے اور میں جاؤں۔ اور میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑنے
والا ہوں جنمیں سے پہلی چیز خدا کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی
ہے۔ پس جو اُسمیں ہے اُسکو لو اور مضبوطی سے اُسپر عمل کرتے رہو
اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں جنکے لئے میں تمسے خدا کو ضامن
لیتا ہوں" اور مکرر فرمایا کہ "میں اپنے اہل بیت کے باب میں
تم سے خدا کی ضمانت چاہتا ہوں" اور ترمذی نے جابر کی
سند پر روایت کی ہے کہ "اُنہوں نے کہا کہ میں نے ایام حج میں عرفہ
کے روز آنحضرتؐ کو دیکھا کہ قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار ہیں اور خطبہ

پڑھتے ہیں - پس میںنے آپکو یہ فرماتے سنا "یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّی تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا - کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ یعنی اے لوگو میںنے تم میں چھوڑی ایسی چیز کہ اگر تم اُسکو پکڑے رہوگے (یعنی اُسکا اتباع کروگے) کبھی گمراہ نہوگے - کتاب اللہ اور میرے اہل بیت" اور اسی جلیل الشان محدث نے زید بن ارقم کی سند پر روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ "فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَحَدُھُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ - کِتَابُ اللّٰہِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ - وَعِتْرَتِیْ اَھْلُ بَیْتِیْ وَلَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَخْلُفُوْنِیْ فِیْھِمَا" یعنی - میں چھوڑنیکو ہوں تم میں ایک ایسی چیز کہ اگر تم اُسکو مضبوط پکڑے رہوگے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہوگے جو ایک دوسری چیز سے بزرگ تر ہے - یعنی کتاب اللہ جو گویا ایک رسی ہے آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی - اور میرے اہل بیت اور یہ دونوں ہرگز جدا نہیں ہونیکے یہانتک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں - پس سوچو کہ میرے بعد ان دونوں سے کس طرح پیش آؤگے جن بزرگواروں کے وجود ذیجود سے اُس بشارت کی تکمیل ہوئی جو خدا تعالےٰ نے حضرت اسماعیلؑ کے حق میں فرمائی تھی کہ "اوسکی نسل میں بارہ ۱۲ امام پیدا کرونگا" اور ان کے سوا آپ کی امت میں بے انتہا اولیا و شہدا اور علما پیدا ہوے - جنکے نام ستاروں کی طرح روشن ہیں - اور وہ

شریعتِ روشن جسکی خبر موسیٰؑ نے دی تھی شرق سے غرب تک اور
جنوب سے شمال تک تھوڑے ہی عرصہ میں پھیل گئی - اور ابتک بھی
پھیلتی جاتی اور ظلمت کو نور سے بدلتی جاتی ہے جیسا کہ ہم اپنی اس کتاب
میں ایک مقام پر مشروحًا بیان کر آئے ہیں - اور جیسا کہ حضرت جنفوقؑ نے
فرمایا تھا تمام زمین آپکی ستایش سے بھر گئی اور تمام جہان آپ کے نام نامی سے
واقف ہوگیا - صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ -

اور جسمانی طور پر اس طرح کہ آپکی لخت جگر صدیقۂ کبریٰ فَاطِمَۃُ
الزَّھْرَا سَلَامُ اللّٰہِ عَلَیْھَا کے بطن شریف سے حَسَنَیْنِ عَلَیْھِمَا السَّلَامُ
پیدا ہوے اور اُسی طرح آپکے فرزند کہلائے جس طرح کہ حضرتِ ابن مریمؑ
ماں کی وجہ سے حضرتِ داؤدؑ کے فرزند کہلائے - اور اُن کی نسل پاک
سے لاکھوں سادات دُنیا میں موجود ہو گئے - جنکا "لَحْمُکَ لَحْمِیْ وَدَمُکَ
دَمِیْ" مورو ثی خطاب ہے - اور باوجود اُس کاٹ چھانٹ کے
جو بَنِیْ اُمَیَّہ اور بَنِیْ عَبَّاس نے اپنے اپنے زمانہ میں برابر جاری
رکھی وہ شجرۂ طیبہ بڑھتا ہی گیا - اور آخر کار اسکا مصداق بنگیا کہ "اَصْلُھَا
ثَابِتٌ وَفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ" یعنی - ایک ایسا درخت کہ جسنے مضبوط جڑ پکڑی
ہو اور اوسکی شاخیں ایسی اونچی ہوں کہ گویا آسمان سے باتیں کرتی ہیں"
اور جن لوگوں نے اُسکو اکھاڑنا چاہا اُنہیں کی جڑیں اُکھڑ گئیں والحمد للہ علیٰ ذالک

اِسکے علاوہ مسلمانوں میں ایسے بڑے بڑے خلیفے اور بادشاہ
خدا نے پیدا کیے کہ جنکی سلطنت و شوکت سلیمانؑ کی سلطنت و شوکت

سے کچھ کم نہ تھی اور اُنہوں نے کنعان اور زمین موعود پر بھی قبضہ کیا جو
غیر خدا پرستوں کے ہاتھ میں چلی گئی تھی - اور اُس ورثہ کو ابراھیمؑ کی نسل
میں پھر لے آئے - اور جبتک خدا کی مرضی ہے وہ ابراھیمؑ کا ورثہ
اُنکے حصہ میں رہیگا - اگرچہ حقیقی قیام و بقا صرف خدا کی ذات کو ہے
اور اس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید بیشک اُسی کا کلام ہے جو
عالم الغیب اور اپنے ہر قسم کے وعدوں کے پورا کرنے پر قادر ہے
دوسری پیشین گوئی اُس امام مظلوم کی شہادت کی خبر ہے جس کو
خود اُسکے نانا رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی اُمت
کے بعض بدبخت لوگوں نے تین ۳ دن کا بھوکا پیاسا مع دوستوں اور
عزیزوں اور بھائیوں اور بھتیجوں کے حق بات کے کہنے اور کرنے اور
ناحق بات کے نہ ماننے پر شہید کیا - یہانتک کہ چھ مہینے کے شیر خوار بچہ
تک کو زندہ نہ چھوڑا اور عین سجدہ کی حالت میں اُسکا سر مبارک
کاٹ لیا اور اُس کے اور تمام شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر چڑھایا - اور
لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا - مال و اسباب لوٹ لیا ! اور
خیموں کو جلا دیا - اور اُسکے حرم محترم کو قید کر کے بے مقنع و چادر
ننگی پیٹھ کے اونٹوں پر بٹھا کر جن کی مہار اُسکا بیمار و ناتوان فرزند (جو صرف
ایک وہی زندہ باقی رہگیا تھا) گلے میں طوق اور پانو میں بیڑیاں پہنے ہوئے
کھینچتا تھا ! کربلا سے کوفہ و دمشق کو لے گئے - اور اُس کی
اور اُسکے دوستوں اور عزیزوں کی لاشیں خاک و خون میں غلطاں کربلا کی

جلتی ہوئی زمین پر کئی دن تک بے گور و کفن پڑی رہیں۔ جنکا بجز دن کی دھوپ اور رات کی شبنم کے کوئی بھی خبر گیراں نہوا۔ جو ایک ایسا دردانگیز وحسرت خیز عظیم واقعہ ہے کہ جسکی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ہے قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو جو اس عمر کو پہنچ گیا تھا کہ اُن کے ساتھ دوڑ کر چل پھر سکے کہا کہ "یا بنیّ اِنّی اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی۔ قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ۔ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْشَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ۔ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ۔ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۔ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ (سورۂ صافات)

یعنی اے فرزند میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجکو (قربانی کے لئے) ذبح کرتا ہوں۔ پس تو سوچ کہ تیرا دل کیا کہتا ہے؟ بولا ابا جان جو کچھ آپکو حکم دیا جاتا ہے وہ کیجئے۔ آپ دیکھ لینگے کہ انشاء اللہ میں اُسکو برداشت کرونگا۔ پس جب دونوں راضی بقضا ہو گئے۔ اور ابراہیمؑ نے اُسکو ذبح کرنے کو ماتھے کے بل لٹا لیا۔ تو ہمنے یہ کہکر اُسکو پکارا کہ (بس) اے ابراہیمؑ تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ بیشک ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں سچے دل سے نیکی کرنے والوں کو بے شبہ یہ تو بہت ہی سخت امتحان ہے اور ہم نے اُس لڑکے کو ایک بڑی قربانی کے بدلے بچا لیا اور اُسکا ذکر خیر پیچھے آنے والوں میں چھوڑا"

اِس آیۂ کریمہ میں جو "عَظِیم" کا لفظ "ذِبح" یعنی ذبیح کی صفت
میں وارد ہوا ہے۔ مفسرین نے اوسکی نسبت طرح طرح کی توجیہیں کی
ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ اِبرٰاہِیم نے اُس لڑکے کے عوض جو
مینڈھا قربانی کیا تھا بڑا اور موٹا تازہ ہونے کی وجہ سے اُسکو عظیم کہا گیا
کسیکا قول ہے کہ اِس سبب سے عظیم کہا گیا کہ اُسنے خریف کی چالیس
فصلیں بہشت میں چری تھیں۔ کسی نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ وہی
مینڈھا تھا جسکو ھابیل بن آدم عَلَیہِ السَّلَام نے پہلے پہل قربانی
کیا تھا۔ اور جبریل اُسکو بہشت سے لے آئے تھے۔ کسی نے
لکھا ہے کہ اِبرٰاہِیم کے بیٹے کا فدیہ ہونے کی وجہ سے "عظیم"
کا اطلاق اُسپر ہوا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ سب توجیہیں نہایت رکیک
ہیں۔ کیونکہ ایک جانور خواہ وہ بہشت ہی کی گھاس سے کیوں نہ پلا ہو
ایک انسان (پھر انسان بھی کیسا کہ نبی اور نبی زادہ) کا ہرگز بدلہ نہیں ہوسکتا
کیونکہ ناقص چیز کامل شے کا عوض نہیں ہوسکتی۔ اور نہ قرآن مجید
کی معجزانہ بلاغت کا یہ مقتضا ہے کہ ایک ناچیز جانور پر "عظیم" کا
اطلاق اُسمیں ہو۔ اور اسلئے ضرور ہے کہ اِبرٰاہِیم کے بیٹے کا فدیہ
کوئی ویسا ہی مقبول خدا اور عظیم المرتبہ ہو جیسا کہ وہ خود تھا۔ پس
حق یہ ہے کہ وہ بڑی قربانی جسکے بدلے خدا نے اِبرٰاہِیم کے بیٹے
کو بچا لیا وہ تھی جو (۶۱) ہجری کے ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو جمعہ
کے روز دوپہر ڈھلنے کے بعد کربلا کے قیامت خیز میدان

میں اُسی طرح وقوع میں آئی جس طرح پر کہ ابراھیمؑ کے بیٹے کی قربانی وقوع
میں آنے والی تھی۔ یعنی سجدہ کی حالت میں ٹھیک اُسی طرح پر اُسکو ذبح کیا
گیا۔ جس طرح پر کہ ابراھیمؑ نے بیٹھ کی طرف سے بیٹے کو ذبح کرنا چاہا تھا
ہاں اتنا فرق بیشک ہوا کہ ابراھیمؑ کا بیٹا کم سن لڑکا تھا اور باپ نے
ہاتھ پانو باندھکر اُسکو ماتھے کے بل ذبح کرنے کو لٹایا تھا۔ مگر علیؑ کے بیٹے
کی عمر چھپن سال سے تجاوز کر چکی تھی اور اُسنے اپنی مرضی اور اختیار سے
سجدہ کے لئے اپنا ماتھا زمین پر رکھا تھا۔ ابراھیمؑ کا بیٹا تین دن کا بھوکا
پیاسا نہ تھا۔ مگر علیؑ کے بیٹے کو تین دن سے پانی کا ایک قطرہ بھی
نصیب نہوا تھا۔ ابراھیمؑ نے ایک مینڈھے کو قربان کیا اور بیٹے کو
بچالیا مگر علیؑ کے بیٹے کے دوستوں اور عزیزوں اور بھائیوں اور بھتیجوں
اور بیٹوں اور بھانجوں غرض بہتّر سے زیادہ لوگوں نے اپنی جانیں
قربان کر ڈالیں۔ مگر پھر بھی اُسکو نہ بچا سکے! ابراھیمؑ ہنستا اور خوش
ہوتا ہوا بیٹے کو زندہ و سلامت اوسکی غمگین اور نراس ماں کے پاس لیگیا
مگر علیؑ کے بیٹے کے سر کو دشمن اُسکی روتی پیٹتی سر برہنہ بہنوں اور بیٹیوں
کے ساتھ ایک شقی ترین خلایق کے خوش کرنے کو اُسکے تخت کے
سامنے لے گئے!!! ابراھیمؑ کے بیٹے کی قربانی کا دن اُسکے جان سے
بچ جانے کی خوشی منانے کے لئے عید قرار پایا۔ مگر علیؑ کے بیٹے
کی قربانی کا دن رونے پیٹنے اور سوگ منانے کا دن مقرر ہوا۔

ہمارے اِس بیان کو پڑھکر ناظرین غالباً یہہ خیال کرینگے کہ یہ ایک

بالکل نئی بات ہے جسکو مفسرین میں سے کسی نے بھی بیان نہیں کیا +
مگر ہم کہتے ہیں کہ بیشک عامہ مفسرین نے اسکو بیان نہیں کیا۔ مگر قرآن
جسکے گھر میں اترا ہے اور جنکو "اَحَدُ الثَّقَلَیْن" کہا گیا ہے انہوں نے
اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے اور یہ ہی حق ہے۔ اگرچہ یہ
امر مختلف فیہ ہے کہ وہ لڑکا جسکو حضرت ابراھیم نے قربانی کرنا
چاہا تھا حضرت اسماعیل تھے یا حضرت اسحاقؑ۔ مگر اس سے اس
پیشین گوئی میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ پیشین گوئی کا مقصد
صرف اولاد ابراھیمؑ میں سے ایک بڑے شخص کا فدیہ ہونا تھا
اسماعیلؑ یا اسحاقؑ کی نسل کی کچھ تخصیص نہ تھی۔ چنانچہ وہ مقصد پورا
ہوا اور حضرت اسماعیلؑ کی نسل شریف میں سے حسینؑ بن علیؑ
علیہما السلام شہادت عظمیٰ کے رتبہ عالیہ پر فائز ہوئے جسکا ذکر نہایت
حسرت اور افسوس کے ساتھ تقریباً دنیا کے تمام حصوں میں ہوتا ہے
اور ہوتا رہیگا۔ جو اس وعدہ کی صداقت کی دلیل ہے جو خدا نے آپکے
حق میں فرمایا تھا کہ "وَتَرَکْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْن"۔ اسمیں شک نہیں
کہ حضرت ابراھیمؑ کے اس غایت درجہ کے مخلصانہ و صابرانہ فعل کا
کہ خدا کے لئے اپنے لخت جگر کو دریغ نہ کیا ہمیشہ تعریف کے ساتھ ذکر

+ اہل سنت مفسرین نے تو نہیں مگر ملا معین الدین واعظ کاشفی نے اپنی کتاب
معارج النبوت میں حضرت امام ہمام جعفر الصادق علیہ السلام کی سند پر
یہی لکھا ہے جو ہمنے بیان کیا ہے۔ مولف عفی عنہ

ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہیگا - لیکن اُس زور و شور و قیامت کی سی دھوم دھام کے ساتھ نہیں ہوتا جیسا کہ علیؑ کے عظیم المرتبہ فرزند کی قربانی کا ذکر خیر ہوتا ہے اور ہوتا رہیگا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ -

یہ پیشین گوئی تو قرآنی تھی جو اپنے وقت پر ٹھیک ٹھیک پوری ہوئی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وحی کے ذریعے سے اس ہولناک واقعہ کی خبر دینا بھی اُس حد کو پہنچ گیا ہے جسمیں کسی طرح شبہ نہیں ہو سکتا چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنی مستند کتاب سرّ الشہادتین میں لکھتے ہیں کہ "وَاَمَّا اِخْبَارُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بِهٰذِهِ الْوَاقِعَةِ الْهَائِلَةِ مِنْ جِهَةِ الْوَحْیِ بِوَاسِطَةِ جِبْرِيْلَ وَغَيْرِهٖ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ فَمَشْهُوْرٌ مُّتَوَاتِرٌ" یعنی - اور خبر دینا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس واقعہ ہولناک سے بواسطہ وحی لانے جبریل وغیرہ فرشتوں کے سو مشہور اور متواتر ہے" چنانچہ اسکے ثبوت میں اُنہوں نے بہت سی مستند اور صحیح حدیثیں نقل کی ہیں جن میں بہت تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کے ہونے کی خبر دیگئی ہے - پس بقول ہمارے مخر قوم مولوی سید امیر علی صاحب ایم اے بیرسٹرایٹ لا سی آئی ای سلمہ اللہ تعالیٰ کے "اگر معاصی عباد کا فدیہ اور تقرب خدا کا وسیلہ آدمی کو درکار ہے تو جناب سید الشہدا حسینؑ بن علیؑ شہید دشت کربلا کی شہادت عظمیٰ سے اس مقصد کی تکمیل ہو گئی"

اللہ اکبر واقعہ کربلا بھی عجیب و دردانگیز و حسرت خیز واقعہ ہے - اور جناب

سید الشہدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صبر و استقلال اور شجاعت و شہامت
ایسے اعلیٰ درجہ کی ہے کہ جن لوگوں نے اُسکو مورخانہ نظر سے جانچا ہے
اور اس واقعہ کی جزئیات پر غور کی ہے اُنہوں نے تسلیم کیا ہے کہ جناب
موصوف سے بڑھکر کوئی شجاع دنیا میں نہیں گزرا اور نہ کسی نے کسی ایک امر حق
کی تائید میں ایسے مصائب کی برداشت کی۔ چنانچہ جیمس کارکن صاحب
آنجہانی اپنی بے نظیر تاریخ چین کی جلد دوم میں (جو بغیر بد دکسی ہندوستانی
کے اردو زبان میں لکھی ہے) ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "دنیا میں رستم
کا نام بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی شخص ایسے گزر گئے ہیں کہ اُنکے سامنے
رستم کا نام قابل لینے کے نہیں ہے۔ چنانچہ اول درجہ میں حسینؑ
ابن علیؑ کا درجہ بہادری میں ہے۔ کیونکہ میدان کربلا میں گرم ریت
پر تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا ایسا کام کیا ہو اُسکے سامنے
رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے
کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے۔ کس کی زبان
میں یہ لطافت و بلاغت ہے کہ اُن بہتر بزرگواروں کی ثابت قدمی
اور تہور و شجاعت اور تیس ہزار سوار خونخوار شامی کے جواب دینے
اور ایک ایک کے ہلاک ہو جانے کے باب میں مدح جیسا کہ چاہئے
کر سکے۔ کسکی نازک خیالی کی یہ رسائی ہے کہ اُن لوگوں کے
دلوں کے حال کو تصور کرے کہ کیا کیا اُنپر گزرا۔ اُسوقت سے
جبکہ عمر سعد نے دس ہزار سوار سے اُنکو گھیر لیا اُسوقت تک کہ جب

شمر ملعون نے سر کاٹ لیا۔ کیونکہ ایک کی دو اور دو مشہور ہے اور
مبالغہ کی یہ ہی حد ہے کہ جب کسی کے حال میں یہ کہا جاتا ہے کہ
دشمن نے چار طرف سے گھیر لیا۔ لیکن حسینؑ اور بہتّر تن کو آٹھ
قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا۔ اور اُسپر بھی قدم نہ ہٹا۔ چنانچہ
چار طرف سے تو دس ہزار فوج یزید کی تھی جنکے نیزوں اور تیروں
کی بوچھار مثل آندھی کے آتی تھی۔ اور پانچواں دشمن عرب کی دھوپ
تھی جسکی مثال کسی سے زیر فلک نہیں ملتی اور یہی کہنا ہوتا ہے کہ عرب
کی دھوپ کی مانند عرب ہی کی دھوپ ہے۔ اور چھٹا دشمن وہ
ریگ کا میدان تھا جو آفتاب کی تمازت میں شعلہ زن اور تنور کے خاکستر
سے زیادہ پرسوز تھا بلکہ اُسکو دریائے قہار کہنا چاہیے جسکے بلبلے
بنی فاطمہ کے پانوں کے آبلے تھے۔ اور دو دشمن سب سے
ظالم بھوک اور پیاس مثل دغاباز ہمراہی کے جسکے برابر عدو نہیں سلتہ
تھے۔ اور تشنگی سے زبان پھول کر کے جب پھٹ جاتی تھی تب ہی
اُن دو کی خواہش اندکے تھمتی تھی۔ پس جنہوں نے ایسے معرکہ میں ہزارہا
کافروں کا مقابلہ کیا ہو اُن پر خاتمہ بہادری کا ہو چکا"۔ [انتہے بلفظہ]

تیسری پیشین گوئی خود قرآن مجید کی کمی بیشی اور تحریف و
تصحیف سے محفوظ و مصئون رہنے کے باب میں ہے جیساکہ فرمایا
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [سورہ حجر] یعنی "بتحقیق
ہمنے اُتارا ہے قرآن کو اور بیشک ہم اُسکی حفاظت کے ذمہ دار ہیں"

کوئی کتاب کیوں نہو اور کیسی ہی احتیاط کیوں نہ کیجائے مگر نقل ہونے میں کسی طرح کی غلطی کا نہونا ایک غیر ممکن امر ہے - یہانتک کہ مذہبی مقدس کتابیں بھی اس سے محفوظ نہیں رہیں اور نہ رہ سکتی ہیں - چنانچہ عہد عتیق و جدید کی کتابوں کی نسبت ہارن صاحب اپنے انٹروڈکشن مطبوعہ لندن ۱۸۲۵ء کی جلد دویم کے صفحہ [۳۱۴] میں لکھتے ہیں کہ "عہد عتیق اور جدید کی کتابیں اور اور تمام قدیم تحریریں عموماً بذریعہ نقل کے ہر ایک کے پاس ہیں اور مروج ہوئی ہیں اسلیے ممکن نہ تھا کہ انمیں غلطیاں داخل نہ ہوتیں - اور جسقدر کثرت سے کتابیں نقل ہوئیں اُسیقدر غلطیاں اُن میں پڑیں اور اختلاف عبارت اُن میں پیدا ہوئے" پھر صفحہ ۳۱۷ میں لکھتے ہیں کہ "تمام نسخوں کو نقل کرایا گیا تھا یا ناقلوں نے خود ہی نقل کیا تھا - اور چونکہ ناقل غلطی کے امکان پر خدا کی طرف سے حفاظت نہیں کئے گئے تھے اسلئے جو غلطیاں واقع ہوئیں اُنکے چار سبب ہیں -

(۱) اول - ناقلوں کی غفلت یا غلطیوں سے اختلاف کا ہونا اور یہ کئی طرح پر ہوتا ہے -

(۱) جبکہ ایک شخص منقول عنہ کو پڑھتا جاے اور ایک یا بہت سے نقل کرنے والے اُسکو لکھتے جائیں - اور جو شخص پڑھکر لکھواتا ہے وہ اچھی طرح نہ بتاے - بلکہ بے پروائی سے پڑھے اور ایسے الفاظ زبان سے نکالے جو اُس نسخہ میں نہوں جسکی وہ نقل لکھواتا ہے - اور اسیطرح

مختلف الفاظ زبان سے بتاے ۔ تو اس سبب سے ناقل سے
جو اُسکے بتاے بموجب لکھتا ہے بالضرور نقل میں اختلاف
واقع ہونگے ۔

(۲) عبری اور یونانی حرف آواز اور صورت میں مشابہ ہیں
اس سبب سے غافل اور بے علم نقل کرنے والا ایک لفظ یا
حرف کو بجاے دوسرے لفظ یا حرف کے لکھکر عبارت میں
اختلاف ڈالدیتا ہے ۔

(۳) منقول عنہ جو لکیر کھینچکر لکھے گئے تھے نقل کرنے والا اُسکو
کسی حرف کا جزو سمجھ گیا ۔ یا حرف کے کسی شوشہ کو غلطی سے
لکیر سمجھ گیا ۔ یا اُسنے اصلی لفظ کے صحیح معنی کو غلط سمجھکر اُسطرح پر لفظ
بدل دیا ۔ یا جب وہ غلط لفظ لکھ گیا اور اُسنے جان بھی لیا کہ میں نے غلط
لکھا ۔ مگر اس خیال سے کہ نقل میں کٹ کٹ ہوکر بدصورت ہوجائیگی
اُسکو صحیح نہ کیا ۔ اور اپنی نقل کی خوبصورتی پر اُسکی صحت کو قربان
کردیا ۔ اور اس سبب سے نسخوں کی عبارتوں میں اختلاف
پڑگیا ۔

(۴) نقل کرنے والا لکھتا کہیں تھا اور لکھ گیا اور کہیں سے اور پھر
اُسکو خبر نہوئی ۔ یا خبر ہوئی مگر اپنے لکھے کو مٹانا یا کاٹنا پسند نہ کیا
اور جہاں سے چھوٹا تھا وہیں سے پھر شروع کیا اور اس طرح سے
ایک لفظ یا جملہ نامناسب طور سے داخل ہوگیا ۔

(۵) نقل کرنے والے نے کوئی لفظ چھوڑ دیا اور جب اُسکو معلوم ہوا تو اُسنے اُس چھوٹے ہوئے لفظ کو اُس جگہ پر لکھدیا جہاں اُسکو خبر ہوئی اور اس طرح پر لفظ اُلٹ پلٹ ہو گیے یعنی کہیں کا کہیں لکھا گیا۔

(۶) عبری نسخوں میں اختلاف عبارت کا بڑا سبب یہ ہے کہ سطروں کا اندازہ برابر رکھنے کے لیے سطروں کے اخیر میں زیادہ لفظ بڑھا دیئے جاتے تھے۔ اور یونانی قلمی نسخوں میں اکثر الفاظ اور جملے اسلیے لکھنے سے رہگئے کہ ایک لفظ جو آچکا تھا تھوڑی دُور بعد پھر وہی لفظ آیا۔ اور نقل کرنے والے کی نگاہ پہلے لفظ پر سے چوک کر دوسرے لفظ پر جا پڑی اور وہاں سے لکھنے لگا اور اُن دونوں لفظوں کے درمیان میں جو کچھ آیا لکھنے سے رہگیا

(۷) تمام قلمی نسخے بڑے حرفوں میں لکھے جاتے تھے۔ اور لفظوں بلکہ فقروں کے درمیان میں جگہ نہ چھوڑتے تھے اس سبب سے کہیں لفظوں کے جزو لکھنے سے رہگئے۔ اور کہیں کر لکھے گیے۔ یا بے پروا اور جاہل نقل کرنے والے نے اختصار کے نشانوں کو جو قدیم قلمی نسخوں میں اکثر واقع ہوتے ہیں غلط سمجھا۔

(۸) بہت بڑا سبب اختلافِ عبارت کا نقل کرنے والوں کی جہالت یا غفلت ہے کہ اُنہوں نے حاشیہ پر جو شرح لکھی ہوئی تھی اُسکو متن کا جزو سمجھا۔ قدیم قلمی نسخوں کے حاشیہ میں مشکل مقامات

کی شرح لکھنے کا اکثر رواج تھا اور آسانی سے سمجھا جاتا تھا کہ یہ حاشیہ کی شرح ہے پس اُن حاشیوں کی شرحوں میں سے تھوڑا یا سب اُن نسخوں کے متن میں آسانی سے لگیا ہوگا جو نسخے ایسے نسخوں سے نقل ہوئے جنکے حاشیہ پر شرحیں لکھی ہوئی ہونگی۔

(۲) **دویم** - دوسرا سبب اختلاف عبارتوں کا اُس قلمی نسخہ میں غلطیوں کا ہونا ہے۔ جس سے نقل لکھنے والے نے لی ہے علاوہ اُن غلطیوں کے جو بعض حرفوں کے شوشے کم ہوجانے یا مٹ جانے سے واقع ہوتی ہیں۔ چمڑے یا کاغذ کے مختلف حالات سے بھی پیدا ہوتی ہیں۔ کاغذ یا چمڑا پتلا ہو جسمیں سے ایک ورق کا ایک طرف کا لکھا ہوا دوسری طرف پھوٹ جاوے۔ اور دوسری طرف کے حرف کا ایک جزو معلوم ہونے لگے اور اُور لفظ سمجھ میں آئے۔

(۳) **سویم** - اختلاف عبارتوں کا سبب یہ بھی ہے کہ نکتہ چیں قیاس سے اصلی متن کو ارادتاً بہتر اور درست کرنے کی مراد سے صحیح کیا گیا ہے۔ جبکہ ہم ایک مشہور عالم کی تصنیف کی ہوئی کتاب پڑھتے ہیں۔ اگر اُسکی کتاب میں کوئی صرف نحو یا قواعد مناظرہ کی غلطی پاتے ہیں تب اُس غلطی کو زیادہ تر چھاپنے والے سے منسوب کرتے ہیں بہ نسبت اِسکے کہ مصنف کی طرف نسبت کریں۔ اسی طرح ایک قلمی نسخہ کا نقل کرنے والا جو اُس کتاب میں جس سے وہ نقل کرتا ہے غلطیاں پاوے تو اُسکو ناقل اول کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور پھر اُن کو وہ اپنی

دانست میں اس طرح پر صحیح کرتا ہے کہ مصنف نے اُسکو یوں لکھا ہوگا
لیکن اگر وہ اپنے نکتہ چین قیاس کو بہت وسعت دیتا ہے تب وہ
خود اُس غلطی میں پڑتا ہے جسکے رفع کرنے کا اُسنے ارادہ کیا تھا۔ اور
اُسکا غلطی میں پڑنا کئی طرح پر ہو سکتا ہے۔

(۱) مثلاً نقل کرنے والا ایک لفظ کو جو حقیقت میں صحیح ہے
غلط سمجھ لے۔ یا جو مصنف کی مراد ہے اُسکو غلط سمجھے اور یہ جانے
کہ اُسنے صرف نحو کی غلطی پکڑی۔ حالانکہ وہ خود غلطی پر ہے یا یہ بات
ہو کہ وہ صرف نحو کی غلطی جسکے صحیح کرنے کا اُسنے ارادہ کیا ہے حقیقت
میں خود مصنف ہی نے کی ہو۔

(۲) بعض نکتہ چین ناقلوں نے نادرست کلاموں کو صرف صحیح
ہی نہیں کیا بلکہ عمدہ طرز کلاموں کو بجاے غیر عمدہ طرز کلاموں کے
بدل دیا اور اسی طرح اُنہوں نے اُن الفاظ کو جو اُنکو فضول معلوم ہوئے
یا جنکے فرق کو وہ نہ سمجھے لکھنے سے چھوڑ دیا۔

(۳) اختلاف عبارت کے سببوں میں سے بموجب قول ہیلکس
صاحب کے بہت بڑا سبب جس سے عہد جدید میں
دروغ آمیز مقامات نہایت کثرت سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ ہے
کہ یکسان مقامات کو اس طرح تبدیل کیا گیا ہے جس سے اُنمیں ایک
دوسرے سے زیادہ کامل مطابقت کیجاے۔ اور خاصکر انجیلیون
کو اس طریقہ سے نقصان پہنچا اور سیپٹواجنٹ کے ناموں کو اکثر مقامات

میں سے اسلیے اُلٹ پلٹ کیا گیا ہے کہ اُسکے عہد جدید کے حوالوں کو اُن مقامات میں جہاں وہ سپٹواجنٹ + ترجمہ کے بعینہ الفاظ سے تفاوت رکھتے ہیں سپٹواجنٹ ترجمہ سے مطابق کریں

(۳) بعض نکتہ چینوں نے عہد جدید کے نسخوں میں اس طرح اختلاف عبارت ڈالدیے کہ اُنکو ترجمہ ولگیٹ کے مطابق تبدیل کردیا۔

(۴) چہارم۔ ایک سبب اختلاف عبارت کا ایسی خرابیاں یا تبدیلیاں ہیں جو کسی فریق کی مطلب براری کے لیے دانستہ کی گئی ہوں۔ خواہ وہ فریق درست مذہب رکھتا ہو یا بدعتی ہو۔

یہ بات تحقیق ہے کہ اُن لوگوں نے جو دیندار کہلاتے ہیں ارادتاً بعض خرابیاں کیں۔ جو خرابیاں یا تبدیلیاں اس دوراندیشی سے کی گئی تھیں کہ جو مسئلہ تسلیم کیا گیا ہے اُسکو تقویت ہو یا جو اعتراض اُس مسئلہ پر ہوتا ہو وہ نہو سکے،، (انتہی ملخصاً)

ہمکو یہ بات تسلیم کرنی چاہیئے کہ قرآن مجید بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کہ اُسکی نقل میں بھی غلطیوں کا ہونا ممکن ہے۔ مگر اُسمیں اور اُور کتابوں

+ بطلمیوس فلاڈلفس ثانی بادشاہ اسکندریہ نے جو یونانی تھا بہتر یہودی عالموں سے کتب عہد عتیق کا ترجمہ اپنے مشہور کتب خانے کے لیے یونانی زبان میں کرایا تھا اسلیے اُسکو سپٹواجنٹ یا الگزنڈرین یعنی منسوب بہ الگزنڈریا کہتے تھے یا یہودیوں کی بڑی عدالت نے جو سینہڈرس کہلاتی تھی اور جسمیں بہتر ممبر ہوتے تھے اس ترجمہ کو منظور کیا تھا اور اسواسطے سپٹواجنٹ کہلاتا تھا یہ ترجمہ دوسو چھیاسی یا دوسو چھیاسی برس قبل سنہ مسیحی کے کیا گیا تھا۔ مولف عفی عنہ

میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ کاتبوں کی غلطی سے عہد عتیق و
عہد جدید کی کتابوں کی طرح اُسکو نقصان نہیں پہنچا اور پہنچ سکتا ہے
کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے اس کلام کے [جو اُسکا آخری کلام ہے]
غلطیوں اور کمی بیشی سے محفوظ و مصئون رہنے کا شروع ہی سے
ایسا ساماں کر دیا ہے کہ اُسکو کسیطرح نقصان پہنچنا ممکن نہیں۔ یعنی مسلمانوں کے
دلوں میں اُسکے حفظ یاد رکھنے کا ایک پُرجوش شوق پیدا کر دینا۔ اور اُسکی وجہ سے
ہر ملک اور ہر زمانہ میں ایسے ہزارہا شخصوں کا موجود ہونا کہ جنکو قرآن مجید
بہ ترتیب من اولہ الی آخرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سند
متصل کے ساتھ یاد تھا اور کسی کی قرأت میں ایک حرف یا ایک لفظ
کا بھی فرق نہ تھا۔ اور آج کے دن بھی جو ششم رجب ۱۳۱۹ھ نبوی مطابق
۱۳۰۶ ہجری موافق نہم مارچ ۱۸۸۹ عیسوی ہے جہاں جہاں مسلمان رہتے
ہیں وہاں سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں ایسے لوگ موجود ہیں
کہ جنکو وہ ویسا ہی برزباں یاد ہے جیسا کہ حضرت نبی امی صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے پاک اور مبارک ہونٹوں سے نکلا تھا۔ اور جسکو
خلافتِ اولیٰ میں زید بن ثابت نے سورتوں کی موجودہ ترتیب کے
موافق مصحف میں لکھا تھا۔ اور خلافت ثالثہ میں جبکہ اسلام دور و دراز
ملکوں میں پھیل گیا تھا اُسکی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ میں بھیجدی گئی تھیں
پس یہ شرف و فضیلت صرف قرآن مجید ہی کو حاصل ہے کہ اگر
بالفرض اُسکے تمام قلمی اور چھاپے کے نسخے دُنیا سے معدوم کر دیئے

جائیں تو ہمکو اسکے موجودہ کرنے میں کچھ بھی دقت نہوگی۔ اور حافظوں کے
سینہ سے [جسکو گویا لوح محفوظ کہنا چاہیئے] ویسا ہی نقل ہوسکیگا جیساکہ
ہے۔ اور ایک لفظ اور ایک شوشہ اور ایک اعراب کا بھی فرق نہوگا
اور یہ اُس کلام پاک کا اعجاز اور اوس وعدہ کی صداقت کا نتیجہ ہے جو
خدا نے اُسکی نسبت فرمایا کہ "اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ"

سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں
لکھتے ہیں کہ "نہایت قوی قیاس سے ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک آیت
قرآن کی محمدؐ کے عہد محرف اور صحیح الفاظ میں ہے۔ اور ہم کم سے کم
اُسکے نتیجہ میں وان ہیم کے اس قول کے بہت ہی قریب پہنچتے ہیں
کہ "ہم قرآن کو محمدؐ کا کلام ایسا ہی یقینی جانتے ہیں جیساکہ مسلمان
اُسکو کلام الٰہی سمجھتے ہیں" اور اپنی اسی کتاب کے ایک اور مقام پر لکھتے
ہیں کہ "دنیا میں غالباً کوئی اور کتاب ایسی نہیں ہے جسکی عبارت بارہ سو
برس تک ایسی خالص رہی ہو"

یہودی اور عیسائی اپنی اپنی کتابوں کو کمی بیشی اور تحریف و تصحیف
سے محفوظ نہ رکھ سکے تھے جیساکہ ہمنے ہادن صاحب کی شہادت سے
ابھی ثابت کیا ہے۔ اور اور شہادتوں سے بھی ثابت ہے۔ اسلیے
قرآن مجید کی نسبت جو انسان کے لیے آخری پیغام خدا کا ہے اسکی
ضرورت تھی کہ دنیا کے اخیر دن تک ویسا ہی محفوظ و مصئون رکھا جائے
جیساکہ خدا نے اُسکو اپنے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل

فرمایا تھا تا کہ کسی اَور کلام کے نازل کرنے کی حاجت نہو۔ پس خدا نے
اُسکی حفاظت کا ذمہ اُٹھایا اور ایسے اسباب مہیا کر دیئے جو کبھی زائل ہونے
والے نہیں۔ یعنی ہر ملک اور ہر زمانہ میں حافظوں کا کثرت کے ساتھ
موجود ہونا۔ جنکے ہوتے ممکن نہیں کہ اُسمیں کسی طرح کی غلطی یا کمی بیشی واقع
ہو سکے۔ جیسا کہ تیرہ سو برس کے تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے۔
اِن پیشینیں گوئیوں سے جو صرف نمونہ کے طور پر نقل کی گئی ہیں اور جو
بطور حصر۔ اور چیستاں کے نہیں بلکہ ایسی صاف اور روشن باتیں
ہیں کہ جنکی سچائی پر تاریخ اور تجربہ دونوں گواہ ہیں۔ بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے
کہ قرآن مجید کن اعلیٰ درجہ کی صداقتوں پر مشتمل ہے۔ اور یہ کہ اُسکا ایسے
واضح اور صریح طور پر اُمور غیب کی خبریں دینا اور اُن کا اپنے اپنے وقت
اور موقع پر ویسا ہی وقوع میں آنا بغیر اِسکے نہیں ہو سکتا۔ کہ اُسکو کلام خدا
اور معجزہ مستمرہ مانا جائے وہذا ہو المقصود۔
اَب ہم قرآن مجید کے معنی کی نسبت بحث کو ختم کرتے ہیں اور اپنے
وعدہ کے موافق جو کتاب کے شروع میں کر آئے ہیں دکھاتے
ہیں کہ جیسا وہ اپنے معنی اور مدعا کے لحاظ سے معجز ہے ویسا ہی
الفاظ اور عبارت کے اعتبار سے بھی معجز اور ناقابل معارضہ ہے۔
سارے قرآن کی فصاحت و بلاغت کی نسبت بحث کرنا اور
اُسکے نکات اور لطائف کو دکھانا ایک ایسا مشکل اور قریب بمحال کام
ہے کہ جسکو بڑے سے بڑے علماء و فضلاء بھی انجام نہیں دے سکتے۔ پس

مجھ جیسے شخص کو جسکی بضاعتِ علمی بہت ہی کم اور محدود ہے کب
یہ جرأت ہوسکتی ہے کہ ایسے سخت اور مشکل کام میں ہاتھ ڈال سکے۔ اور
اُسکے پورا کرنیکا حوصلہ کرسکے۔ اسلئے میں صرف ایک آیت کے لکھنے پر اکتفا
کرونگا ناظرین اُسپر تمام قرآن کو قیاس کرلیں۔ اور وہ یہ ہے۔ خدا تعالیٰ سورہ
بقرہ میں فرماتا ہے "اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ
النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ"
یعنی۔ جولوگ ایمان لائے اُنکا مالک اور کارساز تو اللہ ہے جو اُنکو تاریکیوں
[گمراہیوں] سے نکالکر [ایمان و معرفت کی] روشنی میں لاتا ہے۔ اور
جو لوگ انکارِ پر قایم رہے اُنکے مالک اور کارساز شیطان ہیں جو اُنکو اجالے
سے نکالکر اندھیروں کیطرف ڈھکیلتے ہیں۔ دوزخ انہیں لوگوں کیلئے
ہے۔ یہی اُسمیں ہمیشہ رہنے والے ہیں"

علامہ شیخ جلال الدین سیوطی نے جو مشہور ترین فضلاے
اسلام سے ہیں اس آیہ شریفہ میں ایکسو بیس نکات بدیعی معلوم کئے ہیں
جنکو اُنہوں نے اپنے رسالہ مسمی بہ فتح الجلیل مین بہ تفصیل بیان کیا ہے
مگر کلام الٰہی کے کمال کو دیکھنا چاہیے کہ ایک بہت ہی لطیف نکتہ ایسے
محقق اور باکمال شخص کے ذہن سے بھی رہگیا اور وہ اُسکو معلوم نہ کرسکا
یعنی اس آیت کے حروف کا نکات بدیعی سے شمار میں چار کم ہونا جس سے
گماں ہوتا ہے کہ شاید کچھ اور نکات و لطائف بھی ہوں جو ابتک کسی کے

ذہن میں نہیں آئے۔ پس ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ انسان خواہ کیسا ہی
فصیح و بلیغ کیوں نہو ایسا کلام نہیں کر سکتا کہ جسکے وجوہ بلاغت حروف سے
زیادہ ہوں۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ لبید سا فرید و وحید شاعر (جیسا کہ ہم پہلے
بھی لکھ آئے ہیں) بے اختیار بول اُٹھا کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے اور
فوراً مسلمان ہو گیا۔ کیونکہ بسبب اُس کامل واقفیت اور مہارت کے جو
فنِ فصاحت و بلاغت میں اُسکو حاصل تھی وہ اس بات کے جانچنے کی
قابلیت رکھتا تھا کہ انسان ایسا کلام کر سکتا ہے یا نہیں۔ ہماری آرزو
تھی کہ جن نکات کو شیخ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ اُنکو بیان کریں مگر افسوس
ہے کہ ایسا کرنا بے فائدہ معلوم ہوا۔ کیونکہ جن لوگوں کے لیے ہمنے یہ کتاب
لکھی ہے وہ قریب کل کے زبان عربی سے ناواقف ہیں اور کسی کلام
کی فصاحت و بلاغت کو سمجھنا اور اُسکے نکات و لطائف کا اندازہ کرنا ہمیشہ
اسپر موقوف ہوتا ہے کہ اُس زبان میں کامل مہارت حاصل کیجائے۔ پس
جو لوگ زبان عربی سے ناواقف ہیں یا اُسمیں اُنکو کامل مہارت حاصل نہیں
ہے۔ اور اُسکے فنِ معانی اور بیان و بدیع کو کامل طور پر نہیں جانتے وہ
قرآن جیسے بلیغ ترین کلام کی فصاحت و بلاغت کو کسی طرح نہیں سمجھ سکتے
اور نہ اُسکے محاسن و لطائف کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ پس بافسوس تمام ہم
اُنکو قلم انداز کرتے ہیں اور جو شخص معلوم کرنا چاہے اُسکو جناب شیخ کے رسالہ
کے پڑھنے کی صلاح دیتے ہیں۔

تمت

خاتمۃ الکتاب بعون الملک الوہاب

للہ الحمد ٹھکانے لگی محنت میری
طے ہوئی آج کی منزل میں مسافت میری

یعنی قریب تین سال کی محنت میں یہ زادِ آخرت و وسیلہ مغفرت انجام کو پہنچا۔ پس ہم جسقدر خوشی منائیں اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے گیت گائیں کم ہیں۔ کیونکہ یہ اُسی کی مہربانی تھی کہ اُسنے اپنے نہایت فضل و کرم سے مجھ نامہ سیاہ سرتاپا گناہ کو اس کتاب ہدایت انتساب کے لکھنے پر آمادہ کیا اور اُسکے انجام کو پہنچانے کی بھی توفیق بخشی۔ سب جانتے ہیں کہ میں انگریزی نہیں جانتا۔ پس یہ اُسی کے فضل کا نتیجہ تھا کہ ایسا عمدہ اور معتد بہ ذخیرہ اہل یورپ فضلاء و حکما کی شہادتوں کا میسر و موجود ہو گیا جسکو مینے موقع بموقع حسب دلخواہ صرف کیا اور جو دعویٰ کیا اُسکو کم سے کم ایک نامی گرامی یورپین مصنف کی شہادت سے ثبوت کو پہنچایا۔ پس اس لحاظ سے یہ پہلی کتاب ہے کہ جو ایک جدید وضع اور طرز پر لکھی گئی ہے اور طریق استدلال بالکل نیا اور اچھوتا اختیار کیا گیا ہے۔ مینے اپنے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ اسکی عبارت اور مضمون عام فہم اور خاص پسند ہو۔ لیکن چونکہ میری لیاقت علمی نہایت محدود ہے اور اُردو میری مادری زبان نہیں ہے اور نہ میرے اہل شہر کی زبان ہے اسلیے اگر کسی مضمون میں لغزش اور مسامحت یا محاورہ اور روزمرّہ میں

غلطی اور خطا واقع ہوئی ہو تو اہلِ کرم ناظرین سے اُمید معافی ہے کہ
اَلْعُذْرُ عِنْدَ کِرَامِ النَّاسِ مَقْبُوْلٌ۔

مجھ پر اپنے فاضل دوست مولوی عَبْدُ الْعَزِیز صاحب خلف الرشید
مَوْلَانَا عَلَاءُ الدِّین صاحب مرحوم ساکن کوٹ مَدھ ضلع لودیانہ سلمہم اللہ تعالیٰ
کا شکریہ واجب ہے کہ جنسے اس کتاب کی تالیف میں مجکو نہایت مدد ملی
ہے۔ مَیں اپنے پیارے بھتیجے سَیِّد عِنَایَت حُسَیْن ولد ارشد
مَشِیْرُ الدَّوْلَہ مُمْتَازُ الْمُلْک خلیفہ سَیِّد مُحَمَّد حُسَیْن خان بہادر
سلمہ اللہ تعالیٰ میر منشی ریاستِ عالیہ پٹیالہ کی ترقی عمر و لیاقت کے
لیے بھی دعا کرتا ہوں کہ جنسے بعض انگریزی کتابوں کے مضامین کے
نہایت عمدہ ترجمہ کر دینے میں مجکو حسب دلخواہ مدد دی۔ مجکو ایسا ہی اپنے سب سے
چھوٹے بھائی خلیفہ سَیِّد مُحَمَّد مُحْسِن رضا متخلص بہ متین بقاہم اللہ تعالیٰ
کی محنت کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے کہ جنہوں نے مسودات کے مکرر
سہ کرر صاف کرنے وغیرہ میں میری امداد کی۔ اَب میں نہایت جوش
کے ساتھ خوشی کا ترانہ گاتا ہوں۔ ناظرین کو چاہیئے کہ میرا ساتھ دیں۔ اور
ثواب دارین حاصل کریں۔

مولفہ غزل

مُطرب مہربان بگو صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ	رقص کنان چہار سو صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
ساقی مہ لقائے من۔ مطرب خوش نوائے من	بادہ بیار و خوش بگو صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
بادۂ پاک کوثری۔ جرعہ جامِ حیدری	صاف و لطیف و مشکبو صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
نغمہ نعت مصطفٰے سر کن مع مُرتضٰے	نیست جز ایں آرزو صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

مست مے مجلتم نیست بباده حاجتم — وردِ منست ہاؤ ہو صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
مے چو بیاد اُو خورم - بلبلِ سدرہ گویدم — خوش بنشین و خوش بگو صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
جامِ شراب در کشم - نغمہ مدح سر کنم — مست و نظر بروے او صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
بادہ خورم سبو بسبو - باز روم بکوے اُو — نعرہ زنان بہ ہاد ہو صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیِّدِنَا وَ اٰلِہٖ — جان و دلم فداے او صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

قطعہ تاریخ اختتام مبارک انجام تصنیف شریف کتاب مستطاب معظم و جلیل المسمی بہ اعجاز التنزیل مصنفہ عالیجناب معلی القاب حضرت برادر صاحب قبلہ و کعبہ المخاطب بہ وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر سی آئی ای - وزیر اعظم و دستور معظم ریاست عالیہ پٹیالہ ادام اللہ اجلالہم - از بندہ ہیچمدان کمترین سید محمد محسن متین

تَجَاوَزَ اللّٰہُ عَنْ سَیِّاٰتِہٖ بِمُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ

ہوئی جب ختم افضالِ خدا سے — کتابِ مستطابِ اعجازِ تنزیل
مدلل جسمیں ہے ہر ایک مضموں — عجب خوبی سے بے ایجاز و تطویل
وزیر اللہ و لہ ہیں جسکے مصنف — جنہیں ہر فضل میں ہے سب پہ تفضیل
مدبر الملک اور سی ائی ای بھی — لقب ہے جنکا باصد مجد و تبجیل
محمد اور حسن ملنے سے جنکے — مقدس نام کی ہوتی ہے تکمیل
نہوئے مجملاً بھی وصف جنکا — کرے وصاف گو کتنی ہی تفصیل

... ہیں میرے برادر پر پدر سے	نہیں کم واجب التکریم و تبجیل
کیا ارشاد انہوں نے کوئی تاریخ	لکھو جلدی کہ ہے چھپنے میں تعجیل
گزارش کرتے ہی بالراس والعین	جو تھی فی الفور مجھ پر فرض تعمیل
تو میں نے اے متین ہاتف سے پوچھا	پکارا وہ بجب راے جبریل
لکھ اسکا سال ہجری بے کم و کاست	مدلل خوب ہے اعجاز تنزیل ۱۳۰۶ھ

قطعہ تاریخ انطباع این کتاب لاجواب از نتایج طبع نکتہ رس دقیقہ یاب شیخ ملک محمد صاحب منصرم اسٹامپ ریاست عالیہ پٹیالہ زید مجدہم

چو اعجاز تنزیل مطبوع شد	بصد حسن از لطف رب مجید
بتاریخ فرخندہ و سال نیک	بماہ ہمایون و روز سعید
ز تاریخ ہجریش خوش مطلعے	بگوش من از غیب گویا رسید
"براہین حقہ بطرز جدید"	ازین بہ نیاید بسیع شنید ۱۳۰۶ھ

ایضاً قطعہ تاریخ اختتام

جناب مصنف با لقابہ	کہ ماناد با شوکت و ابہت
نوشت این کتابے کہ ہر حرف آن	بود با الیقین دفتر معرفت
بہین زاد عقبے مہیا نمود	برائے نجات و پے مغفرت
ز تاریخ ختمش ہمیں ہاتفے	بگفتا (زہے توشۂ عاقبت) ۱۳۰۶ھ

قطعہ تاریخ اختتام منشی محمد حسین صاحب خوشنویس مراد آبادی

محمد حسن خانِ عالیجناب	رفیع المکاں قدر دانِ ہنر

وہ ہیں مالکِ دولتِ علم و فضل — سپہرِ فراست کے روشن قمر
مدلّل یہ ایسی لکھی ہے کتاب — کہ مداح جسکے ہیں اہلِ نظر
ہوا جب خیال اسکی تاریخ کا — تو ہاتف نے مجھسے کہا آنکر
یہ لکھہ بے تکلف اُٹھا کر قلم — کہ "وہ اعجاز تنزیل ہے معتبر"

ایضاً

یہ اعجاز تنزیل ہے وہ منور — کہ معدوم ہو کفر کی جس سے ظلمت
وہ انوارِ اسلام تاباں ہیں اِس سے — ہوئی جلوہ گر اس سے وہ حق کی رحمت
کہ ہو نور و ظلمت کا سب فرق روشن — ملے جس سے گمرہ کو راہِ ہدایت
مکمل ہوا جب یہ نسخہ تو راغب — ہوئی فکرِ تاریخ کی دلکو رغبت
وہیں ہاتفِ غیب آکر یہ بولا — چراغِ سبیل - اسکو کہتے ہیں حضرت

نتیجہ فکر عالی منزلت مولوی محمد رفعت اللہ صاحب رفعت بدایونی

جناب معلی محمد حسن خان — نوشت است بمثیل ردِ نصاریٰ
مدلل کتابے بہ تصدیقِ ایمان — ثبوتِ دلائل ز تحریرِ اعدا
ہویدا از ہر جملہ تکذیبِ منکر — ز ہر لفظ معنی تردید پیدا
ز ہر حرف حرفے آمدہ بر حریفاں — ز ہر نقطہ قطع کلامِ نصاریٰ
عجب دفترے از براہین محکم — عجب نسخۂ از تعرض مبرّا
چو شد فکرِ تاریخ بیحد و غایت — بخاطر نمود ہاتف از غیب القا
بگو رفعت از روے برہان قاطع — کہ "وہ اعجاز تنزیل تحقیق اعلےٰ"

تمت بالخیر